إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف

ویلور

دار العلوم لطیفیہ بمکان حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الطیف ویلور

سالنامہ
۱۴۲۸ھ ہجری
2007ء

۴۶
واں
شمارہ

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب، ویلور

مولانا مولوی ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء: ۱۱ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق 25 اگست 2007ء بروز ہفتہ

زیر نگرانی:

مولانا مولوی ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ایم اے، پی ایچ ڈی، بی سی اے
ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری ادیب فاضل (مدراس)
نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

زیر ادارت:

حضرت مولانا مولوی پی محمد ابو بکر ملیباری لطیفی قمری مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری لطیفی ایم اے، پی ایچ ڈی، مدرس دار العلوم

نمائندگان طلباء:

۱	حافظ مظفر بیگ	گڑیاتم
۲	حافظ جیلانی باشاہ	بلاری
۳	نظام الدین	چیٹ پیٹ
۴	سید تنویر باشاہ	کولار
۵	ٹی۔ عبد الصمد	کیرلہ
۶	کے۔ عبد السلام	کیرلہ

فہرستِ مضامین سالنامہ اللطیف ۱۴۲۸ھ 2007ء

منظومات

نظمِ قربی

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ حضرت مولانا رکن الدّین سیّد شاہ ابو الحسن قربیؔ علیہ الرحمہ

اب شوق ہے کنکروں کو ہم بحر ور کریں گے　　ذرے کو مہر تاباں کر مشتہر کریں گے
وحدت کا ذوق پاکر جس پر نظر کریں گے　　اکسیر اسے کریں گے اعظم نہ زر کریں گے
چرخِ بریں کو یاراں پل میں زمیں کریں گے　　اندھا اچھے اگر کوئی است بیز بیں کریں گے
ہر روسیہ کو پل میں روشن جبیں کریں گے　　اس بات سوں عزیزاں ہم کیا گزر کریں گے
ظلمت کو یک نگہ سوں نورِ مبیں کریں گے　　خائن اچھے اگر کوئی اس کو امیں کریں گے
رب کو نبی کوں ذاتِ ربی کریں گے　　مجلس میں عاشقاں کے یو نکتہ سر کریں گے
ہر مبتدی کوں لاکر اب منتہی کریں گے　　ہر بے خبر کو پل میں حق کی خبر کریں گے
دانش سوں ناروا کوں ہم اب روا کریں گے　　بیں پن کے ہر مرض کوں لائق دوا کریں گے
مئے قرب کا پلاکر قربیؔ کو حق کریں گے　　کہنے کے تئیں انا الحق نت مستحق کریں گے

مستان ہیں خدا کے مستا اخق کریں گے
بے ہوش پن میں اس کون باہوش کریں گے

منجانب: مولانا سید شاہ هلال احمد قادری شطّاری عرف ہلال پاشاہ　نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

رُباعیاتِ امجد

لَا یَصْدُرُ مِنَ الْوَاحِدِ اِلَّا الْوَاحِدُ

ہر رنگ میں بیرنگ کی صورت دیکھی
پتھر میں بھی شعلہ کی لطافت دیکھی
واحد سے ہوا ہمیشہ واحد کا صدور
کونین میں وحدت ہی کی کثرت دیکھی

رَبِّ زِدْنِیْ فِیْکَ تَحَیُّرًا

آنکھوں سے نکل کے اشک تھم جاتا ہے
اک دم آتا ہے اک دم جاتا ہے
ہر گام پہ ایک عالمِ حیرت ہے
جس جا رکھتا ہوں پاؤں جم جاتا ہے

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ

آنکھوں سے چھپے نگاہ سُبحان اللہ
دل سے مخفی ہو آہ سُبحان اللہ
پردہ کیا اس نے مجھ میں چھپ کر
کیا آڑ بنائی وہ سُبحان اللہ

عقدِ محبت

بجتا ہے شکستہ ہو کے آرگن میرا
شاداب خزاں میں بھی ہے گلشن میرا
کھنچنا ترا اور کھینچنا ہے مجھکو
دامن سے ترے بندھا ہے دامن میرا

افتتاحیہ

ادارہ

صحافت عربی زبان کا معروف لفظ ہے اور یہ صحف سے ماخوذ ہے۔ صحیفہ کے لغوی معنی ہیں وہ چیز جس پر لکھا جاسکے۔ اس کے مرادی معنی ہیں تحریر شدہ کاغذ۔ جیسے کتاب، رسالہ، کتابچہ، اخبار وغیرہ صحیفہ کی جمع صحف اور صحائف آتی ہے۔ قرآنِ کریم میں صحف کا لفظ انبیائے کرام پر نازل ہونے والی کتابوں کے لیے مستعمل ہے۔ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ ہ (الاعلیٰ) یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں ابراہیمؑ وموسیٰؑ کی کتابوں میں بھی ہیں۔ سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ صحیفہ کے تعلق سے یہ آیت ہے۔ رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (البینۃ) اللہ تعالےٰ کی جانب سے ایک رسولؐ جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن کے اندر صحیح اور درست تحریریں ثبت ہیں

قرآنِ کریم میں آسمانی کتابوں کے علاوہ انسانوں کے نامۂ اعمال کے لیے بھی صحف کا لفظ مستعمل ہے

واذا الصحف نشرت ہ (التکویر) اور جب اعمال نامے کھول دیے جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے کے بعد اللہ نے انھیں زندگی گزارنے کے لئے الہام اور القاء کے ذریعہ تعلیم دی جو آپؑ کے عہد اور ضرورت کے مطابق تھی۔ آپؑ کے بعد آپؑ کی اولاد میں سے جو اشخاص منصبِ نبوت پر فائز ہوتے رہے، جن کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز رہی، ان کے عہد اور ضرورت کے مطابق صحیفے نازل ہوتے رہے۔ تاکہ انسانوں کی رہبری اور رہنمائی کا سامان ہوتا رہے۔ انسانی تاریخ کے ہر دور میں ان صحیفوں کا تحفظ کن چیزوں کے ذریعہ ہوتا رہا، پورے وثوق اور سند کے ساتھ صراحت مشکل ہے۔ قرآنِ کریم کے بیان سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والا صحیفہ پتھر کی تختیوں پر ثبت تھا۔

ولما سکت عن موسیٰ الغضب اخذ الالواح وفی نسختھا ھدی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون ہ (الاعراف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے بنی اسرائیل کے پاس واپس تشریف لائے تو اپنے ہمراہ تورات

کی تختیاں بھی لیتے آئے جن میں خدا ترس لوگوں کے لیے رحمت اور ہدایت تھی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کتابت کے لیے جو چیزیں استعمال میں آتی تھیں وہ اونٹ کی ہڈی، کھال، تختی، پتھر اور ٹھیکری وغیرہ تھیں جیسا کہ قرآن کی کتابت اور اس کے جمع و تدوین کے باب میں یہ صراحت ملتی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بعض مکتوبات اور معاہدات میں کاغذ کا استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کاغذ کی ایجاد ہو چکی تھی لیکن یہ جنس گراں نایاب اور کم یاب ہونے کے باعث عام طور پر مستعمل نہ تھی۔

آخری مصحف شریف سے پہلے آسمانی صحیفے بجز ایک دو کے زیادہ تر اخلاقیات اور وقتی و عارضی احکامات اور دعاؤں پر مشتمل رہا کرتے تھے جو انبیائے کرام کے ذریعہ اُن امتوں تک پہنچا دیے جاتے تھے۔ یہ خدائی ابلاغ ایک محدود معنی میں مذہبی صحافت تھی۔

انسانی تاریخ کے ہر دور میں عصری ضرورت اور حسیت کے باعث ابلاغ و ترسیل کا دائرہ پھیلتا چلا گیا اور غیر الہامی اور انسانی احکامات اور ہدایات اور قوانین تحریر کے ذریعہ محفوظ اور منتقل کیے جاتے رہے تحریر شدہ چیز اور اس کی ترسیل و تبلیغ ہی صحافت ہے تو صحافت اپنی حقیقت اور معنویت کے اعتبار سے دنیا کی قدیم ترین چیز ہے۔

محمد افتخار کھوکھر اپنی کتاب "تاریخ صحافت" میں انور علی دہلوی، محمد عتیق صدیقی اور جادو ناتھ سرکار کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وہ پرانے وقتوں کے کتبے اور ستون جن کا حال ہی میں پتہ چلا ہے، خبر رسانی کی ابتدائی تاریخ کی گم شدہ کڑیاں ہیں۔ اُس زمانہ میں ستونوں اور چٹانوں پر عبارتیں کندہ کر کے سرکاری قوانین، مذہبی احکام اور اخلاقی اصول لوگوں تک پہنچائے جاتے تھے۔ آگے چل کر ستونوں کی جگہ تانبے کی چادروں نے لے لی۔ جن پر عبارتیں درج کی جاتی تھیں۔

قدیم ہندوستان میں منو مہاراج کے دور میں اخباروں کی فراہمی اور خبر رسانی کا باقاعدہ نظام تھا ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں خبریں منتقل ہوتی تھیں اور اس طرح حاکم تک پہنچتی تھیں۔

شیر شاہ سوری کے عہد میں تو خبر رسانی اور ڈاک کا ایسا نظام قائم تھا کہ اس کی مثال اس سے پیشتر اور کہیں نہیں ملتی۔ ہر ضلع میں ایک اخبار نویس ضرور ہوتا تھا۔ جو اپنے علاقہ کی خبریں بادشاہ اور اس کے وزیروں کو بھیجا کرتا تھا۔

مرکزی حکومت کو جن ذرائع سے خبریں حاصل ہوتی تھیں وہ وقائع نگار، سوانح نگار، خفیہ نویس اور ہرکارے تھے۔ ہرکارے کے علاوہ باقی تینوں خبریں لکھ کر بھیجتے تھے۔ ہرکارہ زبانی خبریں سناتا تھا۔

۱۵۶۶ء میں فرانس کے شہر میں یہ طریقہ تھا کہ ایک شخص عام شاہ راہ پر بلند آواز میں لوگوں کو دلچسپ کی خبریں ایک قلمی مسودہ سے پڑھ کر سناتا۔ یہ مسودہ حکومت کی نگرانی میں مرتب کیا جاتا۔ جو لوگ ان خبروں کو سنتے تھے ان سے ایک گزیٹا وصول کیا جاتا تھا جو رائج الوقت سکہ تھا۔ اسی مناسبت سے گزٹ کا لفظ ایجاد ہوا، جو اخبار کے معنے میں بولا اور لکھا جاتا ہے۔"

قدیم زمانہ میں صحافت کا رشتہ پہلے پہل اربابِ سلطنت سے قائم ہوا۔ کیوں کہ یہ شاہانِ وقت اس بات کی سعی و کوشش کرتے تھے کہ اپنی سلطنت میں پیش آنے والے واقعات و حادثات اور حقائق سے راست طور پر آگاہی اور شناسائی حاصل کریں۔ پھر جب حقائق و حالات سے آگاہی حاصل کرنے کا جذبہ لوگوں میں بھی پیدا ہونے لگا تو صحافت کا رشتہ عوام سے بھی قائم ہوتا چلا گیا۔ جس کی وجہ سے خبروں اور معلومات کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کا نظم و نسق وسیع پیمانے پر ہونے لگا۔

محمد عتیق صدیقی اپنی کتاب "ہندوستانی اخبار نویسی" میں لکھتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی ۱۵۰ برس پہلے رومن راج میں روزانہ ایک قلمی خبرنامہ جاری کیا جاتا تھا۔ جس میں سرکاری اطلاعات نیز میدان جنگ کی خبریں بھی ہوتی تھیں۔"

پریس کی جب ایجاد ہوئی تو صحافت قلمی دنیا سے نکل کر طباعت کی منزل میں پہنچ گئی اور اس کے دامن میں معاشی و معاشرتی، ملکی و سیاسی، علمی و ادبی، تمدنی و ثقافتی، مذہبی و اخلاقی اور سماجی خبروں نے بھی اپنے لیے جگہ بنالی۔

ڈاکٹر افضل الدین اقبال اپنی کتاب "جنوبی ہند کی اردو صحافت" میں لکھتے ہیں:

"دنیا کا پہلا اخبار ایک ہزار سال قبل چین میں تانگ خاندان کی حکومت کے دوران جاری ہوا اور ۱۹۱۱ء تک "پیکن گزٹ" کے نام سے چھپتا رہا۔ عربی زبان کا پہلا اخبار "الوقائع المصریۃ" کے نام سے ۲۰ نومبر ۱۸۲۸ء کو شائع ہوا۔ ۱۴ ارمئی ۱۸۳۲ء کو "تقویم وقائع" کا پہلا پرچہ ترکی زبان میں شائع ہوا۔ "جریدہ حوادث" ترکی زبان کا سب سے پہلا غیر سرکاری اخبار ہے۔ جس کی ایک انگریز ولیم چرچل نے ۱۸۴۰ء میں بنیاد ڈالی۔ ایران میں سب سے پہلا اخبار ۱۸۴۸ء میں تہران سے جاری ہوا ڈاکٹر موصوف نے اس ایرانی اخبار کے نام اور زبان کی نشاندھی نہیں کی۔ قیاس ہے کہ یہ اخبار فارسی زبان کا ہوگا۔ کیوں کہ ایران کی سرکاری اور عوامی زبان فارسی ہی ہے۔

بقول محمد افتخار کھوکر پہلا مطبوعہ خبرنامہ ۱۶۰۹ء میں جرمنی میں جاری کیا گیا۔ پہلا باضابطہ اخبار انگریزی میں ۱۶۲۰ء میں شائع ہوا۔ اس کا نام "ویکلی نیوز" تھا۔ اس کے بعد ۱۶۳۱ء میں فرانس سے "گزٹ آف فرانس" جاری ہوا۔ امریکہ کا پہلا اخبار "پبلک آکورنیسز" تھا۔ جو ۱۶۹۰ء میں بوسٹن سے جاری ہوا۔ برصغیر پاک و ہند میں سولھویں صدی کے وسط میں پرتگیزیوں نے چھاپہ خانہ قائم کیا۔ اس کے تقریباً ایک سو سال بعد انگریزوں نے ۱۶۷۴ء میں بمبئی کے

کے مقام پر چھاپہ خانہ شروع کیا۔ اس طرح سے برصغیر پاک و ہند میں بھی طباعت کا آغاز ہوا۔ ہندوستان میں سب سے پہلا مطبوعہ اخبار ۲۹ر جنوری ۱۷۸۰ء کو انگریزی زبان میں آگسٹس ہکی نے ہکنز بنگال گزٹ" کے نام سے کلکتہ سے جاری کیا۔ اس کے ۲۶ سال بعد ۱۸۱۶ء میں کلکتہ ہی سے بنگالی اخبار شروع ہوا۔ اس کے بعد ۱۸۲۲ء کو منشی سدا سکھ نے اردو کا پہلا اخبار "جامِ جہاں نما" کلکتہ ہی سے نکالا۔ (تاریخ صحافت: ص:۱۱)

ہمارے ملک میں صحافت کی ابتداء کو انگریزوں سے جو منسلک کیا جاتا ہے یہ مطلق اور کلّی طور پر صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ خبروں کی فراہمی اور اخبار رسانی کی شکل وصورت میں ہمارے ہاں صحافت کا وجود دورِ استعماریت سے قبل تھا۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صد فی صد صحیح ہے کہ انگریزوں کی وجہ سے مطبوعہ صحافت کی ابتداء ہوی اور اس میں توسیع اور ترقی کی شان پیدا ہوی۔ بہمنی، بلبنی، سیواجی، شیر شاہ سوری اور مغل ادوار میں خبروں کی تحصیل اور تدوین اور ترسیل و تبلیغ کا ایک مستقل نظام قائم تھا۔ اس کام کے لیے مختلف شہروں میں مخصوص لوگوں کو متعین کیا جاتا تھا اور وہ شہروں میں پیش آنے والے واقعات، حادثات اور واردات کو تحریری اور زبانی طور پر بادشاہوں اور وزیروں تک پہنچایا کرتے تھے۔ جلال الدین اکبر نے اپنے عہد میں ہر چند میل کے فاصلہ پر ایک چوکی مقرر کر دی تھی۔ جہاں تیز رفتار گھوڑے ہمیشہ موجود رہتے تھے۔ جن کے ذریعہ بادشاہ تک ہر جگہ کی خبریں پہنچ جاتی تھیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے عہد میں ایک مستقل محکمہ قائم کر رکھا تھا۔ جو واقعہ نگاروں، سوانح نگاروں، خفیہ نویسوں، زبانی خبر پہنچانے والوں اور خفیہ زبانی پیغام رساں جاسوسوں پر مشتمل تھا۔ خبر رسانی کے اس نظم و نسق سے اربابِ سلطنت کو تو فائدہ پہنچتا تھا اور وہ اپنی سلطنت میں پیش آنے والے اچھے بُرے واقعات سے مطلع ہو جاتے تھے اور ان ذرائع ابلاغ کی بدولت مملکت کے لیے پیدا ہونے والے خطرات اور انقلابات سے تحفظ اور انسداد کا سامان فراہم کر لیتے تھے۔ لیکن یہ ذرائع ابلاغ عوام کے لیے چنداں سود مند نہ تھے اور وہ جزوی طور پر شہروں میں پیش آنے بعض اچھے بُرے واقعات سُن لیا کرتے تھے۔ پھر جب عوام میں سماجی حالات و ضروریات اور سیاسی و ملکی حادثات اور واقعات کو جاننے کا احساس اور شعور پیدا ہوا تو عوامی اخبار کے لیے زمین ہموار ہوی۔ جس کے نتیجہ میں قلمی اور مطبوعہ اخبارات کی اشاعت شروع ہوی۔ بقول ڈاکٹر سید صفی اللہ

مغل دَور کے عہد عالمگیری میں قصر شاہی سے روزانہ ایک قلمی اخبار جاری کیا جاتا تھا جو محل کے حالات پر مشتمل ہوتا تھا اور محل کے اندر ہی گشت کرتا تھا۔ نوابانِ اودھ کے ہاں بھی اس قسم کے اخبار کا سلسلہ جاری ہوا تھا۔ وہ اسے " دیوڑھی اخبار" کہا کرتے تھے۔ (ٹمل ناڈو میں اردو صحافت: ص: ۱۶)

ڈاکٹر عابد صفی اپنی کتاب " ٹمل ناڈو میں اردو صحافت" میں اخبارات کے وجود میں آنے کی کہانی اڈیٹر پیسہ لاہور کی زبانی اس طرح سنا رہے ہیں:

" اس کا باعث قدیم زمانہ کے 'پرچہ نویس یا مخبر' معلوم ہوتے ہیں۔ جو گورنمنٹ کے علاوہ بعض امراء کی جانب سے بھی ملک کے مختلف حصوں میں متعین ہوتے تھے۔ جب کسی پرچہ نویس کے گاہک ایک سے زیادہ ہوتے تو اس کو اپنے 'پرچہ خبر' کی ایک سے

زیادہ نقلیں کرنی پڑتی تھیں۔ اس طریقہ نے چھاپہ کے رواج کے بعد زیادہ منظم صورت اختیار کرلی اور پرچہ نویسوں کا نام "نامہ نگار" ہوگیا اور پھر "پرچۂ خبر" کا "اخبار"۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ہندوستان میں انگریزی صحافت اور مطبوعہ صحافت کی ابتدا کرنے والے انگریز تھے اور انگریزوں میں بھی وہ افراد تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ تھے۔ چناں چہ ان میں سے بعض اشخاص کا کمپنی سے اختلاف ہوگیا۔ اور انھوں نے اخبار کے ذریعہ اپنی انتقامی مہم کا آغاز کیا۔ بقول ڈاکٹر عابد صفی:

"کمپنی کے ایک ملازم مسٹر ولیم بوٹس پر نجی تجارت کا الزام لگا۔ اس کے جواب میں اس نے ملازمت سے استعفیٰ تو پیش کیا لیکن اس کے فوراً بعد کلکتہ کے کاؤنسل ہاؤز کے پھاٹک پر ایک قلمی اخبار چسپاں کیا جس میں اہالیان کلکتہ کو ایک پریس کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی۔"

محمد افتخار کھوکھر اپنی کتاب "تاریخ صحافت" میں لکھتے ہیں:

"بکیز بنگال گزٹ" یا "کلکتہ جنرل ایڈورٹائزر" کے نام سے جیمز اگسٹس ہکی نے ۲۹ جنوری ۱۷۸۰ء کو ہندوستان کا پہلا انگریزی اخبار جاری کیا۔ جس میں ہندوستانی نامہ نگاروں کے علاوہ یوروپی خبروں کا خلاصہ بھی دیا جاتا تھا۔ "ہکی گزٹ" ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ بعض افراد کی بدعنوانیوں کو نمایاں کیا تو اُسے عدالت سے چار ماہ قید اور چار سو روپیہ جرمانہ کی سزا دلوائی گئی۔ لیکن ہکی پر اس سزا کا الٹا اثر ہوا۔ اس نے کھلے عام کمپنی کے خلاف لکھنا شروع کر دیا۔ پھر جون ۱۷۸۱ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ہکی کو دوبارہ گرفتار کرلیا۔ عدالت نے ایک سال اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی لیکن ہکی نے پابندِ سلاسل ہونے کے باوجود اخبار کی اشاعت کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری رکھا۔ کمپنی کے خلاف اپنی تند و تیز تنقید کا سلسلہ جاری رکھا تو بالآخر حکومت نے مارچ ۱۷۸۲ء کو ہکی کا پرنٹنگ پریس بحق سرکار ضبط کرکے برصغیر کی نوزائیدہ صحافت کے اولین اخبار کا سر قلم کر دیا۔ برصغیر کا دوسرا اخبار "انڈیا گزٹ" نومبر ۱۷۸۰ء میں شروع ہوا۔ یہ بھی ہفت روزہ اور انگریزی زبان میں تھا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر بی۔ میزینک B. MESSINK اور پیٹر ریڈ PETER REED تھے۔ "کلکتہ گزٹ" یا "اورئنٹل ایڈورٹائیزر"، ہندوستان کا تیسرا ہفتہ وار انگریزی اخبار تھا۔ جو ۴ مارچ ۱۷۸۴ء کو شروع ہوا۔ اس کا ایڈیٹر فرانسس گلیڈون FRANCIS GLADWIN تھا۔ اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ "کلکتہ گزٹ" کے ابتدائی نمبروں میں ایک کالم فارسی زبان کا بھی ہوتا تھا۔ اس کالم میں دربارِ معلیٰ کی خبروں کے علاوہ دلی کی عام خبروں بھی شائع کی جاتی تھیں۔

ہفتہ وار صحافت کے بعد ۱۷۸۵ء میں کلکتہ ہی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے معزز اور با اثر اور با اختیار افسران کے علمی و ادبی ذوق کی تسکین کے لیے سہ ماہی رسالہ "MISCELLANY OF BENGAL REGISTER ASIATIC" جاری کیا گیا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر تک کلکتہ سے کئی اور بھی رسائل کا اجرا ہوا۔ مثلاً "کلکتہ میگزین اور اورئنٹل میوریم"، اور "کلکتہ منتقلی جرنل" قابلِ ذکر ہیں۔"

(تاریخ صحافت: ص: ۱۹)

رام موہن رائے نے "مراۃ الاخبار" کے نام سے فارسی کا اخبار ۲۰ راپریل ۱۸۲۲ء کو جاری کیا۔ "مراۃ الاخبار" ہندوستان میں فارسی کا مطبوعہ پہلا اخبار تھا۔ مراۃ الاخبار کے بعد "جام جہاں نما" فارسی کا دوسرا اخبار اور اردو کا پہلا اخبار ۱۸۲۲ء میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر منشی سدا سکھ تھے۔ "جام جہاں نما" کے سرورق پہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا نشان چھاپنے کا مقصد یہ تھا کہ اس اخبار کو حکومتی سرپرستی حاصل ہے۔ (تاریخ صحافت: ص: ۲۸)

صحافت کی دنیا میں بنگال کی سرزمین مختلف زاویوں سے بڑی اہمیت اور وقعت کی حامل ہے۔ یہیں سے انگریزی صحافت کا آغاز ہوا۔ اور ہندوستانی بولیوں میں بنگالی زبان میں صحافت کا آغاز ہوا۔ اور اسی زمین سے فارسی اور اردو کے اولین اخبارات شائع ہوئے۔ ۱۸۱۸ء میں بنگالی زبان میں "ڈگ درشن" کے نام سے ایک ماہانہ اخبار شائع ہوا اور اب تک اسی اخبار کو پہلا بنگالی اخبار ہونے کا شرف حاصل ہے۔

بنگالی علاقائی زبان تھی اور آج بھی ہے۔ فارسی سرکاری اور علمی زبان تھی۔ اردو نوزائیدہ عوامی زبان تھی اور کسی حد تک علمی زبان بھی تھی۔ انگریزی زبان عصری علوم و فنون سے مالا مال تھی۔ یہ چاروں زبانیں کلکتہ میں بولی اور سمجھی جارہی تھیں جس کے باعث یہاں کی صحافت میں اولیت اور ہمہ گیریت اور عصری حسیت پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد ہی ہندوستان کے دوسرے شہروں میں انگریزی اور علاقائی زبانوں میں صحافت کا آغاز ہوا۔ اس مختصر وضاحت کے بعد ہم اپنا روئے سخن ٹمل ناڈو کی اردو صحافت کی جانب کررہے ہیں۔

ارض جنوب میں صوبہ ٹمل ناڈو کے مرکزی شہر مدراس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں سیاسی، تجارتی اور علمی مرکزیت حاصل تھی اور شہر مدراس کمپنی کا ثانوی مرکز بنا ہوا تھا۔ اسی کے باعث سارے ہندوستان میں کلکتہ کے بعد مدراس میں صحافت کا آغاز ہوا۔ اور یہاں کا پہلا اخبار انگریزی زبان میں ۱۷۸۵ء کو جاری ہوا۔ اور اس کے پون صدی کے بعد مقامی زبان ٹمل میں صحافت کی ابتدا ہوئی۔ بقول ڈاکٹر افضل الدین اقبال حیدرآبادی:

"شہر مدراس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی سرزمین سے جنوبی ہند کا پہلا اخبار مدراس کوریئر MADRAS COURIER کے نام سے ۱۲ راکتوبر ۱۷۸۵ء کو شائع ہوا۔ اس اخبار کے ایڈیٹر اور مالک رچرڈ جان اسٹوں تھے آٹھ سال تک مدراس کوریئر مدراس کے علاقہ کا واحد اخبار تھا۔ ۱۷۹۲ء میں ہیوج بائیڈ نے اپنا ایک ذاتی اخبار "ہرکارو" کے نام سے نکالا۔ یہ مدراس کا دوسرا ہفتہ وار اخبار تھا۔ جنوری ۱۷۹۵ء میں "مدراس گزٹ" کے نام سے ولیم سن نے ایک اخبار جاری کیا جو مدراس کا تیسرا ہفتہ وار اخبار تھا۔ مدراس گزٹ کے اجراء کے ایک مہینے بعد سم فرینر نے "انڈیا ہیرالڈ" کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ یہ مدراس کا چوتھا انگریزی اخبار تھا۔"

(جنوبی ہند کی اردو صحافت: ص: ۲۳)

بقول ڈاکٹر عابد صفی: "ٹمل صحافت کے میدان میں پہلی کوشش ۱۸۳۱ء میں

ریلجی جیس ٹریکیٹ سوسائٹی نے "ٹمل میگزن" جاری کرنے کی صورت میں کی مگر یہ رسالہ سرکاری سرپرستی کے باوجود تین سال سے زائد نہ چل سکا۔ ریونڈر جے لانگ اپنی ۱۸۵۹ء کی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ ٹمل کا پہلا اخبار ۱۸۳۳ء میں رونما ہوا۔" (ٹمل ناڈو میں اردو صحافت: ص:)

بقول ڈاکٹر افضل اقبال: "تامل زبان کی صحافت کا آغاز عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں سے ہوا۔ پہلا اخبار ۱۸۵۵ء میں "راجورتی بودمینی" کے نام سے اسی سال "دینا ورتمانی" کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار شائع ہونے لگا۔ یہ اخبارات عیسائیوں کی ملکیت تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تامل بولنے والوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ اس لیے اس زمانہ کے سیاسی اور معاشرتی مسائل پر کچھ نہیں لکھا جاتا تھا۔

(جنوبی ہند کی صحافت: ص: ۲۷)

ٹمل ناڈو میں ٹمل صحافت کے آغاز سے متعلق دو رائے ہیں۔ ڈاکٹر عابد صفی نے لانگ کی رپورٹ کی بنیاد پر ۱۸۳۳ء میں ٹمل کے پہلے اخبار کی رونمائی کو ترجیح دی ہے۔ ڈاکٹر اقبال حیدر آبادی نے ۱۸۵۰ء میں پہلے اخبار نکلنے کی صراحت پیش کی ہے لیکن انھوں نے اس کے ماخذ اور بنیاد کی صراحت نہیں کی ہے۔ ٹمل اخبار کو آنکھ کھولے ہوے سات سال کا عرصہ گزرا تھا کہ ۱۸۴۱ء میں اردو کا پہلا اخبار "جامع الاخبار" منصۂ شہود پر جلوہ کناں ہوا۔ ۱۸۳۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اردو کو سرکاری زبان قرار دیا۔ جس کی وجہ سے اردو زبان و ادب اور صحافت کے لیے نئی سمتیں اجاگر ہوئیں ۱۸۳۶ء میں لتھوگرافی کے ذریعہ طباعت کا کام شروع ہوا۔ اور ٹمل ناڈو میں اردو کی پہلی کتاب داستانِ الف لیلہ حکایات الجلیلہ کے نام سے ۱۸۳۶ء میں شائع ہوی۔ اس کتاب کا مطبوعہ نسخہ ڈاکٹر افضل اقبال حیدر آبادی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ لتھوگرافی طباعت کے باعث اردو کتابوں، اخباروں اور سرکاری خبروں کی نشر و اشاعت میں بڑی سہولت اور بڑی مدد ملی۔ انگریزی صحافت کے بعد اردو صحافت کا آغاز ہوا اور انگریزی صحافت اپنی پیدائش کے روز اول ہی میں انتقامی جذبات' انتقامی احساسات اور باغیانہ خیالات کے ساتھ نمودار ہوی۔ جس کے اثرات کسی درجہ میں بنگال کی اولین اردو صحافت پر بھی مرتب ہوے۔ لیکن جنوبی ہند میں اردو صحافت مثبت جذبات، تعمیری خیالات اور علمی و ادبی، اصلاحی و دینی اور سماجی ضروریات و احساسات کے ساتھ نمودار ہوی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے اختتام تک اردو کے پہلے اخبار "جامع الاخبار" کے بعد مدراس کے مطلع صحافت پر بے شمار اخبارات طلوع ہوے۔ جن کے بانیوں اور مالکوں اور وابستہ شخصیتوں میں اکثر علماء و فضلاء، شعراء و ادباء اور روساء رہے۔ جس کی وجہ سے ٹمل ناڈو کے اردو اخبارات میں علمی و ادبی، مذہبی و اصلاحی، تعمیری و ترقی، سیاسی و تنقیدی اور عصری رنگ دکھائی دیتا ہے۔ نصف صدی میں صرف مدراس شہر سے دو درجن سے زائد اردو اخبارات کا شائع ہو جانا ایک حیرت انگیز بات ہے۔ جب کہ یہاں کے باشندوں کی زبان اردو نہیں ہے۔ جامع الاخبار کے بعد یہ اخبارات وجود میں آے۔ ذیل میں چند اخبارات اور ان کے مدیران یا سرپرست افراد کے نام پیش ہیں:

۱	مراۃ الاخبار	۱۸۴۵ء	
۲	قاصد الاخبار	۱۸۴۵ء	
۳	اعظم الاخبار	۱۸۴۸ء	مدیر حکیم سید محمد
۴	رئیس الاخبار	۱۸۴۹ء	مدیر سید عبدالوہاب
۵	تیسیر الاخبار	۱۸۴۹ء	مدیر حکیم سید الباسط عشق
۶	آفتاب عالم تاب	۱۸۴۹ء	
۷	عمدۃ الاخبار	۱۸۴۹ء	مدیر محمد انور
۸	مخزن الاخبار	۱۸۵۰ء	
۹	نعیم الاخبار	۱۸۵۱ء	
۱۰	تعلیم الاخبار	۱۸۵۱ء	منشی سید حسینی
۱۱	امیر الاخبار	۱۸۵۳ء	محمود حسینی
۱۲	صبحِ صادق	۱۸۵۵ء	مدیر سید عبدالرحمن سقاف
۱۳	طلسمِ حیرت	۱۸۵۶ء	غلام محی الدین مدیر سید شاہ محمد صادق حسینی شریف مدراسی
۱۴	مظہر الاخبار	۱۸۵۶ء	مدیر خواجہ پاشاہ عبرت
۱۵	خلاصۃ الاخبار	۱۸۵۷ء	
۱۶	اخبار کرتان	۱۸۶۰ء	
۱۷	شمس الاخبار	۱۸۵۹ء	سید عبدالغفار
۱۸	شاہی عمدۃ الاخبار	۱۸۶۳ء	
۱۹	نیّر اعظم	۱۸۶۴ء	محمد عبدالستار صدیقی
۲۰	ماہِ نو	۱۸۶۴ء	محمد جعفر حسین شریف ، مدراسی
۲۱	ریاض الاخبار	۱۸۶۶ء	
۲۲	مفید عام	۱۸۶۹ء	
۲۳	یادگارِ زمانہ	۱۸۷۱ء	منشی محمد عبدالرزاق
۲۴	سفیر مدراس	۱۸۷۴ء	
۲۵	جریدۂ روزگار	۱۸۷۵ء	سید مرتضیٰ شاہ قادری

۲۶	مظہر العجائب	۱۸۷۹ء		محمد خواجہ پاشاہ عبرت
۲۷	احسن الجرائد	۱۸۸۱ء		حکیم محمد حسین
۲۸	اتفاق	۱۸۸۳ء		عبدالمالک
۲۹	حاکم	۱۸۸۳ء		شیخ محمد حسین
۳۰	اتحاد	۱۸۸۴ء		محمد عظیم الدین
۳۱	دبیر مدراس	۱۸۸۴ء		سید حسین رضا آتشی
۳۲	تحفہ	۱۸۸۴ء		منور خان عالی
۳۳	کرناٹک پنچ	۱۸۸۴ء		منشی محی الدین خان
۳۴	جلوۂ سخن	۱۸۸۷ء	ماہنامہ	سید علی قادری
۳۵	دکن پنچ	۱۸۸۵ء		
۳۶	عزیز الاخبار	۱۸۸۶ء		شاہ عزیز الدین گھٹالہ
۳۷	الحامی	۱۸۹۴ء		مولوی نوراللہ حسینی
۳۸	مخبرِ دکن	۱۸۹۵ء		سید عبدالقادر فقیر
۳۹	نیّرِ آصفی	۱۸۹۸ء		اسدالدین احمد
۴۰	آفتاب دکن	۱۹۰۰ء		سید جلال الدین گھائل
۴۱	خورشید	۱۹۰۰ء	ماہنامہ	سید جلال الدین گھائل

اس مقام پر اس پہلو کی قدرے وضاحت فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ ان اخبارات نے کن کن زاویوں سے اپنی خدمات کو جاری رکھا تھا۔ ٹمل ناڈو کے اولین اخبار ”جامع الاخبار“ کے مدیر سید رحمت اللہ نے اشاعت کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اس سے اہلِ علم اور عوام کی خدمت کی جائے۔

”سید رحمت اللہ نے ارادہ کیا ہے کہ ایک اخبار ”جامع الاخبار“ زبان ہندی (اردو) میں واسطے ضیافتِ طبع خاص و انتفاع عام کے طبع کرے۔ یہ اضعف العباد ۱۲۵۷ھ میں دار السلطنت مدراس کے بیچ کوئی ہندی، فارسی یا اور کچھ السنۂ اسلامی اخبار جاری نہیں تھا۔ ایک اخبار اس ریاست میں بے دینوں کے جواب دندان شکن کے واسطے بنا کرنا، مناسب و احسن جان کرنا کیا۔

اور بھی طرح طرح کے نوادر اور دلچسپ احوال اور دوسرے ملکوں اور ولایتوں میں گزرتے سو عجیب و غریب کوائف (بیان کئے جاتے ہیں) غرض جس کے دیکھنے سے کمپنی کے نوکروں کو اہلِ قلم ہوویں یا اہل شمشیر بلکہ کسی طرح کا بھی علاقہ و خدمات جینے والے اور معاملہ و تجارت کرنے والوں کو نفع عام و فائدہ تمام ہووے۔“ (جنوبی ہند کی اردو صحافت: ص: ۴۵)

سماج اور معاشرہ میں ہونے والی ناانصافیوں اور زیادتیوں اور عوام کو پیش آنے والی تکلیفوں کی طرف بھی اخبار کی

پوری پوری توجہ رہتی تھی۔ چناں چہ ۲۸ر اگست ۱۸۵۴ء کی اشاعت میں یہ تفصیل ہے:

"گرانی کا عجب عالم ہے۔ یہاں کے ارباب عدالت بالکل غلہ فروشوں کے جانب متوجہ نہیں کہ وہ کیوں بیچتے ہیں اور کیا قیمت لیتے ہیں۔ حاکم کو لازم یہ ہے کہ خلق اللہ کی درستی پر نظر رکھنا اگر شہر مدراس کو شہر نا پرساں نہ بولے تو بیدادی ہے۔ بہر نوع گرانی غریبوں کو یہ تنگ کردیتی ہے۔"

جامع الاخبار سیاسی، ملکی، غیر ملکی اخبار کے علاوہ مدراس کے شعراء کا کلام اور اس پر تبصرہ و تنقید اور شعراء کے درمیان معاصرانہ ادبی چشمک وغیرہ کو اپنے دامن میں سمیٹے رہا۔

انیسویں صدی کا نصف ثانی ملت اسلامیہ ہند کے لیے بڑی آزمائشوں کا زمانہ تھا۔ انگریزوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی، لسانی، تہذیبی اور مذہبی اثرات سے ہر کوئی خائف اور پریشان تھا۔ ان کے ہمہ گیر اثرات کے خاتمہ کے لیے ہر کوئی مستعد اور متحرک تھا۔ انگریزوں کے خلاف اٹھنے والی اس تحریک میں سب سے آگے آگے مسلمان تھے۔ کیوں کہ انگریز ان ہی کے ہاتھوں سے زمام سلطنت چھین لینے کی کوشش کررہے تھے۔ 1806ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ہندوستان کو "دارالحرب" ہونے کا فتویٰ صادر فرمادیا۔ اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا صور پھونک دیا۔ اس وطنی اور ملکی اور کسی حد تک اسلامی جہاد میں مسلمانوں کے دوش بدوش ہندوستان کے سارے باشندے شریک ہوچکے تھے۔ اس موقعہ پر بعض مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف اس قدر جذباتیت اور مخالفت کا مظاہرہ کیا کہ انگریزی زبان سے بھی نفرت کرنے لگے۔ اس زبان سے دوری دوسرے لفظوں میں جدید علوم وفنون سے دوری و مہجوری کا ہم معنی تھا۔ اسی لیے اس وقت کی اردو صحافت نے آنے والے علمی وعصری اور فنی ومعاشی نقصانات کا اندازہ کرلیا۔ چناں چہ اس سلسلہ میں اخبار "اعظم الاخبار" کی مساعیٔ جمیلہ تاریخی اور انقلابی حیثیت کی حامل ہے۔ کہ سب سے پہلے ہندوستان میں اس اخبار نے مسلمانوں کو انگریزی زبان سیکھنے کی ترغیب دی۔ اور ان کے اس منفی نقطۂ نظر کو ختم کرنے کی کوشش کی کہ انگریزی زبان کا سیکھنا اسلامی زاویۂ نگاہ سے کوئی معیوب اور ممنوع نہیں ہے۔ اور اس فکر واحساس اور خیال کو عام کرنے کی کوشش کی کہ انگریزی زبان سیکھنے سے جدید علوم وفنون کے اکتساب واستفادہ اور معیشیت و روزگار کے حصول کی راہیں کھل جائیں گی اور انگریزوں ہی کے طرز عمل سے ان کی سیاست وحکومت کی کامیابی کا راز یہ بتلایا کہ انھوں نے مفتوح قوموں کی زبان وادب کو سیکھا اور اس اخبار نے ان لوگوں پر بڑی سخت تنقید کی جو مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے منع کررہے تھے۔ "اعظم الاخبار" کا یہ اقتباس مطالعہ کے قابل ہے۔ جو ۲ر جون 1852ء کی اشاعت کا حصہ ہے۔

"انگریزوں کی دانائی اور فراست کا خیال کیجیے کہ یہ لوگ جس ملک میں گئے پہلے تو ان کی زبان سیکھ لی پھر بعد اس کے ذریعہ سے وہاں کی تمام آئین پر خوب واقف ہوگئے۔ ہند میں آئے تو ہندی اور جتنے زبان کہ یہاں مروج ہیں سب سیکھے پھر عجم گئے تو فارسی سیکھ لیے اور ترکستان میں آئے تو ترکی وغیرہ زبانیں حاصل کرچکے۔ جب عربستان میں

آ سے تو عربی تحصیل کئے..... بخلاف ہم لوگوں کے کہ غیر زبان سے واقف ہونا ہمارے پاس سخت منع ہے اور نہایت بری بات ہے ۔ اسی سبب سے ہمارے لوگ ہر ایک دنیوی کام میں غیروں کے محتاج ہونے لگے ۔ آخر یہ نوبت پہنچی کہ معیشت کی راہ بالکل بند ہوگئی ۔ حکامِ وقت کی زبان سے واقف رہنا البتہ معیشت کی بہتری کا سبب ہے اور عقل معاش کا اقتضاء بھی یہی ہے ۔ دینی علم کے ساتھ کسبِ معاش کا علم بھی اس زمانہ میں سیکھنا اور سکھانا نہایت ضروری ہے ۔ شعر و انشاء سے کچھ کام نہیں نکلتا بلکہ شرعًا یہ علوم بھی ممنوع ہیں ۔ جیسے اور علم پاک نیت سے غیر مسلم کی تربیت کچھ بد نہیں ۔"

اس دور کے اہم ترین مسائل میں سے ایک مسئلہ عورتوں کی تعلیم کا بھی رہا ہے ۔ مسلم معاشرہ میں جواں سال لڑکیوں کا گھروں سے باہر نکلنا اور اسکولوں اور کالجوں میں ان کا تعلیم حاصل کرنا حد درجہ معیوب سمجھا جا رہا تھا ۔ ایسی فضا میں اخبارات نے تعلیمِ نسواں کی طرف توجہ دی اور ان میں شعور پیدا کرنے کی کوشش کی کہ عورتیں بھی علم کے میدان میں آگے بڑھیں ۔ اسلام نے ان پر علم کے دروازے بند نہیں کئے ہیں ۔ مولانا صابری نے "مفید عام" اخبار سے متعلق یہ صراحت کی ہے کہ یہ اخبار مختلف موضوعات کے ساتھ عورتوں کے لیے خصوصی مضامین کی اشاعت کا اہتمام کرتا تھا۔

"مفید عام" میں علوم، اقوال حکماء، فلاسفر اور تواریخ کی اشاعت کے ساتھ دختروں کے واسطے عمدہ اور مفیدِ عام مضامین بھی چھپتے تھے ۔ (روحِ صحافت : ص: ۸۰)

ہندوستانی سماج میں پھیلی ہوی برائیوں اور گھناؤنی حرکتوں کے خاتمہ کے جانب بھی اردو اخبارات نے اپنی توجہ مبذول کی اور بچوں کی خرید و فروخت کے خلاف آواز اٹھائی جس کے نتیجہ میں ان کی خرید و فروخت پر حکومت کی جانب سے پابندی لگائی گئی ۔ "امیر الاخبار" نے 22 جنوری 1857ء کی اشاعت میں یہ لکھا ہے :

"قرآن شریف میں ممانعت خرید و فروخت اطفال آئی ہے ۔ اس لیے اطلاع دی جاتی ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو یا ہندو کسی بھی قوم کے بچوں کو نہ بیچے ۔ اگر آئندہ کوئی اس حکم کے خلاف بچوں کو بیچے گا یا ان کو مول لے گا تو دونوں کو سرکار سے معقول سزا پہنچے گی ۔"

اس عہد کی اردو صحافت نے غیر مسلم سماج کی برائیوں اور اخلاقی انارکیوں کی جانب بھی توجہ دی اور ان کی اصلاح و انسداد کی جانب حکومت کو مائل کیا ۔ اس سلسلہ میں گارساں دتاسی کے پندرھویں خطبہ (مورخہ 4 دسمبر 1865ء) کا یہ اقتباس لائق اعتنا ہے ۔

مدراس سے اردو اخبار "صبح صادق" برابر شائع ہو رہا ہے ۔ یہ ہفتہ وار ہے ۔ اس کے مدیر عبد الرحمن سقاف ہیں ۔ اس کی متعدد اشاعتیں میری نظر سے گزری ہیں ۔ ان میں سے ایک میں ہندوؤں کی غیر اخلاقی اور وحشیانہ رسوم پر تنقید ہے ۔ ان رسموں میں سے ایک "چرک پوجا" ہے ۔ جس طرح ستی کی رسم (شوہر کی موت پر اس کی لاش کے ساتھ

اس کی بیوہ کو بھی زندہ جلانا کو خلاف قانون قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس کو بھی خلاف قانون قرار دینا چاہیئے۔ اس مضمون میں بعض ہندو فقیروں اور مالابار کی برہنہ عورتوں کے حالات درج ہیں اس رسم کو شاستروں کی تعلیم کے خلاف بتایا گیا ہے۔

ہندو عورتوں کو اگر بالکل نو عمری میں بیاہ نہ دیا جائے تو عمر بھر وہ بن بیاہی رہتی ہیں اور ان کو دیوتاؤں کی نذر کیا جاتا ہے۔ یہ سب عورتیں فحش میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ (جنوبی ہند کی اردو صحافت: ص: ۹۳)

اس صدی میں عیسائی مبلغین نے مسیحیت کی نشر و اشاعت میں بڑا زور لگایا۔ جس کا اثر کسی حد تک غیر مسلم طبقہ پر ہوا۔ یہ دیکھتے ہوئے اردو اخبارات نے ردِّ عیسائیت پر مضامین چھاپے۔ اس سلسلہ میں اخبار "عمدۃ الاخبار" اور "منظر الاخبار" کا کردار بڑا اہم رہا ہے۔

اس عہد کے مسلم معاشرہ کی ایک علمی و دینی آفت علمائے سو اور صوفیا سے خام تھے، جن کی وجہ سے معاشرہ میں غیر شرعی امور اور اشغال کو زندگی مل رہی تھی۔ چناں چہ بعض اخبارات نے اصلاحی اور دعوتی مہم شروع کی۔ "اعظم الاخبار" نے اپنی بعض اشاعتوں کے ذریعہ علمائے سو کے فتنوں کو آشکار کیا۔ اس سلسلہ میں "جامع الاخبار" اور "شمس الاخبار" کی کوششیں بھی بڑی وقعت اور افادیت کی حامل نظر آتی ہیں۔

اس صدی کے اردو اخبارات نے اردو زبان کی ترقی و ترویج اور نشر و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ غیر اردو داں اشخاص کو اردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ "اعظم الاخبار" نے دو صفحے ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ انگریزوں کو اردو کی تعلیم کو مخصوص کر دیا تھا۔ اسی طرح "تعلیم الاخبار" نے بھی اردو سکھانے اور پڑھانے کی جانب توجہ مبذول کی۔ چناں چہ "تعلیم الاخبار" نے اپنی اردو خدمت کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

"مدراس میں بہت سے ہندی اخبار نامے رواج پائے اور آج تک جاری بھی ہیں۔ کسو اخبار سے نو آموز سرداروں کی تعلیم اتنی نہ ہوئی، جتنی تعلیم الاخبار سے۔" (تعلیم الاخبار: بحوالہ جنوبی ہند کی اردو صحافت: ص: ۸۷)

حاصل کلام! انیسویں صدی کی اردو صحافت نے اندرونی اور بیرونی امور و مسائل کی جانب پوری توجہ دی اور عصری حسیت اور زمانہ شناسی کا ثبوت دیا۔

اردو صحافت ٹمل ناڈو میں پہلے روز ہی سے ایک مفید اور تعمیری نصب العین کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ اس کے برعکس کلکتہ اور اس کے گرد و نواح کی اردو صحافت کی شروعات کے وقت کوئی واضح مقصد نہیں تھا اور وہ انگریزی صحافت کے زیر سایہ آنکھیں کھولی اور کئی نے منفی جذبات اور انتقامی احساسات کے ساتھ صحافت کی شروعات کی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ منفی نقطۂ نگاہ سے مفید اور تعمیری سمتیں روشن نہیں ہوتیں۔ انگریزی صحافت کے اثرات اردو صحافت پر کسی نہ کسی درجہ میں مرتب ہوئے۔ اردو اخبارات میں تعمیری اور ترقیاتی پہلو روشن نہ تھے اور ان میں

بیرونی دنیا کی جھلکیں دکھائی نہیں دیتی تھیں اور ایسی پرکشش چیزیں نہیں تھیں جن کی وجہ سے عوام کی نگاہیں مرکوز ہو جاتیں اس کے برعکس ٹمل ناڈو میں اردو صحافت حالاتِ حاضرہ، بیرونی ممالک کے حالات اور عالمِ اسلامی کے واقعات علمی ادبی، سیاسی اور بین الاقوامی امور و مسائل کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس سلسلہ میں مدراس کے اخبار "شمس الاخبار" کو بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس اخبار کی ایک ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ وہ انگریزی، عربی، فارسی اور ترکی اخبارات کی اہم اور خصوصی خبروں کو ترجمہ کرتے ہوئے اپنی اشاعتوں میں شامل کر لیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے مواد اور اس کی پیش کردہ خبروں میں تنوع اور توسع کی شان تھی اور یہ اخبار ٹمل ناڈو کے علاوہ دیگر صوبوں میں پہنچ جاتا تھا۔ بقول ڈاکٹر افضل الدین حیدر آبادی:

"۱۸۷۸ء میں جنگ روم و روس کے زمانہ میں اس اخبار نے حکومتِ ترکی کی امداد کی ترغیب دلائی اور اسی ترغیب کی بدولت ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہزارہا روپیہ چندہ جمع ہوا اور اسی اخبار کے ذریعہ سلطنت عثمانیہ کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ جس کے صلہ میں سلطان عبدالحمید خان ثانی نے "تمغۂ مجیدیہ" مرحمت فرمایا۔ حجاز ریلوے کے سلسلہ میں بھی اس اخبار نے بڑی مفید خدمات انجام دی تھیں۔" (جنوبی ہند کی اردو صحافت، ص: ۱۰۳)

ہند و بیرونِ ہند کے سیاسی نشیب و فراز، حالاتِ حاضرہ اور وقت کے مسائل سے عوام کو روشناس کرانے میں "جریدۂ روزگار" کا کردار بھی ناقابلِ فراموش ہے۔ یہ اخبار نصف صدی سے زائد نکلتا رہا۔ اس کے مؤسس اور بانی حضرت سید شاہ مرتضیٰ قادری المعروف بہ ویلوری پاشاہ تھے۔ اور آپ کا حسبی و نسبی تعلق حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ سے تھا۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔ جنگِ عظیم کے دوران روزانہ شائع ہونے لگا۔ اور اس نے روس اور ترکی کی جنگ میں ترکوں کی حمایت کی اور حکومتِ ترکی کی امداد کے لیے پُرزور اپیلیں کیں جس کے باعث مدراس میں خطیر رقم جمع ہوئی اور وہ ترکی بھیجی گئی۔

علیم صبا نویدی نے اپنی مبسوط تصنیف "ٹمل ناڈو کے مشاہیرِ ادب" میں ٹمل ناڈو کی اردو صحافت سے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے:

"مدراس کے اخبارات کل ہند نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔ خصوصاً پڑوسی ریاست کرناٹک اور آندھرا پردیش میں ان کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ "جامع الاخبار، اعظم الاخبار، عمدۃ الاخبار، مخزن الاخبار، تعلیم الاخبار، صبح صادق، طلسم حیرت اور شمس الاخبار کی صحافتی خدمات کو اردو زبان و ادب کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ان تمام اخبارات کی زبان شستہ اور نہایت صاف ستھری تھی۔ ان اخبارات کی شہرت نہ صرف مدراسی ماحول تک محدود تھی بلکہ ان کو دہلی، آگرہ اور رام پور جیسے دور دراز علاقوں میں بھی کافی مقبولیت حاصل تھی۔ ان اخبارات کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے ذات پات کی دیواروں کو توڑ کر اپنے اپنے مذاہب کے ماننے والوں کو اتحاد کی کڑیوں میں جوڑ دیا تھا۔

شمس الاخبار اور طلسم حیرت تقریباً پچاس سال تک بالالتزام شائع ہوتے رہے اور ان دونوں اخبارات کو ہندوستان گیر شہرتیں حاصل تھیں۔ انیسویں صدی کا آخری اور بہترین اخبار ہفت روزہ "آفتاب دکن" تھا۔ اس میں خبروں کے علاوہ اسلامی کوائف اور تنازعاتی مسائل پر بڑی سنجیدہ بحثیں جگہ پاتی تھیں۔" (ص: 69)

ٹمل ناڈو کی اردو صحافت کا ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں بھی بہت اہم رول رہا ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں ۱۸۰۶ء میں ویلور سے فرنگی حکمرانوں کے خلاف پہلی آواز اٹھی۔ اور اسی شہر سے جنگِ آزادی کی شروعات ہوئی۔ اس جرأت مندانہ انقلابی اقدام میں قلمی صحافت کا بڑا حصہ رہا۔ بقول ڈاکٹر افضل الدین حیدرآبادی:

"محققین کا بیان ہے کہ جنوبی ہند میں ایک شخص نے ۱۸۰۰ء میں وسیع پیمانہ پر قلمی اخبارات تقسیم کئے جس میں برطانوی فوج کے دیسی سپاہیوں اور عام ہندوؤں اور مسلمانوں سے پرجوش اپیل کی کہ وہ جرأت سے کام لے کر فرنگیوں کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں اور انھیں ملیا میٹ کر کے دم لیں۔ چناں چہ انھیں اخبارات کی وجہ سے ۱۰ر جولائی ۱۸۰۶ء کو ویلور میں انگریزوں کے خلاف ہندوستانی سپاہ نے علم بغاوت بلند کر دیا اور بغاوت کر کے ایک سو تیرہ اور بقول ڈاکٹر مشرا دوسو انگریز افسروں اور سپاہیوں کو قتل کر ڈالا اور ٹیپو سلطان شہید کے فرزند فتح حیدر کی بادشاہت کا اعلان کر کے قلعہ ویلور میں جھنڈا بھی بلند کر دیا۔ آرکاٹ سے انگریزی فوج نے موقعہ پر پہنچ کر فساد فرو کر دیا۔ چھ سو سپاہیوں کو قتل کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ ساڑھے تین سو سپاہیوں کے قریب اس بلوے میں مارے گئے اور ان کے سرغنہ توپ کے منہ سے باندھ کر اڑا دے گئے۔ نواب فتح حیدر کو جو ویلور میں نظر بند تھے، کلکتہ بھیج دیا گیا۔ سر جان میلکم کا بیان ہے کہ اس غدر میں قلمی اخبارات کا بڑا دخل تھا۔ .... ۱۸۵۷ء تک اردو اخباروں کی خبروں کا سب سے بڑا ذریعہ وہ قلمی اخبارات تھے جو مختلف درباروں کے سرکاری وقائع نگار مرتب کرتے تھے یا وہ خبر نامے جو آزاد وقائع نگار ترتیب دیتے تھے.... .... ۱۸۳۶ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ آک لینڈ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ہم پر جب نازک وقت آتا ہے، قلمی اخبارات اشتعال انگیزی پر اتر آتے ہیں۔ بالخصوص جنگِ برما کے دوران میں تو یہ حد سے گزر گئے۔"

(جنوبی ہند کی اردو صحافت: ص: ۱۰۴-۱۰۷)

آزادی کی اس پہلی لڑائی کی تفصیلات ٹمل زبان کی بعض کتابوں میں بھی ملتی ہیں۔ "تحریکِ آزادی میں شمالی آرکاٹ کا حصہ" میں تفصیل یوں ہے۔

"۱۴ر نومبر ۱۸۰۵ء ایک انگریزی فوج کے افسر نے مدراس سے ایک ایسا حکم جاری کیا جس میں فوجی مسلمانوں کو داڑھی اور ہندوؤں کو پیشانی پر ٹیکہ لگانے پہ پابندی اور صلیب کا استعمال کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ اس سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی جذبات اور ان کے شعائر پر ضرب کاری لگی۔ اس نے فوج، پولیس اور عوام میں غم و غصہ اور اضطراب کی لہر پیدا کر دی۔ ویلور کا قلعہ انگریزی حکومت

کی کمپنی گاہ اور برٹش فوج کا مرکز تھا۔ ۹ رجولائی ۱۸۰۶ء کو سلطان ٹیپو شہید کی دختر کا نکاح تھا۔ قلعہ کے اندر لوگوں کی آمد و رفت کافی تھی۔ ہندوستانی سپاہیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ ۱۰ رجولائی ۱۸۰۶ء کو قلعہ کے اندر شیخ قاسم جمعدار جو ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ حفاظتی دستے کی تشکیل اور تعین ان کے ذمہ تھی۔ یہ بھی ہندوستانی سپاہیوں اور مجاہدوں کے ہم نوا تھے۔ انھوں نے بھی حتی الامکان حفاظتی دستہ میں ہندوستانی سپاہیوں کو شامل کر رکھا تھا۔ اس رات قلعہ کے اندرونی حالات پر نظر رکھنے کی ذمہ داری جس انگریز افسر کی تھی، وہ اپنے ذاتی کام سے گھر جانا چاہتا تھا۔ جب یہ اطلاع شیخ قاسم کو ملی تو وہ فوراً اسکی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کیا کہ آپ جائیے میں آپ کی ذمہ داری سنبھال لوں گا۔ اس افسر کی غیر حاضری نے بھی ہندوستانی سپاہیوں کو ایک بہترین موقعہ فراہم کر دیا۔ اور انھوں نے انگریزی فوج اور انگریز افسروں پر زوردار حملہ کر دیا۔ وہ اس غیر متوقعہ اور اچانک حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ ہندوستانی سپاہیوں نے قلعہ پر اپنا قبضہ جمالیا اور یونین جیک اتار کر سلطان ٹیپو شہید کے صاحب زادے فتح حیدر کا دیا ہوا ہندوستانی پرچم لہرا دیا۔ جنرل میجر کوٹس نے اس واقعہ کی اطلاع آرکاٹ کے انگریز سپہ سالار کلیین بک کو بھجوائی۔ تو وہ پوری قوت و طاقت کے ساتھ جوابی حملہ کیا اور قلعہ ویلور کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ (تحریک آزادی میں شمالی آرکاٹ کا حصہ: بحوالہ اللطیف: ص:)

غدرِ ویلور ۱۸۰۶ء کو جنگِ آزادی کے میدان کا ہراول دستہ قرار دیا جائے تو ایک مستور تاریخی حقیقت کا اعتراف ہوگا۔ کیوں کہ اس واقعہ کے پچاس سال بعد ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کی دوسری لڑائی ہوی جس کو غدرِ دہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں لے کر ہندوستان کی آزادی تک کئی ایک اخبار شائع ہوتے رہے جنھوں نے تحریکِ آزادی میں موثر کردار ادا کیا۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں اردو صحافت کا جو سیاسی موقف سامنے آیا وہ اپنے اندر دو پہلو لیے ہوے تھا۔ ایک پہلو یہ تھا کہ ملک کو برطانوی تسلط سے آزاد کر لیا جائے۔ پھر اسے نیشنلزم اور سیکولرزم کی راہ پر ڈال دیا جائے۔ اس فکر کی حامل اور داعی کانگریس پارٹی رہی اور دوسرا پہلو قیامِ پاکستان کا مطالبہ تھا۔ اور یہ پہلو آزادی کی جدوجہد کے دوران ہی مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطۂ ارضی کی تخصیص و تعین کی صورت میں سامنے آگیا۔ اس فکر کی حامل اور داعی مسلم لیگ رہی۔ تقسیم ہند کی اس تحریک میں غیر مسلم سیاسی طاقتیں اور شخصیتیں بھی ہم نوا رہیں جو اپنے اپنے مفادات کے خاطر سر ملا رہی تھیں یہ وہ دائمی ضرر رساں اقدام تھا، جس کا خمیازہ آج بھی ملّتِ اسلامیہ ہند کی نئی پود اور مہاجرینِ ہند اور ان کی نئی نسل پاکستان میں بھگت رہی ہے۔ اس فکر کی حمایت میں سرزمین مدراس سے انگریزی، ٹمل اور اردو میں اخبارات شائع ہوے۔ اور انھوں نے تحریک پاکستان میں پورا حصہ لیا۔ محمد کریم اللہ نے "تھرل سر" ہفت روزہ

انگریزی زبان میں، رائے سیٹھ مدراس سے شائع کیا۔ اور" دکن ٹائمز" کے نام سے انگریزی زبان میں لے عبدالرؤف نے براڈوے مدراس سے جاری کیا۔ اور ایک ہفت روزہ انگریزی اخبار" دی مسلم انڈیا" ڈاکٹر محمد علی نے جاری کیا۔

"مسلمان" کا ہفتہ وار انگریزی ایڈیشن محمد حسن کی ادارت میں نکلا اور اسی نام سے اردو میں روزنامہ "مسلمان" عبداللطیف نے شروع کیا۔ صرف انگریزی زبان میں چار اخبار نکلے جنہوں نے تحریک پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ انگریزی کے علاوہ مقامی زبان ٹمل میں بھی سہ روزہ اخبار" سمراسم" کے نام سے جاری ہوا۔ جیسے ایم۔ ایس۔ سلطان ترچناپلی سے شائع کرتے رہے۔ مدراس سے مولوی احمد سعید" سیف الاسلام" کے نام سے ہفت روزہ نکالتے رہے۔ اردو اخبارات میں" مسلمان کے علاوہ روزنامہ" نوجیون" اور روزنامہ "ہمدرد" جاری ہوئے۔ موخرالذکر اخبار کو ایس ایس ایم بھہنی نے جاری کیا۔ طرفہ طرازی یہ رہی کہ سرزمین مدراس سے ایک ہفتہ وار اخبار" پاکستان" کے نام سے جاری کیا گیا۔ جب کہ پاکستان کا نقشہ ایک خیالی اور ذہنی تھا۔

غرض اردو صحافت نے ملک کی آزادی کے علاوہ دیگر مختلف پہلوؤں کی جانب بھی توجہ دی اور علمی، سائنسی، دینی، اصلاحی اور معاشرتی میدانوں میں بھی کام کیا۔ چنانچہ عورتوں کی تعلیم و تربیت اور پرداخت کے لیے مستقل مضامین لکھے جاتے رہے۔ اور ایک مستقل رسالہ" نور" ۱۹۱۶ء میں مولانا عبدالمجید شررآلندوری کی ادارت میں جاری ہوا۔ اور کچھ ہی سالوں میں خواتین میدان صحافت میں اتر آئیں۔ ۱۹۵۹ء میں جاری ہونے والے ہفت روزہ جریدہ" پاکیزہ" کی ادارت ایک خاتون بیگم جواہر نگار نے سنبھالی۔ ۱۹۶۰ء میں جاری ہونے والا ہفت روزہ" سرکار" بیگم خورشید حسین کی ادارت میں شائع ہونے لگا۔ اس طرح سے بزم خواتین علم وادب کے نور سے روشن ہوتی چلی گئی۔ ادب وشاعری اور صحافت کے میدان میں خواتین بھی نظر آنے لگیں۔

اسلام نے اپنے متبعین کو تجارت کی بڑی ترغیب اور تحریص دلائی ہے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے: تسعۃ اعشار فی الرزق التجارہ: نودفی صدرزق تجارت میں ہے۔ اردو صحافت نے مسلمانوں کو تجارت و معیشت کی جانب بھی مائل کیا۔ ۱۹۱۲ء میں ایک مستقل ماہانہ جریدہ" رسالہ ترقی تجارت" سید محمد قاسم حسین دل کی ادارت میں جاری ہوا۔ اس رسالہ کا ایک مختصر سا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"افسوس ہے کہ ہمارے تاجروں میں اخبارات کے مطالعہ کا شوق نہیں ہے۔ وہ اکثر یہ عذر کرتے ہیں کہ دکان کے کاروبار میں ہم کو اخبار دیکھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ہمارے تاجروں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اخبارات میں ان کے نفع ونقصانات کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ انہیں ضرور ہے کہ وہ کم از کم اپنے مطلب کی باتیں پڑھ لیں۔

یوروپ کے تمام تاجر اخبارات کو غور کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ اس بات کی دریافت میں مصروف رہتے ہیں کہ کس شہر میں کس چیز کی پیداوار زیادہ ہے اور کون سی چیز کون سے شہر میں نایاب ہے ۔ پھر اس کے بعد وہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ یا اشتہارات کے طریقہ سے اپنی تجارت کی اطلاع دینے لگتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں اصل کامیابی حاصل ہوجاتی ہے ۔"

مسلمانوں کو تعلیمی و تحقیقی اور سائنسی میدان میں آگے بڑھانے کی مہم بھی چلی اس سلسلہ میں "مورخ" کا کردار مثالی نوعیت کا حامل ہے ۔ اس کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ کیجیے :

"وہ علم صرف اسی کا نام نہیں کہ اگلے لوگوں کی لکھی ہوئی کچھ کتابیں پڑھ لیں ۔ یا ان کتابوں کی باتوں کو، گو کیسے ہی خرافات اور واہیات سے پر ہوں یاد رکھ لیں اور اس کو معیارِ دانش اور سرمایۂ نازش سمجھتے رہیں، بلکہ اس کا نام ہے کہ آدمی کس امر کی حقیقت کیا ہے جانے اور اپنے عمل کے ذریعہ جب کہ وہ قابلِ عمل و تعمیل بھی ہو، اس کو کسوٹی پہ پرکھیں، ازمنہ قدیم سے لے کر آج تک جتنے علوم وفنون دریافت ہوئے اور ہو رہے ہیں اور ہوں گے سب کی ہستی اسی طرح ہوئی اور ہوتی ہے اور ہوا کرے گی ۔ مگر اس تحقیقات کا قدم ہماری سرزمین پہ مدت ہوئی ہے ۔ رک چکا ہے اور یہی سبب ہے ہے کہ ہمارے علوم و فنون میں کچھ بھی ترقی ہونے نہیں پائی ۔

یوروپ اور امریکہ کی جانکاہ کوششوں سے اس قدر انکشاف اور ایجادات ہوئے ہیں کہ جن سے انسان اور نفس انسانیت نے بڑے بڑے فوائد حاصل کئے ہیں ۔

وہ ایک ادنی سے ادنی چیز کو بھی اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک کہ پوری تحقیقات نہ ہوجائے ۔ ایک ایک ریگ کا ذرہ، ایک ایک کنکری، ایک ایک کیڑا اور ایک ایک پتنگا تک ان کا موضوعِ بحث رہتا ہے مدت سے اہلِ یوروپ ہمارے یہاں موجود ہیں ۔ اور ان کے علوم و فنون بھی ہم گھول کر پی لیا کرتے ہیں مگر ان کی تحقیقات کا چربہ اتارنا نہ آیا ۔" (تمل ناڈو میں اردو صحافت: ص: ۷۰۰ ۔)

غرض انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلمانوں کے درمیان مذہبی اور سیاسی اختلافات پورے شباب پر تھے جن سے پوری ملت متاثر رہی اور اس کے اثرات آج بھی باقی ہیں ۔ اور ان تمام امور و مسائل میں اردو صحافت تائید یا تردید اور اتفاق یا اختلاف کی ڈگر پر چلتی رہی ۔ اس مقام پر بیسویں صدی میں جاری ہونے والے چند اخبار و رسائل، اور ان کے مدیروں یا مالکوں یا سرپرستوں کے نام اور سنِ اجرا اور وقفۂ اشاعت کی تفصیل پیش ہے ۔

۱	اتفاق	مدراس	۱۹۰۰ء	ہفت روزہ	عبدالمالک
۲	آفتاب دکن	مدراس	۱۹۰۰ء	ہفت روزہ	سید جلال الدین گھائل
۳	خورشید	مدراس	۱۹۰۱ء	ماہنامہ	سید جلال الدین گھائل

۴	آبِ حیات	مدراس	۱۹۰۲ء	ہفت روزہ	محمد عبد الجلیل گوہر
۵	نصیر	وانمباڑی	۱۹۰۶ء	ہفت روزہ	عبد الرحمٰن
۶	المضمون	مدراس	۱۹۱۱ء	ماہنامہ	منشی النصر الدین بیخود مدراسی
۷	ترقی تجارت	مدراس	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	سید محمد قاسم حسینی دلی
۸	مورخ	مدراس	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	مولوی محمد بدیع الدین
۹	عروجِ خیال	مدراس	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	محمد احمد محی الدین شہرت
۱۰	قومی رپورٹ	مدراس	۱۹۱۴ء	روزنامہ	مولانا عبد المجید شرر آلندوری
۱۱	الترجمان	مدراس	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	سید محمد قاسم حسینی دلی
۱۲	رسالۂ نور (برائے خواتین)	مدراس	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	مولانا عبد المجید شرر آلندوری
۱۳	آزاد ہند	مدراس	۱۹۲۲ء	روزنامہ	محمد عبد اللطیف فاروقی
۱۴	مسلمان	مدراس	۱۹۲۷ء	روزنامہ	مولانا ابو الجلال ندوی
۱۵	مسلمان	مدراس	۱۹۲۷ء	روزنامہ	مولانا عبد اللطیف فاروقی
۱۶	پروانہ	وانمباڑی	۱۹۱۹ء	ماہنامہ	سید جلال الدین گھائل
۱۷	سفینہ	مدراس	۱۹۲۸ء	سہ ماہی	مولانا رحیم احمد فاروقی
۱۸	آزاد نوجوان	مدراس	۱۹۲۹ء	روزنامہ	محمد عبد اللطیف فاروقی
۱۹	بشریٰ	مدراس	۱۹۳۳ء	ماہنامہ	مولانا ابو الجلال ندوی
۲۰	دلچسپ	مدراس	۱۹۳۴ء	ہفت روزہ	محمد اسماعیل سیٹھ
۲۱	رفیق	مدراس	۱۹۳۴ء	ماہنامہ	قاضی محمد عبد الرحمٰن
۲۲	مصحف	عمرآباد	۱۹۳۵ء	ماہنامہ	علامہ شاکر نائطی
۲۳	مسلم گزٹ	مدراس	۱۹۳۵ء	روزنامہ	محمد کریم الدین
۲۴	مسلم رپورٹ	مدراس	۱۹۳۵ء	روزنامہ	غلام محی الدین
۲۵	رسالہ حیات	مدراس	۱۹۳۶ء	ماہنامہ	مولانا ایمان گوپاموی
۲۶	سہیل	مدراس	۱۹۳۶ء	روزنامہ	مولانا ابو الجلال ندوی
۲۷	مینا	آمبور	۱۹۳۷ء	ماہنامہ	مولانا پرتوی
۲۸	ہمدرد	مدراس	۱۹۳۷ء	ماہنامہ	مولانا سید سلطان محی الدین بہمنی

۲۹	نظارہ	مدراس	۱۹۴۱ء	روزنامہ	
۳۰	ادیب	مدراس	۱۹۴۷ء	ماہنامہ	سید سعد اللہ ممتاز مدراسی
۳۱	ہندوستان	مدراس	۱۹۴۷ء	ہفت روزہ	عبد الجبار
۳۲	نصرت	مدراس	۱۹۴۸ء	ہفت روزہ	حکیم محمد اسماعیل
۳۳	زندگی	مدراس	۱۹۴۸ء	ہفت روزہ	سید احمد گلاب ویلوری
۳۴	آزاد مزدور	مدراس	۱۹۴۸ء	ہفت روزہ	سید احمد گلاب ویلوری
۳۵	شعلہ	وانمباڑی	۱۹۴۹ء	ماہنامہ	تبسم رشید
۳۶	شرر	مدراس	۱۹۵۰ء	ہفت روزہ	ایم۔ اسلم (دھرموری)
۳۷	جام جم	ویلور	۱۹۵۰ء	ماہنامہ	مولوی جعفر حسین صدیقی
۳۸	فن کار	مدراس	۱۹۵۰ء	ماہنامہ	کاوش بدری، نورس خیامی
۳۹	نقیب	مدراس	۱۹۵۱ء	روزنامہ	غلام محی الدین
۴۰	امام	مدراس	۱۹۵۱ء	ہفت روزہ	مولانا سید سلطان محی الدین بہمنی
۴۱	اتحاد	مدراس	۱۹۵۲ء	ہفت روزہ	سید اسمٰعیل
۴۲	مشعل	مدراس	۱۹۵۱ء	ماہنامہ	اسماعیل بیگ اصغر ویلوری
۴۳	پیغام	مدراس	۱۹۵۱ء	ہفت روزہ	عبد الجبار آزاد
۴۴	معیارِ ادب	میل وشارم	۱۹۵۲ء	ماہنامہ	مولانا محوی صدیقی
۴۵	الارشاد	میل وشارم	۱۹۵۲ء	ماہنامہ	مولانا محوی صدیقی
۴۶	اقبال	مدراس	۱۹۵۲ء	سالنامہ	کمال الدین اکبر کمال مدراسی
۴۷	شاکر	مدراس	۱۹۵۳ء	ہفت روزہ	حامد علی شاکر
۴۸	منزل	مدراس	۱۹۵۲ء	ماہنامہ	کاوش بدری
۴۹	نجمہ	مدراس	۱۹۵۹ء	ہفت روزہ	سید یوسف
۵۰	پاکیزہ	مدراس	۱۹۶۲ء	ماہنامہ	جوہر فاروقی
۵۱	اللطیف	ویلور	۱۹۶۳ء	سالنامہ	دار العلوم لطیفیہ، ویلور
۵۲	جل ترنگ	مدراس	۱۹۶۳ء	پندرہ روزہ	بیگم عارف مدراسی
۵۳	سفیرِ ہند	مدراس	۱۹۶۴ء	پندرہ روزہ	نعیم المشرقی

۵۴	اتحاد	مدراس	۱۹۶۹ء	ہفت روزہ	رازامتیاز
۵۵	امام	مدراس	۱۹۶۷ء	ماہنامہ	مولانا نثار نگری
۵۶	ہم سفر	مدراس	۱۹۶۷ء	ہفت روزہ	دانش فرازی
۵۷	ساون	مدراس	۱۹۶۷ء	ماہنامہ	رازامتیاز
۵۸	آب وتاب	مدراس	۱۹۶۸ء	ماہنامہ	مولانا نثار نگری
۵۹	ٹمل ناڈو ٹائمز	مدراس	۱۹۷۰ء	روزنامہ	محمد عبدالوہاب صوفی
۶۰	صفیر	ویلور	۱۹۷۰ء	سالنامہ	انجمن ترقی اردو، مدرسۂ باقیات، ویلور
۶۱	حنا ڈائجسٹ	وانم باڑی	۱۹۷۳ء	ماہنامہ	اکبر زاہد
۶۲	زحل	وانم باڑی	۱۹۷۴ء	ہفت روزہ	منیر احمد
۶۳	مسلم رپورٹ	مدراس	۱۹۷۵ء	ہفت روزہ	قمر سعید
۶۴	ہم نشیں	مدراس	۱۹۷۵ء	ہفت روزہ	بدر حیدرآبادی
۶۵	فروغ ادب	وانم باڑی	۱۹۷۶ء	سالنامہ	دانش فرازی
۶۶	آشیاں کے تنکے	وانم باڑی	۱۹۷۷ء	ماہنامہ	سی محمد یعقوب
۶۷	ذکریٰ	وانم باڑی	۱۹۷۵ء	ماہنامہ	سید شاہ ابوالفیض
۶۸	صداقت	وانم باڑی	۱۹۷۷ء	ماہنامہ	سی۔ محمد یعقوب
۶۹	ادبی رپورٹ	مدراس	۱۹۷۸ء	ہفت روزہ	رازامتیاز
۷۰	نقطۂ نظر	مدراس	۱۹۸۷ء	ماہنامہ	سید عظمت
۷۱	شمشیر	وانم باڑی	۱۹۹۱ء	پندرہ روزہ	سی سراج احمد
۷۲	جواہر ہند	وانم باڑی	۱۹۹۵ء	پندرہ روزہ	محمد اقبال
۷۳	صدف	وانم باڑی	۱۹۹۶ء	ماہنامہ	جمبو عبدالمالک
۷۴	آمادہ	وانم باڑی	۱۹۹۷ء	ہفت روزہ	عبدالباری

مندرجۂ بالا اخبارات، رسائل اور جرائد کی یہ فہرست علیم صبا نویدی کی کتاب "ٹمل ناڈو کے مشاہیر ادب" میں مرقوم ہے۔ اس میں "تحفۂ قیصری" اور "حمایت" کا اور "المعی" کا ذکر نہیں ہے۔ ان اخبارات کا ذکر ڈاکٹر سید صفی اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

"تحفۂ قیصری"، قیصر ہند، ایڈورڈ ہفتم کے سالِ جلوس کی یادگار تھا۔ قومی حمایت اور برٹش گورنمنٹ

کی سچی وفاداری اس اخبار کا اصول تھا۔ مفید عام مضامین بھی اس میں شائع ہوتے رہتے تھے۔"

خلافت تحریک ہندی مسلمانوں کے لیے جان سے زیادہ عزیز تھی "قومی رپورٹ" کے علاوہ "حمایت" اور "آزاد ہند" بھی اس کے ترجمان بن کر برسوں آسمانِ صحافت پر چھائے رہے۔"

"المعی" آج کی نسل کے لیے ایک غیر معروف نام ہے۔ لیکن ۱۹۲۹ء اور ۱۹۴۶ء کے درمیان یہ مدراس کا ایک ہر دل عزیز اخبار سمجھا جاتا تھا۔ "آزاد ہند" سے اس کی معاصرانہ چشمک رہتی تھی۔"

(ٹمل ناڈو میں اردو صحافت: ص: 67،73،76)

محمد افتخار کھوکھر نے اپنی کتاب "تاریخ صحافت" میں "شمس المشائخ" نامی ایک ماہنامہ کا ذکر کیا ہے جو مدراس سے مقبول انور کی سرپرستی میں شائع ہوتا رہا۔ پھر یہ پاکستان کے شہر امرتسر سے شائع ہونے لگا۔

ان کے علاوہ سرزمین ٹمل ناڈو سے اور بھی اخبار اور رسائل اور جرائد شائع ہوتے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

۹۱	ظہیر	وانم باڑی	۱۹۰۴ء	ہفت روزہ	
۹۲	سفیر	وانم باڑی	۱۹۰۶ء	ہفت روزہ	
۹۳	بشریٰ			ہفت روزہ	مولانا ابوالجلال ندوی
۹۴	رہبر	وانمباڑی	۱۹۲۷ء	ہفت روزہ	عبدالقادر خالص
۹۵	دلچسپ	مدراس	۱۹۳۴ء	ہفت روزہ	محمد اسماعیل سیٹھ
۹۶	ہندوستان	مدراس	۱۹۴۷ء	ہفت روزہ	عبدالجبار، نعیم المشرقی
۹۷	نئی زندگی	مدراس	۱۹۵۰ء	ہفت روزہ	سید احمد گلاب
۹۸	سرکار	مدراس	۱۹۶۰ء	ہفت روزہ	بیگم خورشید
۹۹	جلترنگ	مدراس	۱۹۶۳ء	ماہنامہ	بیگم عارف
۱۰۰	سفیر ہند	مدراس	۱۹۶۴ء	پندرہ روزہ	نعیم المشرقی
۱۰۱	شاد		۱۹۶۲ء	ہفت روزہ	امین الدین خورشید
۱۰۲	ہم سفر		۱۹۶۷ء	ہفت روزہ	دانش فرازی
۱۰۳	رفیق ملت		۱۹۶۹ء	ہفت روزہ	ڈاکٹر خلیفۃ اللہ
۱۰۴	ساون		۱۹۷۴ء	پندرہ روزہ	راز امتیاز
۱۰۵	زحل		۱۹۷۴ء	ہفت روزہ	محمد منیر
۱۰۶	مسلم رپورٹ		۱۹۷۵ء	ہفت روزہ	قمر سعید

۱۰۷	سفینہ		۱۹۶۸ء	سہ ماہی	ڈاکٹر عبدالحق
۱۰۸	ہم نشین		۱۹۷۵ء	ہفت روزہ	بدر حیدر آبادی
۱۰۹	ادبی رپورٹ		۱۹۷۸ء	ہفت روزہ	راز امتیاز
۱۱۰	شمشیر ہند		۱۹۹۱ء	پندرہ روزہ	سراج الدین
۱۱۱	جواہر ہند		۱۹۹۵ء		محمد اقبال
۱۱۲	آمادہ		۱۹۹۷ء	ہفت روزہ	عبدالباری
۱۱۳	گلستاں (بچوں کے لیے)	وشارم	۱۹۶۳ء	ماہ نامہ	محمد زکریا
۱۱۴	باغ و بہار		۱۹۶۳ء		محمد عمر فاروقی
۱۱۵	آب و تاب	مدراس	۱۹۶۷ء	ماہنامہ	مولانا نثار نگری
۱۱۶	حنا	وانم باڑی	۱۹۷۳ء	ماہنامہ	اکبر زاہد
۱۱۷	ذکریٰ		۱۹۷۵ء	ماہنامہ	شاہ ابوالفیض
۱۱۸	اذانِ حرم	پیارم پیٹ	۱۹۹۵ء	ماہنامہ	سہیل راشد
۱۱۹	صدف		۱۹۹۶ء	ماہنامہ	عبدالمالک
۱۲۰	گل نو	مدراس	۱۹۶۷ء	سالنامہ	لقا رضوی، علیم صبا نویدی
۱۲۱	روپ رنگ	مدراس	۱۹۶۷ء		نورس خیامی
۱۲۲	نور جنوب	مدراس	۲۰۰۱ء	سہ ماہی	علیم صبا نویدی

بیسویں صدی کے نصفِ ثانی سے ٹمل ناڈو میں اردو اخبار و رسائل و جرائد کی نشر و اشاعت میں زوال و انحطاط کے آثار و علامات ظاہر ہونے لگے اور سارے اخبارات و رسائل یکے بعد دیگرے آسمانِ صحافت سے غائب ہوتے چلے گئے اور اخبارات میں اس وقت سارے ٹمل ناڈو میں صرف ایک ہی روزنامہ اخبار مسلمان سانسیں لے رہا ہے۔ اس پستی اور زوال کا سبب یہ رہا کہ اس دیار کے باشندوں کی اکثریت نے اردو زبان کے ساتھ بے توجہی اور عدم التفات کا مظاہرہ کیا اور یہ زبان سرکاری الطاف و عنایات سے بھی محروم ہے۔ اور صنعتی، تجارتی، سماجی، معاشرتی، معاشی، عصری اور سائنسی تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے موقف میں نہیں ہے۔ اسٹیٹ حکومت کی اردو نوازی اس طرح نمایاں ہوئی کہ سنہ ء میں ڈی۔ ایم۔ کے، سرکار نے ٹمل ناڈو اسٹیٹ اردو اکیڈمی کی صرف تشکیل کی۔ اس سرکار کی معیاد ختم ہوئی تو انا ڈی۔ ایم۔ کے، برسر اقتدار آئی۔ اس نے بھی اپنی پنج سالہ مدت مکمل کرلی۔ سنہ ء میں دوبارہ ڈی۔ ایم۔ کے تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہوئی۔ اس مدت

میں اکیڈمی کے تعمیراتی اور ترقیاتی منصوبوں کی جانب کسی قسم کی پیش رفت نہیں ہوی۔ موجودہ حکمران جماعت نے سالِ رواں کے چوتھے مہینے میں ایک عظیم الشان کل ہند مشاعرہ اور سمینار کا انعقاد کیا۔ اور چند شعراء اور ادباء کو کیسۂ زر، سندِ توصیف اور تمغہ سے نوازا۔ یہی اکیڈمی کی اردو خدمت تھی۔ اس سے ہٹ کر اردو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سطح پر ایک اختیاری زبان بنی ہوی ہے۔ تو اس میں ڈگری آف فلاسفی کی تحصیل کے لیے پڑھی جارہی ہے۔ اس علاقہ میں اردو زبان کی صحیح معنوں میں ترقی اور ترویج بعض ادیبوں، شاعروں، مصنفوں، انجمنوں، دینی درس گاہوں، صباحیہ اور شبینہ مکتبوں کے ذریعہ ہورہی ہے۔ ان میں اسلامی مکاتیب کی اردو خدمات بڑی وقیع اور عمومی افادیت کے حامل ہیں۔ جن کے ذریعہ اردو زبان کی ابتدائی تعلیم اور تدریس ہورہی ہے۔ اسلامی درس گاہوں کے بطن سے نکلنے والے فارغین علماء و فضلاء بھی اردو زبان و ادب کے اچھے فاضل اور ادیب ہیں۔ جن کی علمی و دینی، اصلاحی و دعوتی تقریری و تحریری مساعی جمیلہ کے باعث اردو زبان میں ایک صالح دینی ادب پروان چڑھ رہا ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر یہ بات کہی جاے تو بے جا نہ ہوگا کہ تاریخ پھر دہرائی جارہی ہے۔ کسی زمانہ میں حضرات صوفیاء نے مسلمانوں میں دعوت و اصلاح اور تبلیغ کا کام انجام دینے کے لیے اردو زبان کو اختیار کیا تھا۔ کیوں کہ یہ عوامی زبان تھی۔ ان ہی کی زبان میں اسلام تعلیمات کو پھیلانے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کے تبلیغی مشن کے سایہ میں اردو زبان کی نشوونما اور ترقی ہوی۔ اسی طرح موجودہ زمانہ میں اسلامی درس گاہوں میں اسلامی و عربی علوم و فنون کی تفہیم و تدریس، تعلیم و تعلم، تقریر و تحریر میں اردو زبان کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور ان کے فیض یافتگان مسلمانوں میں دعوت و اصلاح کے لیے اسی زبان کو اختیار کر رہے ہیں۔ یہ وہ عوامل اور اسباب ہیں جن کے باعث اردو کی نشوونما کا سلسلہ برقرار ہے اور ان اسلامی درس گاہوں کی جانب سے رسائل اور جرائد کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور اردو صحافت ایک مذہبی اور دینی رنگ روپ لیے ہوے اپنے وجود کو باقی رکھے ہوے ہے۔ اس مقام پر دو تین درس گاہوں کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد نے علامہ شاکر نائطی کے زیرِ ادارت ۱۹۳۵ء میں "مصحف" نامی جریدہ کا اجراء کیا۔ اس کا مقصد دعوت و تبلیغ کے ساتھ پرورشِ قلم بھی تھا۔ آج "مصحف" تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ لیکن اس نے اپنی زندگی میں اہلِ قلم کی ایک جماعت تیار کردی۔ جس کی تخلیقات کے روپ میں آج بھی مصحف معنوی اور افادی پیکر میں زندہ ہے۔ اس درس گاہ کے ابنائے قدیم نے ۱۹۹۱ء میں "راہِ اعتدال" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا ہے۔ جو علمی، ادبی، مذہبی اور عصری موضوعات کو سمیٹے ہوے پابندی کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔ جامعہ کے شعبۂ اشاعت نے ملت کے لیے جو مفید تعمیری لٹریچر فراہم کیا ہے وہ قومی، ملی اور مذہبی صحافت

کا ایک اہم حصّہ ہے۔

ٹمل ناڈو کی قدیم ترین اولین خانقاہی درس گاہ دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور نے ۱۹۶۳ء میں سالنامہ "اللطیف" جاری کیا۔ جس کے مدیر موسّس حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادریؒ، سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ ہیں، جو اسی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ یہ سالنامہ چالیس سال سے تمام تر علمی و دینی لطافتوں اور صوری و معنوی خوبیوں کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔ اس رسالہ کا عدیم المثال پہلو یہ ہے کہ اس نے تصوف کے گہرہائے صدف سے اردو دنیا کو روشناس کروایا۔ فارسی زبان کے نادر و نایاب قلمی ذخیرہ کو خواص و عوام کے لیے فائدہ مند بنا دیا۔ اور فرزندانِ لطیفیہ کی قلمی پرورش میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔

ٹمل ناڈو کی ایک اور معروف درس گاہ مدرسۂ باقیات صالحات ویلور کی انجمن ترقیٔ اردو کی جانب سے ۱۹۷۰ء میں "صفیر" ڈاکٹر راہی فدائی کی ادارت میں جاری ہوا۔ اس سالنامہ میں باقیات کے اساتذہ و طلبار کی نگارشات کے ساتھ بیرونی اہلِ قلم کی تخلیقات بھی شامل رہتی تھیں۔ جس کے باعث جریدہ میں علمی اور فکری تنوع کی شان تھی۔ ۱۹۸۷ء میں 'صفیر' کی سانس رُک گئی تو وہ 'نفیر' کے قالب میں سانس لینے لگا۔ بالآخر اس نے بھی ۱۹۹۴ء میں آخری سانس لے لی۔ اس درس گاہ کے علماء و فضلاء اور انجمن ترقی اردو کے فیض یافتگان نے علم و ادب کی جو شمع فروزاں کی اس کی روشنی جنوب کے مختلف حصوں میں پھیل رہی ہے۔

لجنۃ الھدیٰ ٹمل ناڈو کے ترجمان کی حیثیت سے ۱۹۹۸ء میں مولانا محمد اقبال قاسمی کی ادارت میں ویلور سے "صدائے حق" کی اشاعت عمل میں آئی اور یہ جریدہ اپنے مخصوص اور متعین منہاج پر دعوت و اصلاح کے کام میں مصروفِ عمل ہے۔

اسلامیہ کالج وانمباڑی نے ــــــء میں اپنا علمی و ادبی پرچہ "مشعل" جاری کیا۔ اور اپنے اساتذہ و طلباء کی تخلیقات کے علاوہ دیگر اہلِ علم اور اربابِ فکر کی نگارشات کو جگہ دی۔ اس کالج میں ہر سال مختلف موضوعات پر مذاکراتی مجالس کا انعقاد عمل میں آتا ہے اور ان میں پڑھے گئے مقالات 'مشعل' کی زینت بن جاتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر جو تحقیقی و تدقیقی کام کیا جاتا ہے اس کو مشعل کے ذریعہ دوام حاصل ہو جاتا ہے۔

سی عبدالحکیم کالج میل وشارم نے بھی ۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر شبّیر کی ادارت میں "الحکیم" کو جاری کیا اور یہ سالنامہ بھی مختلف دینی و علمی اور سائنسی موضوعات کو سمیٹتے ہوئے پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

سالنامہ "الاصلاح" ویلور، ویلور اسلامک ــــــ فاؤنڈیشن ٹرسٹ، ویلور کے ترجمان کی حیثیت سے راقم الحروف کی ادارت میں ۱۹۹۰ء سے شائع ہو رہا ہے۔

نورجنوب ایک ہمہ گیر علمی وادبی، تنقیدی جریدہ ہے جس میں ملک اور بیرون ملک کے ممتاز اہل قلم کی نگارشات جگہ پاتی ہیں۔ کہنے کو تو یہ جنوب کا نور ہے۔ لیکن اس نور کی ضیاء پاش کرنیں مشرق و مغرب اور شمال کے مطلع پر بھی نمودار ہیں۔ اور یہ ساری اردو دنیا سے خراج تحسین حاصل کر رہا ہے اور ٹمل ناڈو کا ایک ممتاز و منفرد جریدہ ہونے کی سند حاصل کر چکا ہے۔ جیسا کہ اس میں شائع ہونے والے مفکرین و محققین کے خطوط و مکاتیب سے واضح ہے۔

ٹمل ناڈو کی اردو صحافت کے مذہبی قالب پر مختصر روشنی ڈالنے کے بعد صحافت کے بعض پہلوؤں کی نشاندہی بھی ضروری معلوم ہوتی ہے، جو علمی و سائنسی اور صنعتی انقلاب کی وجہ سے نمایاں ہو چکے ہیں سائنس اور ٹکنالوجی کی نت نئی اور حیرت انگیز ایجادات سے جہاں ساری دنیا کی چیزیں متاثر ہو رہی ہیں اور ان کے اندر عظیم انقلابات اور تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، وہاں صحافت کی دنیا میں بھی انقلابات آرہے ہیں۔ انیسویں صدی میں جب ریڈیو کی ایجاد ہوئی تو ابلاغ کا ذریعہ برقی صحافت کے روپ میں سامنے آگیا۔ اور آدمی دنیا جہاں کے اخبار و احوال اپنے کانوں سے سننے لگا۔ اور اس کے بعد کسی حد تک خواندگی صحافت یا نظری صحافت کا دائرہ محدود ہو گیا اور سمعی صحافت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ پھر جب ٹرانسسٹر کی ایجاد ہوئی تو انسان کے قدم جہاں جہاں پہنچنے لگے اور جہاں جہاں اس کی منزلیں بنتی چلی گئیں وہاں وہاں سمعی صحافت بھی انسان کے قدم بقدم چلنے لگی۔ پھر جب دنیا بیسویں صدی میں قدم رکھی تو ابلاغ کا ایک اور ہمہ گیر اور مؤثر ذریعہ ٹیلی وژن کی صورت میں سامنے آگیا۔ اب آدمی صرف بٹن دبا کر ساری دنیا میں پیش آنے والے واقعات اور حادثات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگا اور ان واقعات کی تفصیلات بھی اپنے کانوں سے سننے لگا۔ پھر ٹیلی کانفرنسنگ اور انٹرنٹ کے ذریعہ دنیا کے ہر گوشہ سے گفت و شنید اور تبادلۂ خیالات اور مطبوعہ صحافت کے مطالعہ اور جائزہ کی سہولت پیدا کر لیا۔ اور اس برقی صحافت نے صرف زمین کے چاروں سمت کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں ہی کا احاطہ نہیں کیا بلکہ فضاء کی جہتوں اور خلائی وسعتوں کو بھی اپنے دامن میں سمو لیا۔ اور ساری دنیا کو ایک چھوٹے سے اسکرین میں سمیٹ لیا ہے اور آج آدمی ساری دنیا کے مناظر اور دنیا کے نشیب و فراز کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس بصری اور سمعی صحافت نے ساری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے۔

پریس اور میڈیا کی اس غیر معمولی افادیت کے ساتھ ساتھ کئی ایک ضرر رساں پہلو بھی سامنے آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ آج میڈیا جس چیز کی جیسی تصویر کشی کرے وہ اسی

شکل وصورت اور ہئیت کے ساتھ دنیا میں متعارف ہو رہی ہے۔ بھلے سے اس کی حقیقت مختلف اور متضاد ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی ایک مثال اسلام اور مسلمانوں کی تصویر کشی ہے۔ چناں چہ آج دنیا کو مختلف زاویوں سے یہ باور کرایا جارہا ہے کہ اسلام دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے اور مسلمان دہشت گرد ہیں اور جو لوگ اسلام کی انسانیت نوازی اور مسلمانوں کی خوش خلقی سے ناآشنا ہیں وہ ان باتوں سے متأثر ہو رہے ہیں اور ان کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کی مکروہ تصویر ابھرنے لگی ہے۔ اور ہمارے ملک کی غیر مسلم آبادی جو چھتر فی صدی ہے اس پر بھی منفی اثرات مرتب ہو رہے لگے ہیں۔ ان حالات میں مطبوعہ اردو صحافت کا جو کردار سامنے آرہا ہے وہ پریس اور میڈیا کے مقابلہ میں بہت ہی محدود افادیت کا حامل ہے۔ ایسی صورت میں ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو کو عصری اور برقی صحافت سے آراستہ کیا جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی علاقائی اور صوبائی زبانوں اور اکثر صوبوں کے درمیان رابطہ کی زبان ہندی اور بین الاقوامی اور تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان انگریزی کے ذریعہ بھی ملک کی اکثریت کے سامنے اصلاحی و تردیدی اور تعمیری و علمی مواد پیش کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اور اسی میڈیائی قوت کے ذریعہ اسلام کی صحیح اور اصلی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جاسکتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں اس زاویہ اور اس پہلو سے اسلام کی یہ اہم ترین اور بروقت خدمت ہے۔

وما علینا الا البلاغ

نوٹ:

ان دنوں روزنامہ ''مسلمان'' ٹمل ناڈو کی اردو صحافت کا واحد نشان بنا ہوا ہے۔ اس اخبار میں سیاسی خبروں کے علاوہ اردو دنیا کے احوال واخبار کا منظر نامہ بھی شامل رہتا ہے۔ اور یہ بھی حیرت انگیز بات ہے کہ سارے ٹمل ناڈو میں اردو کا ایک ہی اخبار سانسیں لے رہا ہے۔

قرآنی معلومات

☆☆ قرآن پاک کی پہلی منزل سورۃ فاتحہ سے شروع ہوکر سورۃ النساء پر ختم ہوتی ہے۔

☆☆ سورۃ الرحمٰن کو ''زینت قرآن'' کہا جاتا ہے۔

☆☆ قرآن مجید میں خیرات کی تلقین 150 مرتبہ کی گئی ہے۔

☆☆ سورۃ توبہ میں 16 رکوع ہیں۔

☆☆ حضور ﷺ پر آخری وحی 3 ربیع الاول 11 ہجری کو نازل ہوئی۔

☆☆ سورۃ واقعہ کو سورۃ الغنیٰ کہا جاتا ہے۔

☆☆ قرآن پاک میں 12 غزوات کا ذکر ہے۔

☆☆ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر 63 مرتبہ آیا ہے۔

☆☆ قرآن پاک میں ''اللہ'' 2584 بار آیا ہے۔

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

ادارہ

بسم اللّٰہ والمنۃ انسانوں میں سے وہی افراد نقصان وخسران سے محفوظ ہیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ایمان کے ساتھ عمل صالحہ کے ذکر میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ صرف ایمانیات کا مجرد علم ویقین کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عمل کا رشتہ بھی قائم رہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں مختلف مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کے بیان کا التزام کیا گیا۔ ور اہلِ ایمان کو خصوصیت کے ساتھ دعوت دی گئی کہ ایمان کے مطابق اپنا عمل جاری رکھو۔ اعمال صالحہ میں بڑی وسعت ہے۔ اسی کے اندر عبادات شامل ہیں خواہ وہ بدنی ہوں یا مالی، ان کے علاوہ معاملات اور اخلاق بھی اعمال ہی میں داخل ہیں۔ اعمال صالحہ کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ ان ہی پر دُنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات کا انحصار ہے۔

آغازِ سالِ نو

طلبۃ العلوم کا داخلہ اللّٰہ کے فضل وکرم سے مورخہ ۱۷رشوال المکرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۹رماہِ نومبر ۲۰۰۶ء بروز پنجشنبہ ہوا۔

دورۂ حدیث

فضیلت مآب مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ایم اے، پی ایچ ڈی، مدظلہ العالی کی مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ امسال دورۂ حدیث کا آغاز مورخہ ۲۵رشوال المکرم ۱۴۲۷ھ مدرسہ کے وسیع ہال میں ہوا۔ نیز مورخہ ۲۵ررجب المرجب ۱۴۲۸ھ کو بروز دوشنبہ ناظم موصوف کی دعاؤں کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

ادبی افتتاحی اجلاس

دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان قطب ویلور کا انجمن دائرۃ المعارف کا سالانہ ادبی افتتاحی اجلاس مورخہ ۲۹رنومبر ۲۰۰۶ء روز چہار شنبہ بزیرِ صدارت مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد عثمان قادری، ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور منعقد ہوا۔ جس میں مہمان خصوصی عالی جناب مولانا مولوی سید نیاز احمد صاحب جمالی، بی کام،

ناظم دار العلوم جمالیہ، پرمبوژ مدراس نے علم دین کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہر مدرسہ میں کچھ قوانین ہوتے ہیں، جو طلباء کی تربیت و اصلاح کے لیے مقرر کئے جاتے ہیں۔ ان قوانین کو مشقت کی چیز نہ سمجھیں۔ موصوف نے طالب العلم کی فضیلت اور ان کے مقام کو احادیث کی روشنی میں سمجھایا۔

اسباب صحت

دار العلوم میں تعلیم و تدریس، تحریر و تقریر کے ساتھ ساتھ دماغی فرحت و جسمانی راحت کے اسباب بھی مہیا ہیں۔ چناں چہ طلبائے عزیز روزانہ شام کے وقت والی بال، کرکٹ، بیاڈ منٹن وغیرہ گیمس سے لطف اندوز ہوتے ہیں

نوید مسرت

الحمدللہ! امسال بھی تر و و تور یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، ادیب فاضل، منشی فاضل کے ڈگری کورس میں اکثر طلباء نے شرکت فرمائی اور انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔

امتحانات

ششماہی امتحان مورخہ ۵ رمئی ۲۰۰۷ء مطابق ۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ روز شنبہ سے ہفتہ بھر اساتذۂ کرام کی زیر نگرانی میں ہوتے رہے اور سالانہ امتحانات مورخہ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۱ رماہ آگسٹ ۲۰۰۷ء شروع ہوا اور ہفتہ بھر جاری رہے۔

عباپوشی و اعطائے سند

دار العلوم کا سالانہ جلسہ مورخہ ۱۱ ر شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۵ رماہ آگسٹ ۲۰۰۷ء روز شنبہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ مقرر ہوا جس کی صدارت فضیلت مآب مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد عثمان قادری ناظم دار العلوم مدظلہ العالی نے فرمائی اور خود اپنے دست مبارک سے فارغین کو عبا اور سند عطا فرمایا نیز اس اجلاس میں مقامی و بیرونی علمائے کرام و حکمائے عظام اور مقتدر علم دوست حضرات کثیر تعداد میں شریک تھے اور حاضرین جلسہ تقاریر سے بہت زیادہ محظوظ ہوئے۔

تقسیم انعامات

اسی دن شام میں ایک دوسری نشست ہوئی جس میں درسیات مقابلہ تحریر و تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء اور عہدیداروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔

ہدیۂ تشکر

ادارہ ان تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے ہمارے طلباء و اساتذۂ کرام کی صحت کا بھرپور

خیال رکھا اور ادویات و مشورے سے نوازا۔ نیز ادارہ ان تمام مدیرانِ اخبار کا تہ دل سے مشکور ہے جنھوں نے دارالعلوم کی تمام کارروائیوں کو بروقت شائع فرمایا۔ بالخصوص عالی جناب کاتب محمد شریف برکاتی صاحب آمبور اور عالی جناب سید علیم الدین علیم صبا نویدی صاحب مدراس کا بے حد ممنون و مشکور ہے جنھوں نے سالنامہ اللطیف کی کتابت و طباعت کا کام بڑے خلوص و حسنِ خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر و سعادت دارین نصیب فرمائے!!

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ صلی اللہ وسلم

پند و نصائح

✤ جو مخلوق سے محبت رکھے، اس کے دل میں محبت الٰہیہ کا گذر نہیں ہو سکتا، گویا وہ محبت الٰہی کو سمجھتا ہی نہیں۔

✤ جب تک کسی کے دل میں شیطان کی محبت ہو اور اس کے سینہ میں نفس غالب ہو اور دنیا و عاقبت کی فکر اور لوگوں کا اندیشہ ہو، اس وقت تک اس کو کیفیت وحدت حاصل نہیں ہوتی۔

✤ اگر جد و جہد کرتے ہوئے کامیابی کو صرف خدا کے حوالے کرو گے تو لوگوں سے بے پرواہ ہو جاؤ گے، اور یہی حقیقی استغناء ہے۔

✤ بلند مرتبہ تواضع سے پیش آنے میں متصور ہے، لوگوں کی خیر خواہی کرو گے تو وہ تمہیں اپنا سردار مانیں گے، سچ بولو گے اور نیت و فعل میں بھی صدق رکھو گے تو جواں مرد سمجھے جاؤ گے۔

✤ جو شخص اچھے کپڑے پہنے، اچھے کھانے کھانے اور زودولت مندوں کی صحبت میں بیٹھنے کی خواہش رکھتا ہے، اس سے دوزخ رگ گردن سے بھی قریب ہے۔

✤ خشوع کہتے ہیں ایسی بے خبری کو کہ اگر اس پر نیزہ مارا جائے تو اثر محسوس نہ ہو۔

✤ اگر انسان عبادت الٰہی ملائکہ کے برابر کرے تو اللہ پاک اسے قبول نہ کرے گا، جب تک کہ انسان کو اللہ پر بھروسہ نہ ہو، اللہ پر بھروسہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ پاک نے تیرے لئے مقرر کی ہے، یعنی خواہش اس سے فارغ اور بے خوف ہو تا کہ عبادت میں مخل نہ ہو۔

✤ اپنے قویٰ اور حواس کو حقانی اور ٹھیک طریقے پر استعمال کرو گے، تو اونچے خاندانی ہونے سے زیادہ عزت حاصل کرو گے۔



✤ گمنامی کو پسند کر کہ اس میں ناموری کی نسبت بڑا امن ہے۔

✤ شروع کرنا تیرا کام ہے، اور تکمیل کرنا اللہ کا۔

✤ تیرے سب سے بڑے دشمن تیرے برے ہم نشین ہیں۔

✤ تیرا کلام بتا دے گا کہ تیرے دل میں کیا ہے۔

✤ عاقل پہلے قلب سے پوچھتا ہے پھر منہ سے بولتا ہے۔

✤ بجز اپنی اور اپنے بچوں کی ضرورت کے گھر سے باہر مت نکلو۔

✤ جو شخص اپنے نفس کا معلم نہیں ہو سکتا، دوسرے کا کس طرح ہوگا۔

✤ جسے کوئی ایذا نہ پہنچے اس میں کوئی خوبی نہیں۔

✤ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔

✤ خلوت میں خاموشی مردانگی نہیں، جلوت میں خاموش رہ۔

✤ اوروں پر ہر دم نیک گمان رکھ اور اپنے نفس پر بدظن رہ۔

✤ ہماری غیبت کرنے والے ہماری فلاح ہیں کہ ہمیں خراج دیتے ہیں، یعنی اپنے تمام اعمال صالحہ ہمارے نام منتقل کرا دیتے ہیں۔

✤ تو اس وقت تک طالب صادق نہیں جب تک کہ تو اپنی خوراک میں اپنے ہمسایہ کو اپنے نفس پر ترجیح نہ دینے لگے۔

جواھر قرآن

مولوی حافظ ابو النعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

سورۂ یونس کی ایک مشہور و معروف آیت کریمہ ہے۔ جس میں اولیائے کرام کی ایک ایمانی اور اخلاقی صفت بیان کی گئی ہے۔ اس آیتِ طیبہ کو موضوع بحث بنانے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اولیائے کرام سے متعلق ایسے خیالات اور نظریات پائے جارہے ہیں، جن میں افراط اور تفریط ہے اور بڑی حد تک صحت کا فقدان ہے۔ ایک جانب اس طائفہ کے بارے میں غالیانہ عقائد نشوونما پا رہے ہیں تو دوسری جانب متعصبانہ خیالات پرورش پا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور خیال یہ بھی پھیل رہا ہے کہ اولیائے کرام تاریخ اور سیر کا حصہ بن چکے ہیں، موجودہ زمانہ میں ولی اور ولایت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس خیال کو تقویت پہنچنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ ولایت کے زیر اثر پروان چڑھنے والی ایمانی، علمی، اخلاقی روحانی اور انقلابی زندگیاں دور دور تک نظر نہیں آرہی ہیں، جن کی وجہ سے کبھی دنیائے کفر میں زلزلے آتے رہے ہیں۔ تو کبھی امت میں اصلاح و خیر اور نیکی و طاعت کی لہریں چلتی رہیں: ؎

گو ہوا ہے تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہے ہیں　　وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

اولیائے کرام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یہ نشانیاں ماضی میں بھی تھیں۔ حال میں بھی ہیں اور صبحِ قیامت تک رہیں گے۔ بلکہ کہا جائے تو غلو نہ ہوگا کہ ان کے وجودِ بابرکت سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ اور جب اُن کا وجود ختم ہو جائے گا تو قیامت قائم ہوگی۔ ممکن ہے نظامِ عالم کے قیام کے نظریہ سے خالص مادہ پرست ذہن الجھن کا شکار ہو جائے۔ اس کے ازالہ کے لیے "منصب امامت" کا یہ اقتباس کافی اور شافی ہے۔

"حکیم علی الاطلاق ایشاں را واسطہ در تصرفات کونیہ می گرداند۔ تقلیب احوال و ادوار و تحوّل اقبال و ادوار سلاطین و انقلابات حالات اغنیاء و مساکین و رفع بلا و دافع وباء و امثال ذلک۔"

اللہ تعالیٰ جو حکیم مطلق ہے وہ اولیائے کرام کو دنیا کے تصرفات و تغیرات میں واسطہ اور ذریعہ بناتا ہے۔ حالات میں تبدیلی، حکومتوں کا عروج و زوال، امیروں اور غریبوں کے حالات میں تبدیلی، بلاؤں، مصیبتوں اور

اور وباؤں کا دور ہو جانا، اس طرح کے اور بھی تصرفات ہیں۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے بھی اپنی ذات سے تصرفات کے ظہور کا ذکر کیا ہے۔ ان اللہ تعالےٰ اذا اراد شیأ من نظام الخیر جعلنی کالجارحۃ: اللہ تعالےٰ جب خیر کے کسی نظام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے اس ارادہ کو پورا کرنے کے لیے مجھے واسطہ بنا لیتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالےٰ کے نظام عالم میں اولیائے کرام کے ذریعہ تصرفات فرماتا ہے اور یہ تصرف اولیائے کرام کے ذاتی عمل اور ذاتی قدرت کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ اللہ کی قدرت کے مظہر کے مفہوم میں ہے۔ متصرف حقیقی اللہ تعالےٰ کی ذات ہے اور یہ حضرات واسطہ اور آلہ ہیں۔

اولیائے کرام کے مراتب اور درجات مختلف ہیں۔ اور ان کے اعمال بھی مختلف ہیں اور ان کے اسماء بھی مختلف ہیں۔ جیسے اخیار، ابدال، اوتار، ابرار، نقباء اور اقطاب وغیرہ اور ان کی برکات و کرامات اور دعاؤں کے باعث نظام عالم متاثر ہوتے رہتا ہے۔ ع نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

لغت میں ولی کا معنی ہے دو یا دو سے زائد چیزیں اس طرح واقع ہوں کہ ان کے درمیان غیر جنس کی کوئی چیز حائل نہ ہو اور اس سے قرب و نزدیکی کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔

ولی کے معنی محبت و دوستی، نزدیکی و قرب اور نصرت و حمایت کے ہیں۔ ولی واحد ہے۔ اس کی جمع اولیاء ہے۔ ولی کا لفظ ولایت سے مشتق اور ماخوذ ہے۔ اس کا مصدر فتح اور کسرہ دو طرح سے آتا ہے۔ ولایت فتح کے ساتھ ہو تو اس کے معنی تصرف اور تسلط کے ہوں گے۔ ولایت کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی قرابت کے ہوں گے ولی کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور: اللہ تعالےٰ اہل ایمان کا ولی ہے۔ انھیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ اہلِ ایمان کا دُنیا اور آخرت میں ولی ہے۔ قرآنِ کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعا منقول ہے: فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصّالحین: اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے۔ مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے صالح بندوں میں شامل فرما۔

ولی، فاعل کے معنے میں ہو تو مفہوم یہ ہوگا کہ بندہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اگر مفعول کے معنے میں ہو تو مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ بندے کا دوست ہے اور اپنے اس محبوب بندے کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے۔ ولایت کو قرب و دوستی کے ساتھ خاص کیا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ

بندہ کو محبوب رکھتا ہے اور بندہ اللہ کو محبوب رکھتا ہے۔ حضرات صحابہ کی شان میں کہا گیا: یحبھم ویحبونھم اللہ ان کو محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

ولایت کو تصرف و تسلط کے ساتھ خاص کیا جائے تو یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے محبوب بندے کو اپنے ملک میں حل و عقد کا کفیل بنا دے۔ چناں چہ اولیائے کرام سے جتنے بھی عجیب و غریب واقعات کا ظہور ہوا وہ سب اسی مقام و منصب کا نتیجہ ہے۔

ولی کون ھے! اس کی تعریف خود اللہ نے اپنے کلام میں کیا ہے: الذین اٰمنوا وکانوا یتقون ولی وہ ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرے۔

شارح مسلم امام نوری نے ولی کی تعریف یہ کی ہے: الولی ھو القریب من لتقربہ الیہ بامتثال اوامرہ واجتناب نواھیہ۔ (نزھۃ المتقین) ولی وہ ہے جس نے اوامر (وہ امور جن کے کرنے کا حکم دیا گیا۔) کی پیروی کی اور نواہی (وہ امور جن سے بچنے کا حکم دیا گیا) سے کنارہ کشی کی اور اس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرے۔

ایک حدیث قدسی میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ میرا بندہ میری کسی محبوب چیز کے ذریعہ میرا اتنا قرب حاصل نہیں کر سکتا جتنا کہ میرے فرائض کو ادا کرتے ہوئے میرا قرب حاصل کر سکتا ہے: وما تقرب الی عبدی بشئی احب الی مما افترضت علیہ۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ولایت کی دنیا میں شریعت ہی کی اہمیت ہے۔ بدعات و منکرات، الحاد و زندقیہ اور حلول و اتحاد سے ولایت کا کوئی رشتہ نہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ولی کی تعریف یہ کی ہے کہ ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر او نہی کے تحت صبر کرے: الولی ھو الصابر تحت الامر و نہی۔

حضرت محوی ویلوریؒ "حقیقت محمدیہ" میں فرماتے ہیں: الولی ھو العارف باللہ وصفاتہ المواظب علی الطاعۃ، المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانھماک فی الشھوات۔ ولی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہو اور وہ اللہ کی بندگی پر ہمیشگی اختیار کرے، گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ شہوات و لذات اور خواہشات سے منہ موڑ لے۔

حضرت محویؒ کے صاحبزادے حضرت قطبؒ ویلور نے بھی اپنی فارسی کتاب "جواہر السلوک" کے ۲۶ ویں فائدہ میں علامہ قیصری کے حوالہ سے لکھا ہے: ان الولایۃ ماخوذۃ من الولی، وھو القرب ولذالک یسمی الحبیب ولیا لکونہ قریبا من محبہ وھی عامۃ وخاصۃ، والعامۃ حاصلۃ لکل من اٰمن باللہ وعمل صالحا. قال اللہ تعالیٰ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور والخاصۃ ھو الفنا فی اللہ سبحانہ ذاتا وصفاتا وفعلا فالولی ھو الفانی فی اللہ القائم بہ الظاھر باسمہ وصفاتہ

ولایت ولی سے مشتق ہے اور وہ قرب ہے اسی وجہ سے اس کا نام ولی رکھا گیا، کیوں کہ وہ اپنے محب سے قریب ہوتا ہے۔ ولایت دو قسم پر ہے۔ ایک عام دوسری خاص۔ ولایت عام تمام مسلمانوں کو حاصل ہے اس عموم کے لحاظ سے ہر مسلمان ولی ہے۔ اور ولایتِ خاص اہلِ ایمان میں مخصوص طائفہ کو حاصل ہے اور یہ وہ طائفہ ہے جس نے اللہ کی ذات وصفات اور افعال میں خود کو فنا کر دیا ہو۔ پس ولی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔

یہاں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ فنا سے عبد کی عبدیت اور بندے کی عینیت معدوم ہو جائے گی بلکہ اس سے جہتِ ربانیت میں جہتِ بشریت کی فنا مراد ہے۔ الرب رب وان تنزل، والعبد عبد وان ترقی۔ خدا خدا ہی رہے گا خواہ وہ کتنا ہی نزول فرمائے اور بندہ، بندہ ہی رہے گا خواہ وہ کتنا ہی عروج و ترقی کرے۔

شارحِ مسلم امام نووی نے فنا سے متعلق غالیانہ مغالطے کی اصلاح کر دی ہے: لا یجوز ان یراد ما قالہ اصحاب الحلول والاتحاد من ان اللہ اتحد مع من یحبہ وامتزج بہ او دخل فی اعضائہ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔

حلول واتحاد کے قائل اشخاص کی یہ تعبیرات صحیح نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ محبت کرنے والے (بندے) سے متحد ہو گیا اور اس کے اعضا میں داخل ہو گیا اور اس کے ساتھ امتزاج پیدا کر لیا۔ اللہ کی شان ایسی چیزوں سے بلند و بالا ہے۔

مولانا رفیع الدین قندہاری نے "رسالہ سلوک قادریہ" میں لکھا ہے: "ولایت چہار قسم است اول عامۂ مومنین کہ بحکم اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔ تمام امت مرحومہ دریں ولایت داخل اند۔ دویم، ولایت صغریٰ کہ آں ولایت اولیاء۔ سیوم ولایت اخص کہ آں را ولایت ملاء اعلیٰ و ولایت بہر چہار ملک مقرب گویند۔ چہارم ولایت اخص الخواص کہ ولایت حضرات انبیاء علیہم السلام است"۔

ولایت چار قسم پر ہے۔ ایک ولایت عام جس میں اللہ ولی الذین آمنوا کے حکم کے مطابق ساری امت داخل اور شامل ہے۔ دوسری ولایت صغریٰ جو خاصانِ خدا کو حاصل ہے۔ تیسری ولایت وہ ہے جو ملاء اعلیٰ (فرشتوں کی وہ جماعت عرشِ الٰہی کو تھامے ہوئے ہے) اور چار مقرب فرشتوں کو حاصل ہے۔ چوتھی ولایت اخص الخواص جو انبیاء کرام کو حاصل ہے۔

غرض ولایت سارے اہلِ ایمان، پھر اہلِ ایمان میں خواص، پھر خواص میں مخصوص ترین اشخاص کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور ولایت کے درجات بے شمار اور بے انتہا ہیں۔ اس کا اعلیٰ درجہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، پھر انبیائے کرام کو حاصل ہے، پھر صحابۂ کرام کو حاصل ہے، پھر امت کے اولیائے کرام کو حاصل ہے۔

اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ولایت سے متعلق ایک غلو آمیز عقیدہ کی بھی اصلاح کی جائے۔ جو

قول سے پیدا ہوا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے: الولایۃ افضل من النبوۃ۔ نبوت ایک نعمت ہے۔ جو انسان کو من جانب اللہ حاصل ہوتی ہے۔ اس میں آدمی کے ارادہ اور کسب کو کوئی دخل نہیں ولایت بھی ایک نعمت ہے جو انسان کو منجانب اللہ حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے حصول میں آدمی کے ارادہ وکسب کا عمل دخل ہوتا ہے۔ نبوت عطائی ہوتی ہے کسبی نہیں۔ ولایت عطائی اور کسبی بھی ہوتی ہے۔ ایک غیر صحابی کی ولایت ایک صحابی کی ولایت سے بالاتر نہیں ہوسکتی اور ایک صحابی (جو ساری امت میں افضل ہے) کی ولایت ایک نبی کی ولایت سے بالاتر نہیں ہوسکتی اور ایک نبی کی ولایت سید الانبیاء کی ولایت سے بالاتر نہیں ہوسکتی تو ایسی صورت میں مطلق ولایت کو نبوت سے افضل کیوں کر کہا جاسکتا ہے۔ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اس کا معنی شاید یہ ہوسکتا ہے کہ نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہے۔ ولایت کا رُخ خالق کی طرف ہے۔ نبوت کا رُخ مخلوق کی طرف ہے۔ جو رُخ خالق کی طرف ہے وہ مخلوق کے رُخ سے افضل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن کریم میں اولیاء کرام سے متعلق یہ بات آئی ہوی ہے کہ وہ خوف اور حزن سے بے نیاز ہوا کرتے ہیں۔ خوف اور حزن دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایک کا تعلق ماضی سے ہے تو دوسرے کا تعلق مستقبل سے ہے مستقبل میں کوئی خطرناک چیز پیش آنے کے خیال و تصوّر سے آدمی کو خوف لاحق ہوجاتا ہے اور وہ طرح طرح کے خیالات میں کھو کر خود کو خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ماضی میں جو دلخراش واقعات رونما ہوے انھیں یاد کر کے خود کو حزن میں مبتلا کرلیتا ہے اور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے مواقع اور رفوت شدہ چیزوں کو یاد کر کے غم میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس طرح کے خوف اور حزن میں عام اہلِ ایمان مبتلا ہوسکتے ہیں۔ لیکن اہلِ ایمان کا طبقہ خواص جن کو اولیائے کرام کہا جاتا ہے، ان کی ذوات اور شخصیات خوف اور حزن سے محفوظ رہتی ہیں۔ ان کے دلوں کی یہ کیفیت اس لیے ہے کہ ان کے قلوب میں اللہ کی محبت رچی بسی رہتی ہے اور وہ ہر چیز کو اپنے حق میں خیر ہی تصوّر کرسکتے ہیں۔ ہر چہ از دوست می رسد نیکو تر است۔ جس کسی سے محبت کریں گے تو وہ بھی اللہ کے خاطر ہوگی اور جس کسی سے عداوت کریں گے تو وہ بھی اللہ کے خاطر ہوگی۔ اُن کے ہر فعل و عمل کی غرض وغایت اللہ ہی اللہ ہے اور اللہ کی محبت پر کسی اور کی محبت غالب نہیں ہوگی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرامؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! اس آیت طیبہ الا ان الاولیاء اللہ سے مراد کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں اور اس میں ان کی کوئی دنیاوی غرض نہیں ہوتی۔

حضرت زرین کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے کہا: کیا میں تمہیں

ایسی بات بتلاؤں جس سے تمہیں دُنیا اور آخرت میں فلاح حاصل ہو: صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور بتلائیے۔ آپؐ نے فرمایا: اہلِ ذکر کی مجلسوں میں شرکت کرو اور ان کی صحبت میں رہو اور جب تنہائی میں رہو تو اپنی زبان کو ذکرِ الٰہی سے تر رکھو اور جس کسی سے محبت کرو تو اللہ کے لیے کرو اور جس کسی سے عداوت کرو تو اللہ کے لیے کرو۔

ایک اور موقعہ پر نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے ارشاد فرمایا: اللہ تعالےٰ کے بعض بندے ایسے ہوں گے جن پر نبی اور شہید رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو صرف اللہ کو چاہیں گے اور ان کے چہرے بغیر مجاہدہ نور سے چمک رہے ہوں گے۔ جب لوگ خوف زدہ رہیں گے تو یہ بے خوف رہیں گے۔ جب لوگ مغموم رہیں گے تو یہ غم سے بے نیاز رہیں گے۔

اس کے بعد نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔

اولیائے کرام جس طرح اللہ کی محبت والفت میں سرشار رہیں گے اسی طرح شریعت کے پاس دار رہیں گے اور ان سے خلافِ شرع امور صادر نہیں ہوں گے۔ ایک مشہور حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں ایک شخص آپہنچا اور ان کی صحبت میں ایک طویل مدت رہا۔ اس کے بعد واپسی کا قصد کیا اور حضرت سے ملاقات کرتے ہوئے رخصتی کی اجازت چاہا تو حضرت نے پوچھا: تم اتنا عرصہ ہمارے پاس رہے۔ اپنے آنے اور ٹھہرنے کی کوئی غرض بیان نہیں کی۔ اس نے عرض کیا: کہ میں آپ کی بارگاہ میں اس خیال سے آیا تھا کہ آپ سے کوئی کرامت دیکھ لوں تو آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرلوں۔ کیوں کہ میں نے آپ کی بزرگی سے متعلق بہت کچھ سُنا تھا۔ ان باتوں سے متاثر ہوکر آپ کے پاس چلا آیا تھا۔ لیکن میں نے آپ سے ایسی کوئی کرامت نہیں دیکھی جس سے آپ کی بزرگی کا قائل ہوجاتا۔

حضرت نے یہ بات سُنی تو اس شخص سے پوچھا: تم اتنے دن ہماری صحبت میں رہے، کیا تم نے کبھی مجھ سے خلافِ شرع کوئی بات سُنی یا شریعت کے خلاف میرا کوئی عمل دیکھا۔ وہ شخص کچھ دیر سوچا اور کہنے لگا۔ حضور اس عرصہ میں مَیں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ حضرت نے فرمایا: کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کرامت ہوسکتی ہے

حضرت بایزید بسطامی متبع سنت تھے۔ ان کی زندگی سنتِ نبویؐ کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی۔ ان کے تعلق سے یہ قول بہت مشہور ہے کہ انھوں نے زندگی بھر خربوزہ اس لیے نہیں کھایا کہ انہیں یہ روایت اور سند نہیں ملی کہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پھل کو کھایا ہے اور کس طرح تناول فرمایا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک واقعہ کی حکایت کی ہے۔ جس سے ایک ولی کے کردار اور عمل پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

ایک مرتبہ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ فلاں شہر میں ایک ولی رہتے ہیں اور ان کی بڑی بزرگی بیان کی تو میں متاثر ہوا۔ اور ان کی زیارت اور ملاقات کا ارادہ کر لیا۔ جب ان کے محلہ میں پہنچا تو انھیں دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے نکلے اور مسجد کا رُخ کیا۔ میں بھی ان کے پیچھے چلا گیا۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انھوں نے تھوکا اور وہ تھوک مسجد کے فرش پر گرا۔ یہ دیکھتے ہی مجھے ان سے کراہت ہوئی اور میں نے ان سے ملاقات کئے بغیر واپس چلا آیا۔ اسی رات خواب میں میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ مجھ سے فرمارہے ہیں: اے بایزید! تم نے جو عمل کیا اس کی برکتیں تمہیں حاصل ہوئیں، یعنی اس عمل کی برکت کے باعث مجھے درجۂ ولایت ملا۔

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامی نے اپنی مجلس میں لوگوں سے کہا: اے لوگو! میں نے سُنا ہے کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے اطراف جمع تھے۔ ایک شخص آپ سے ملنے کے لیے مسجد آپہنچا اور مسجد میں بایاں پیر رکھا۔ اس پر شیخ کی نظر پڑی۔ تو حاضرین سے فرمایا: اس شخص کو باہر بھیج دو۔ جو شخص دوست کے گھر میں جانے کے آداب نہیں جانتا وہ ہمارے پاس آنے کے لائق نہیں۔

ایک حدیثِ قدسی میں بھی یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ بندہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ زائد عبادات، مستحبات اور مندوبات کا اہتمام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور یہی قرب ولایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: مایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه. فاذا احبته کنت سمعه الذی یسمع به، وبصره الذی یبصر به. ویده التی یبطش بها. ورجله التی یمشی بها ولئن سألنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه

(رواہ البخاری)

امام بخاریؒ نے اپنی جامع میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت جمع کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا بندہ جب نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب اسے محبوب بنا لوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اُسے عطا کرتا ہوں۔ جب وہ میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے اپنے حفظ و امان میں لے لیتا ہوں۔

اس حدیث میں نوافل کا لفظ آیا ہوا ہے۔ یہ نافلہ کی جمع ہے۔ لغت میں اس کا معنی ہے زیادہ

یہاں مراد فرائض پر زائد طاعات اور عبادات ہیں ۔اس حدیث میں ایک بات یہ آئی ہوی ہے کہ اللہ تعالے بندہ کا ہاتھ، پیر، آنکھ وغیرہ ہوجاتا ہے۔یہ حقیقی معنوں میں نہیں ہے ۔بعض سادہ لوح اس تعبیر سے اور ناقص فہم افراد نے حلول واتحاد کا نظریہ اپنالیا ہے، جو اسلامی نقطۂ نظر سے کسی درجہ اور کسی تاویل سے بھی صحیح نہیں ہے۔

بعض محققین نے کہا ہے : ان ھذہ الصیرورۃ مجاز او کنایۃ عن نصرۃ اللہ لعبدہ المتقرب الیہ بما ذکر و تائیدہ و اعانتہ لہ و حفظہ من ان تقع جوارحہ فی معصیۃ اللہ تعالےٰ ۔

(شرح ریاض الصالحین)

بلاشبہ یہ صیرورت (ایک حالت یا شکل سے دوسری حالت یا شکل میں بدل جانا۔) مجازی ہے۔ حقیقی نہیں ۔یا یہ کنایہ ہے ۔اس مقرب بندے کے لیے اللہ کی نصرت وحمایت سے اور اس کے مقرب بندہ کے لیے گناہ میں مبتلا ہوجانے سے تحفظ فراہم کرنے سے۔

اس حدیث سے یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح ہوسکتا ہے کہ کسی مقرب بندے کا اس مقام خاص پر فائز ہونے کے بعد اس کا ہر فعل اور ہر کام اللہ تعالیٰ کی خصوصی حمایت ونصرت اور قوت کے زیر اثر ہوا کرتا ہے۔ اس مفہوم کی تائید کے لیے حضرات اولیائے کرام کی زندگیوں میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔یہاں حضرت عمرؓ اور حضرت ساریہ کے درمیان پیش آنے والا واقعہ سند کے طور پر نقل کیا جاتا ہے۔

عہد صحابہؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ساریہؓ نہاوند میں کفار کے ساتھ برسرپیکار تھے۔جنگ کے دوران ایک مرحلہ ایسا آگیا کہ سپہ سالار حضرت ساریہؓ اور ان کی فوج دشمنوں کے نرغہ میں پھنس گئی اور پوری طرح سے شکست وریخت کی صورت پیدا ہوگئی۔اس نازک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے حضرت ساریہؓ کو آواز دی۔ **یاساریہ الجبل الجبل** : اے ساریہؓ! پہاڑی کی پناہ لو۔حضرت ساریہؓ نے یہ بات سُنی اور حضرت عمرؓ کی ہدایت پر عمل کیا۔جس سے جنگ کا پیترا بدل گیا۔ اور متوقع شکست فتح سے بدل گئی۔

اس وقت حضرت عمرؓ مدینہ میں تھے اور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔خطبہ کے دوران آپؓ نے ساریہؓ کو آواز دی اور ساریہؓ نے میلوں دور سے یہ آواز سُن لی ۔ اس واقعہ کے ذریعہ یہ حقیقت بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ میں بندہ کی آنکھ اور کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے۔یہ تائید الٰہی اور فراست ایمانی کی جلوہ نمائی ہے: اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ ۔مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے نور اور قوت سے سارے کام انجام دیا کرتا ہے اور اس کا ہر کام اللہ کا کام ہے۔قرآن کی یہ آیت بھی اس کی تائید کرتی ہے **ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ**۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کافروں کے اوپر کنکریاں پھینکی

دیں جس سے اُن کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انھیں کچھ سجھائی نہ دیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو اللہ نے اپنا فعل قرار دیا: اے نبیؐ! یہ کنکریاں آپؐ نے نہیں پھینکیں اللہ نے پھینکیں۔

یہ عمل چونکہ نبیؐ سے صدور ہوا ہے اس کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ ایسا ہی عمل ولی سے صادر ہو جائے تو وہ اسی جنس اور نوع کا حامل ہے لیکن اسے کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ کے پاس بندہ مقرب کی مقبولیت و محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ جس کسی نے بھی اس کے ساتھ عداوت اور دشمنی کی تو خود اللہ تعالےٰ اس کی طرف سے انتقام لیتا ہے اور اس اقدام کو جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ حدیث قدسی کے الفاظ یہ ہیں: من عادی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔

اللہ کے یہ مقرب لیکن برگزیدہ بندے ایک ایسی وضع قطع کے ساتھ رہتے ہیں کہ اگر یہ کسی کے در پر جائیں تو دھتکار دیے جائیں اور لوگ انھیں اپنے قریب کر لینا بھی پسند نہیں کریں گے لیکن اللہ کے نزدیک ان کا یہ مقام اور مرتبہ رہتا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ اس کو پورا کرے گا۔ رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لواقسم علی اللہ لابرہ۔

اولیائے کرام سے منسلک ایک چیز کشف و الہام اور کرامت و تصرف بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے مقرب برگزیدہ کے دلوں میں پوشیدہ باتوں کا القاء فرماتا ہے اور غیب کے امور سے مطلع فرماتا ہے جس سے وہ کائنات کے سربستہ راز اسرار و حقائق سے واقف ہو جاتے ہیں اور یہ علم و انکشاف عطائی ہے۔ منصب نبوت پر فائز حضرات کرام کو جن حقائق اور امور سے مطلع کیا جاتا ہے ان پر جو انکشافات اور الہامات ہوا کرتے ہیں ان میں کسی قسم کا شبہ اور التباس کی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن منصب ولایت پر فائز حضرات کرام کے کشف و الہام میں شبہ اور التباس کی گنجائش رہتی ہے اور اس کی صحت و درستگی کے لیے وحی سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ایک نبی کو جس چیز کا علم وحی کے طریقے سے ہوتا ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اور غیر نبی صحابی یا غیر صحابی ولی کا علم ظنی ہے۔ کشف و الہام کی ایک صورت خواب بھی ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ اپنے پیغمبروں، ولیوں بلکہ صالح مومنوں کو بھی بعض واقعات اور حالات سے روشناس فرماتا ہے۔ لم یبق من النبوۃ الا المبشرات۔ نبوت کی تکمیل ہو چکی ہے لیکن اس سے ایک طرح کا فیض خوابوں کے ذریعہ جاری ہے۔ انبیاء کرام کے خواب سچے ہیں اسی لیے وہ وحی کا چالیسواں حصہ قرار پائے۔ غیر انبیاء کرام کے خواب میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے۔ انبیاء کرام سے خرق عادت کے طور پر جو بھی واقعات رونما ہوئے انہیں معجزات کہیں گے۔ غیر انبیاء مثلاً صحابی اور غیر صحابی ولی سے جو واقعات خرقِ عادت کے طور پر رونما ہوں گے، انھیں کرامات کہا جائے گا۔ معجزات ہوں یا کرامات ان کے ظہور اور صدور میں اللہ تعالےٰ کی کئی حکمتیں پوشیدہ رہتی ہیں۔ یہ حضرات انبیاء اور حضرات اولیاء کے ذاتی

افعال نہیں ہیں اور نہ ان کی ذاتی قدرت سے صدور پذیر ہو رہے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ان صدور اور ظہور میں ان کے ارادے اور عمل کا دخل بھی نہیں رہتا۔

عقائد کی معروف اور درسِ نظامیہ کے نصاب کی مشہور کتاب "شرحِ عقائد نسفی" میں مرقوم ہے۔ اللہ تعالےٰ خرقِ عادت کے طور پر انبیاء کرام سے معجزات اور اولیاء کرام سے کرامات ظاہر فرماتا ہے اور یہ حق ہے۔ مثلاً تھوڑے سے وقت میں ہزاروں میل کا سفر طے کر لینا۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف بن برخیا کا چشم زدن میں ملک سبا سے حضرت بلقیس کا تخت اٹھالے آنا۔ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم کے پاس کھانے کے وقت پر بے موسم پھلوں کا موجود رہنا۔ ہوا کے دوش پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت لقمان سرخسی کا سفر کرنا۔ حضرت عمرؓ کے مکتوبِ گرامی سے خشک دریائے نیل کا جاری ہونا۔ (عہد فاروقی میں نیل خشک ہو گیا۔ مصر میں زمانۂ قدیم سے یہ رسم چلی آ رہی تھی کہ جب کبھی یہ دریا خشک ہو جاتا تو ایک حسین و جمیل دوشیزہ کی بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ جس سے پانی جاری ہوتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت امیر المومنین حضرت عمرؓ کو دریا خشک ہونے اور مذکورہ عقیدہ اور عمل کے بارے میں اطلاع دی تو حضرت عمرؓ نے دریا کے نام ایک خط لکھا۔ اس خط کو خشک دریا میں ڈال دیا گیا تو وہ جاری ہو گیا۔)

اولیائے کرام کی کرامات و خرقِ عادات، امور کا ظہور ان کی زندگی ہی میں نہیں بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس حقیقت کی گرہ کشائی حضرت محوی نے اپنی فارسی تصنیف "بیعت غائب و حاضر" میں کی ہے۔

روح باقی ہے اور اس کو اس زیارت کرنے والوں کا علم اور اُن کے احوال کا علم ثابت ہے۔ اولیائے کرام کی ارواح کو اللہ کی بارگاہ میں بڑا قرب اور بڑا مرتبہ حاصل ہے اور یہ قرب جس طرح ان کی حیات میں رہا، ان کی وفات کے بعد بھی برقرار رہتا ہے جس طرح ان کی زندگی میں کرامات اور تصرفات کا ظہور ہوا کرتا تھا اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی کرامات کا ظہور ہوا کرتا ہے اور یہ ان کی ارواح کا وصف ہے۔ ان کی زندگی میں ہو یا ان کی وفات کے بعد جو بھی کرامات ان سے ظاہر ہوتی ہیں یہ در اصل اللہ تعالےٰ کا فعل ہے اور اسی ذات جل جلالہٗ کا حقیقی متصرف ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو اولیائے کرام کی وساطت اور وسیلہ سے کوئی چیز عطا ہو جائے تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ جیسا کہ ان کی زندگی میں ہو یا ان کی موت کے بعد ان ہر دو حالتوں میں فعل اور تصرف اللہ ہی کا ہے۔ اور وہی ہر دو حالتوں میں متصرف ہے اور یہ مظہر ہیں۔ اور کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جو ان دو حالتوں میں فرق کرے۔ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ کرامات کا تعلق صرف زندگی سے ہے موت کے بعد نہیں۔

حضرت ابوالحسن قریشی نے اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کیا ہے کہ میں نے چار ایسے بزرگوں کو دیکھا

جو اپنی وفات کے بعد بھی اسی طرح تصرف فرماتے ہیں جس طرح وہ اپنی زندگی میں فرماتے تھے۔ ایک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی دوسرے شیخ معروف کرخی، تیسرے شیخ عقیل اور چوتھے شیخ ابن قیس

حضرات اولیاء کے تصرفات اور روحانی فیوضات سے متعلق مولانا جلال الدین رومی نے بھی اپنی مثنوی میں روشنی ڈالی ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کی وفات کے ستر سال بعد حضرت ابوالحسن خرقانی کی پیدائش کی خبر حضرت بایزید نے پہلے ہی دے دی اور ان کا حلیہ شکل و صورت اور صفات وغیرہ کے بارے میں بھی بتلا دیا اور یہ بھی کہا کہ وہ میرے مریدوں میں شامل ہوں گے اور میری مزار پر پہنچ کر مجھ سے علمی استفادہ کریں گے۔ چنانچہ ابوالحسن اسی پیش گوئی کے مطابق دنیا میں جلوہ نما ہوئے اور ان ہی صفات و علامات کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ چنانچہ حضرت بایزید کی مزار پر پہنچتے اور چاشت کے وقت تک کھڑے رہا کرتے تھے۔ حضرت بایزید مثالی شکل اور جسم کے ساتھ نمودار ہوئے اور اپنے علوم و معارف سے نوازے۔ ؎

کہ حسن باشد مریدی از امتم ۔۔۔ درس گیرد ہر صباح از تربتم
ہر صباحے رو نہادے سوئے گور ۔۔۔ ایستادی تا ضحیٰ اندر حضور
تا مثال شیخ پیش آمدی! ۔۔۔ تا کہ بے گفتنی اشکالش حل شدی

حضرت قطب ویلور نے بھی اپنے فارسی مکتوبات میں ارواح سے استفادہ کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے

"ایں امر محقق و مقرر است و متفق علیہ صوفیہ و فقہا و اتفاق ایں ہر دو فرقہ در فیض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اما فقہا در فیض روحانی غیر انبیاء اختلاف دارند و ایں امر محقق و مقرر است نزد اہل کشف و کمال از ایشاں تا آنکہ بسیارے را فیوض و فتوح از ارواح رسیدہ۔ بزرگاں چہ در حالت حیات ممات و چہ در حالت قرب و بعد چہ در حالت بیداری و نائم فیض می رسانند اولیاء بر سہ قسم است۔

۱۔ نسبت ظاہری دارند ہم چو اکثر صحابہ و اکثر مشائخ و صوفیہ۔

۲۔ نسبت باطنی دارند ہم چو حضرت بایزید بسطامیؒ و حضرت ابوالحسن خرقانی"

۳۔ جامع ہر دو نسبت ظاہری و باطنی اند، ہم چو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ و خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس اللہ ارواحھم و افاض علینا فیوضھم بحرمت سید المرسلین محمد و آلہ و صحبہ اجمعین علیہ و علیہم من الصلوٰۃ افضلھا و من التحیات اکملھا۔

ارواح سے فیض پہنچنے کا مسئلہ تو تحقیق شدہ اور مسلم ہے صوفیہ اور فقہاء دونوں بھی انبیائے کرام کی ارواح سے فیض پہنچنے کے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے۔

البتہ صحابۂ کرام اور اولیائے کرام کی ارواح سے فیض پہنچنے کے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

لیکن صوفیاء کے درمیان اختلاف نہیں ہے ۔ چنانچہ اہلِ تصوّف کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اولیاء اللہ کی ارواح سے فیوض و برکات کا سلسلہ جاری رہتا ہے ۔کیا زندگی اور کیا موت؟ کیا نزدیکی اور کیا دوری؟ کیا بیداری اور کیا نیند؟ تمام حالتوں میں وہ اپنا فیض پہنچاتے ہیں۔ اولیائے کرام کی تین قسمیں ہیں ۔
ایک نسبت ظاہری سے مشرف ہیں جیسے صحابہ اور اکثر صوفیا

دوسری قسم : نسبتِ باطنی سے مشرف ہیں جیسے حضرت بایزیدؒ اور حضرت ابوالحسن خرقانیؒ ۔

تیسری قسم : نسبتِ ظاہری اور نسبتِ باطنی دونوں سے مشرف ہیں ۔ جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور خواجہ بہاءالدین نقشبندی ۔

حضرت بایزید بسطامی کو حضرت امام جعفر صادقؓ سے بیعت کا شرف حاصل ہے اور ان کی یہ ارادت جسمانی اور ظاہری نہیں ہے ۔ بلکہ روحانی ہے ۔ امام جعفر صادق کی وفات کے عرصہ دراز کے بعد حضرت بایزید بسطامی پیدا ہوئے لیکن انہوں نے روحانی تعلیم و تربیت امام جعفر صادق سے حاصل کی۔ اسی طرح ابوالحسن خرقانی نے حضرت بایزید سے اکتساب علم کیا ۔ ان کی یہ ارادت بھی ظاہری نہیں بلکہ باطنی اور روحانی ہے ۔۔

حاصل کلام !

صحابہ کرامؓ اور اولیائے کرامؒ کی زندگی میں اور ان کی زندگی کے بعد ان کی ارواح سے جو بھی فیوض اور برکات کرامات و تصرفات اور کشف و الہامات اور خواب کے ذریعہ بشارات کی جو حکایات بیان ہوتی ہیں یہ سب اللہ تعالےٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے اور یہ حضرات اس کی قدرت کے مظاہر، وسائل اور ذرائع ہیں ۔ ان کی زندگیوں میں اور ان کی زندگیوں کے بعد بھی متصرفِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی اللہ تعالےٰ ہی ہے ۔ اگر اللہ ان حضرات کرام کے ذریعہ اپنے بندوں کی مدد فرمائے اور کوئی مشکل دور فرمادے تو اس میں حیرت و استعجاب کی کیا بات ہے ۔ اس طرح کے خرقِ عادات امور اور واقعات کی نفی و تردید کے لیے کوئی شرعی دلیل بھی نہیں ہے تو پھر ایسے حقائق کے انکار کے درپے ہوجانا یہ کوئی شریعت نہیں ہے ۔ یہ مسئلہ اہلِ علم کے درمیان تو افراط و تفریط اور کمی و زیادتی اور غلو و تعصب کا شکار نہیں ہے ۔ لیکن کوتاہ بین اشخاص کے ہاں یہ مسئلہ دو انتہا کی نذر ہوگیا ۔ چنانچہ کسی کے نزدیک قدرتِ خداوندی کے یہ مظاہر، ذرائع اور وسائل ہی مقصود بن گئے اور ذہنی طور پر وہی سارے عالم میں متصرفِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی بن گئے اور ہر نفع اور نقصان میں ان کی جانب میلان و رجحان اور توجہ ہونے لگی اور اس مسئلہ کی دوسری انتہا یہ رہی کہ ان حضرات کرام کے کرامات و تصرفات اور خرق عادات امور و واقعات کی نفی اور استہزا کا رنگ غالب آنے لگا ۔ اور ان کی ارواح سے امداد اور بارگاہ خداوندی میں ان کے توسل اور ان کی تعظیم اور تکریم کو کفر و شرک کا ہم معنی سمجھا جانے لگا اور ان کی جانب التفات کو بھی اللہ سے عدم التفات سمجھا جانے لگا ۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں منتہاے نظر توسط و اعتدال سے دُور ہیں۔ امت میں امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے تعلق سے بھی دو انتہا پسند نقطۂ نظر سامنے آئے۔ ایک فریق نے آپؓ کو الوہیت و خدائیت کے مقام پر فائز کیا تو دوسرے فریق نے تحقیر و تضلیل اور تکفیر کے ذریعہ آپؓ کو ایک پست ترین مقام پر لا کھڑا کیا، ظاہر ہے کہ آپؓ کی ذات والاصفات ان دو باتوں کی مستحق نہ تھی اسی طرح اولیائے کرام کی ذوات اور شخصیات بھی مذکورہ دو انتہا پسند باتوں کی مستحق نہیں۔ موجودہ زمانہ میں اولیاے کرام سے متعلق بھی ایسے ہی انتہا پسند نقطہائے نظر سامنے آرہے ہیں۔ ایک جانب غلو ہے اور دوسری جانب تعصب ہے۔ ایک طرف افراط ہے تو دوسری طرف تفریط ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے لیے اولیاے کرام کے بارے میں وہی موقف اور وہی عقیدہ و عمل مشعلِ راہ ہے جو کتاب و سنّت اور سلف صالحین کی تعبیرات کی روشنی میں سامنے آرہا ہے۔ ؎

خاصانِ خدا، خُدا نباشد　ولیکن زخُدا جُدا نباشد

کارِ پاکان را ز خود قیاس مگیر　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک غفور الرحیم۔ ❖

حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد

☆☆ حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص میری ایک سنت کو زندہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اُس کو 100 شہیدوں کا ثواب عطا فرمائے گا"۔

☆☆ شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اس کی بخشش ہو جاتی ہے تو سو شہیدوں کا انعام کتنا بڑا ہے۔ لہٰذا آپ بھی سنت رسول ﷺ پر عمل کر کے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کریں۔

پانی پینے کی چھ سنتیں

(۱) پانی بیٹھ کر پینا چاہیے۔
(۲) پانی دیکھ کر پینا چاہیے۔
(۳) پانی تین سانس میں پینا چاہیے۔
(۴) پانی کا گلاس سیدھے ہاتھ میں پکڑنا چاہیے۔
(۵) پانی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر پینا چاہیے۔
(۶) پانی پی کر "الحمدللہ" کہنا چاہیے۔

تو بھئی! کتنے آسان ہیں یہ آداب۔ اب آپ کو چاہیے کہ آج ہی سے ان آداب پر عمل کرنا شروع کریں۔

جواہر الحدیث

مولوی حافظ ابوالنعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی، ایچ ڈی؛

اسلام کی لغت اور اس کی اصطلاح کا ایک لفظ لعنت بھی ہے جس کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے دوری
اللعن ھو الطرد من رحمۃ اللہ۔

اللہ کی رحمت اور نصرت اور مغفرت سے دوری کا اولین مستحق شیطان ٹھہرا اور اس کا واحد سبب اللہ کی نافرمانی وسرکشی اور غرور وتکبر کا اظہار تھا جس کی وجہ سے وہ صبح قیامت تک کے لیے لعنتی قرار پایا۔ وان علیك اللعنۃ الی یوم الدین۔

لعنت کے مستحق افراد وہ بھی ہوں گے جو اللہ تعالےٰ کی توحید اور پیغمبر آخرالزماں کی رسالت کے منکر ہوں گے اور اسی انکار پر دم توڑ دیں گے۔ ایسے افراد کو قرآن کریم کی زبان میں کافر کہا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ہے:

ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئك علیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین
جو لوگ اپنے کفر ہی پر مر جائیں تو ان پر اللہ تعالےٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

اللہ تعالےٰ اور اس کے پیغمبر کی جانب سے پہنچنے والی ہدایت کو انسانوں تک پہنچانا ہر صاحبِ ایمان آدمی کا فرض ہے۔ اگر وہ اس ہدایت کو چھپا دیتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالےٰ کی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی نازل کی ہوی روشن تعلیمات اور ہدایات کو علمائے یہود نے لوگوں سے چھپا دیا جس کی وجہ سے ان پر اللہ کی لعنت اتری: ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینّٰہ للناس فی الکتب اولئك یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون ہ

جو لوگ ہماری نازل کردہ دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں دراں حالیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

اس آیت طیبہ سے واضح ہے کہ علم کو پوشیدہ رکھنے اور اس کو عام نہ کرنے پر بھی اللہ کی لعنت اترتی ہے۔ کتمانِ علم پر رحمت خداوندی سے دوری کا ایک مظہر یہ ہے کہ آگ کی لگام منہ میں دی جائے گی۔ جیسا کہ

حدیث میں ہے: من سئل عن العلم فکتمہ الجم یوم القیامۃ من نار۔ جس شخص سے کوئی بات پوچھی جائے جس کا اسے علم تھا اور اس نے چھپایا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔

سماج اور معاشرہ میں ابھرنے والی برائیوں اور معصیتوں کا انسداد نہ کرنے والوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی۔ اس لعنت کے کئی ایک اسباب اور وجوہ تھے۔ ان میں ایک وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور اللہ کی قائم کردہ حدوں سے تجاوز کر جاتے تھے اور ایک دوسرے کو برائی اور ظلم سے نہیں روکتے تھے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے: لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی ابن مریم ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون ہ کانوا لا یتناہون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون

قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے کردار کی روشنی میں امت مسلمہ کو تعلیم و تلقین کی ہے کہ یہ وہ اعمال ہیں جن کے مرتکب افراد اللہ کی رحمت اور خیر سے دور ہو گئے اور رحمت و خیر سے دوری ہی لعنت ہے۔ کہیں امت مسلمہ بھی اس روش پر گامزن نہ ہو جائے اسی لیے زبانِ نبوت نے ان الفاظ میں تاکید کی۔

ان اللہ لا یعذب العامۃ بعمل الخاصۃ حتی یروا المنکر بین ظہرانیہم وہم قادرون علی ان ینکروہ فلا ینکرونہ فاذا فعلوا ذلک عذب اللہ العامۃ والخاصۃ ہ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ مخصوص لوگوں کی بدکاریوں کی باعث عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا یہاں تک کہ جب عام لوگوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے درمیان برائیوں کو ہوتے دیکھتے ہیں اور ان برائیوں کی روک تھام کی قدرت رکھتے ہوئے بھی چشم پوشی کر لیتے ہیں۔ جب سماج میں ایسی فضا عام ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب عام اور خاص سارے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

انسان کے مذموم اور نقصان دہ اخلاق میں سب سے زیادہ ضرر رساں عادت کذب بیانی اور دروغ گوئی ہے۔ خواہ یہ جھوٹ قول و فعل کے ذریعہ ہو یا اشارات و کنایات کے ذریعہ جھوٹ کے نقصان اور فساد کا دائرہ دروغ گو کی شخصیت سے ہٹ کر دوسرے انسانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اسی لیے شریعت مطہرہ نے جھوٹ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خیر سے محروم قرار دیا: لعنت اللہ علی الکذبین۔

لعنت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب دو آدمیوں یا دو فریقوں کے درمیان کسی معاملہ کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف اور نزاع پیش آئے اور دلائل کی روشنی میں نزاع ختم ہونے کی صورت نظر نہ آئے تو دونوں اشخاص یا دونوں فریق اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے اس پر لعنت فرما۔ اس طرز عمل کو

مباھلہ کہا جاتا ہے۔

چناں چہ ۹ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آ پہنچا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور ان سے متعلق پھیلے ہوئے عقائد و خیالات پر بحث اور مناظرہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی روشنی میں عیسائیوں کے گمراہ کن عقائد و خیالات کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ لیکن انھوں نے ان دلائل کے مبنی بر حق ہونے کو تسلیم نہیں کیا اور مکابرہ (بحث کر کے کسی پر اپنی بزرگی ثابت کرنا۔ غلبہ کرنا) کی روش اختیار کی۔ آپؐ نے دیکھا کہ یہ نزاع و اختلاف دلائل سے ختم نہیں ہو رہا ہے تو آپؐ نے اپنے اہلِ بیت میں سے حضرت علی و فاطمہ اور حضرات حسنین کو بلا کر اپنے پہلو میں کھڑا کر لیا اور عیسائیوں سے کہا تم بھی اپنے اہل و عیال کو بلا لو اور پھر ہم دونوں مل کر جھوٹے پر لعنت کی بد دعا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افہام و تفہیم سے عیسائیوں کو اپنے جھوٹے اور غلط ہونے کا یقین ہو چکا تھا اس لیے وہ آگے بڑھ کر جھوٹے پر لعنت کی بد دعا کرنے سے پہلو تہی کیا اور سر تسلیم خم کیا۔

پاک دامن شریف مومن خاتون پر تہمت اور افتراء بھی ایک ایسی بد اخلاقی اور برائی ہے کہ افترا پرداز (ول) کو دنیا اور آخرت میں لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں سے سارا سماج نفرت کرتا ہے اور ان سے دوری اور بُعد کو پسند کرتا ہے اور شریعت مطہرہ بھی انھیں حد کے قابل قرار دیتی ہے: ان الذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت المؤمنٰت لعنوا فی الدنیا والاٰخرۃ ولھم عذاب عظیم ۝

جو لوگ پاک دامن شریف مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

لعنت کا تعلق بیوی پر بدکاری کی تہمت سے بھی جڑا ہوا ہے۔ چناں چہ جو شخص اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور اس کی ذات کے سوا کوئی چشم دید گواہ نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ اور اس کی بیوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا شوہر جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر (یعنی مجھ پر یعنی بیوی پر) اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو۔ اس نوع کے واقعہ کو فقہی زبان میں لعان کہا جاتا ہے۔ اس موضوع کی تفصیل سورۃ النور میں ملتی ہے۔ والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکٰذبین۔ والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصٰدقین ۝

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا و تکلیف پہنچانا بھی لعنت کا باعث ہے۔ سورۃ الاحزاب میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر علیہ السلام کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا ہے۔ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ

لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ وعدلہم عذابا مہیناہ

مفسرین کرام نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دینے کی صورت یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانا، اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا، اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنا، آفات و بلیات اور حوادث کے نزول پر اللہ تعالیٰ کو بُرا کہنا۔ ایک حدیث قدسی میں کہا گیا: لاتسبوا الدھر وانا الدھر: زمانہ کو گالی نہ دو۔ میں ہی زمانہ ہوں۔ یعنی دن ورات کی گردش میرے ہی حکم سے ہے۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی صورت یہ بیان کی ہے کہ آپ کی تکذیب کرنا، آپ کی ذات بے نظیر اور صفات بے مثیل میں صراحت یا کنایہ کے طور پر کوئی نقص اور عیب ظاہر کرنا، آپ کی شانِ اقدس میں تحقیر آمیز کلمات اور فقرات استعمال کرنا، آپ کی ازواجِ مطہراتؓ اور اہلِ بیتؓ حضرات صحابہؓ پر لعن و طعن اور تشنیع کرنا۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلعم نے یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ جس نے میرے صحابہ کو ایذاء دی اس نے اللہ مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔ ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ (ترمذی)

لعنت ایک ایسی بُری چیز ہے جس کی وجہ سے آدمی ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خیر سے دور ہوجاتا ہے۔ تو دوسری طرف لوگوں کی نفرت اور بد دعا کا شکار ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں رُخ آدمی کے لیے نقصان اور خسران کا موجب ہیں۔ اسی لیے شریعت مطہرہ نے مسلمان کو لعنت کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں مومن پر لعنت کرنے کو قتل کرنے کے مترادف قرار دیا: لعن المومن کقتلہ: لعنت کے باب میں ایک کافر کو بھی ملعون کہنے سے توقف اور احتیاط کرنے کا حکم دیا۔ کیا پتہ کہ اس کافر کا انجام ایمان اور سعادت پر ہو۔ لیکن کسی شخص کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ اس کا خاتمہ کفر اور شقاوت ہی پر ہوا ہے تو اس کے ملعون ہونے اور اس پر لعنت کے مسئلہ میں دو رائے نہیں ہے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ "تکمیل الایمان" میں فرماتے ہیں:

"عادت اہل سنّت وجماعت ترک سب ولعن است کہ المومن لیس بلعّان' لعنت بر خصوص شخصے اگرچہ کافر بود جائز ندارد۔ چہ دانی کہ عاقبت کار او با یمان وسعادت بود، مگر آن کہ بہ یقین معلوم شد کہ موت وے بر کفر وشقاوت است"

کسی شخص پر لعنت کے مسئلہ میں احتیاط و توقف اور سکوت کا واحد سبب یہ ہے کہ جس شخص پر لعنت کی جائے۔ اگر وہ واقعی لعنت کا مستحق نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ لعنت خود لعنت کرنے والے کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس مسئلہ کی وضاحت ملتی ہے:

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان العبد

اذا لعن شیئًا صعدت اللعنۃ الی السماء فتغلق ابواب السماء دونہا ثم تہبط الی الارض فتغلق ابوابہا دونہا. ثم تاخذ یمینًا و شمالًا فاذا لم تجد مکانًا رجعت الی الذی لُعن. فان کان اہلًا لذلک. والا رجعت الی قائلہا (رواہ ابوداؤد)

امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا. بندہ جب کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اس پر آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف پلٹ جاتی ہے تو اس پر زمین کے دروازے بھی بند کر دیے جاتے ہیں۔ یعنی آسمان و زمین قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ پھر وہ دائیں اور بائیں جانب رُخ کرتی ہے۔ جب اسے کہیں بھی راستہ نہیں ملتا تو اس شخص کی جانب رُخ کرتی ہے جس پر لعنت کی گئی۔ اگر وہ واقعی لعنت کا مستحق ہو اور اگر وہ واقعی لعنت کا مستحق نہیں ہو تو خود لعنت کرنے والے شخص کی جانب پلٹتی ہے۔

عن ابن عباس ان رجلا نازعتہ الریح رداءہ فلعنہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تلعنہا فانہا مامورۃ وانہ من لعن شیئًا لیس لہ باہل رجعت اللعنۃ علیہ. (رواہ الترمذی)

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہوا سے ایک شخص کی چادر اُڑ گئی تو اس نے ہوا پر لعنت بھیجی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہا اس پر لعنت نہ کرو۔ وہ تو اللہ کی جانب سے مامور ہے اور یہ بات یاد رکھو جو آدمی کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے، جس کی وہ مستحق نہیں ہے تو یہ لعنت خود لعنت کرنے والے کی طرف پلٹ جاتی ہے۔

لعنت کے موضوع پر درج ذیل احادیث کا مطالعہ بہت ہی مفید اور عبرت خیز ہے جن میں قابلِ لعنت امور اور اشغال کی صراحت اور وضاحت ہے اور لعنت سے اجتناب کی تاکید ہے:

- لعن اللہ الخمر وشاربہا وساقیہا وبائعہا ومبتاعہا وعاصرہا ومعتصرہا وحاملہا وعاملہا والمحمولۃ الیہ۔ اللہ نے لعنت کی ہے شراب پر، اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے فروخت کرنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے بنانے والے پر اور اس کو تیار کروانے والے پر، اس کو ڈھو کر لے جانے والے پر اور اس کے منگوانے والے پر۔
- لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ: اللہ نے واصلۃ (وہ عورت جو اپنے بالوں کو آدمی کے بالوں کے ساتھ ملا کر چوٹی بنا لیتی ہے اور مستوصلۃ (وہ عورت جو اپنے بالوں کی درازی دوسروں کے بالوں کے ساتھ چاہتی ہے) پر لعنت بھیجی ہے۔ بالوں کا دوسروں کے بالوں سے ملا کر چوٹی بنا لینا گناہِ کبیرہ ہے اور اس طرح کرنے والی لعنت کی مستحق ہے۔

- لعن اللہ اٰکل الربا وموکلہ والواشمۃ والمستوشمۃ والمصور۔
سود کھانے والے پر اللہ کی لعنت ہے اور کھلانے والے پر لعنت ہے اور ان عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اپنے جسم کو گودنے والی ہیں اور گدوانے والی ہیں اور تصویر بنانے والوں پر لعنت ہے۔
- لعن اللہ السارق: اللہ نے چور پر لعنت بھیجی ہے۔
- لعن اللہ المصورین: اللہ نے لعنت بھیجی ہے تصویر بنانے والوں پر۔
- لعن اللہ من لعن والدیہ: اللہ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو اپنے والدین پر لعنت کرے۔ (کوئی شخص اپنے والدین پر براہ راست لعنت نہیں بھیجتا لیکن وہ دوسروں کے والدین پر لعنت کرے تو وہ بھی اس کے والدین پر لعنت کریں گے۔)
- لعن اللہ الیہود واتخذوا قبور انبیائھم مساجد: اللہ نے یہودیوں پر لعنت بھیجی ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔
- لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ: جس کسی نے بھی غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا اللہ نے لعنت بھیجی۔
- انہ لعن المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال:
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن مردوں پر لعنت بھیجی جو عورتوں کی طرح اپنی شکل وصورت بنالیتے ہیں اور اُن عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو مردوں کی شکل وصورت اور چال ڈھال اختیار کرتے ہیں۔ یعنی عورتوں کا مردانہ پن اور مردوں کا زنانہ پن۔ قابل لعنت ہے۔
- لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الرجل یلبس لبسۃ المرأۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت بھیجی ہے جو زنانہ لباس پہن لے اور اس عورت پر لعنت کی جو مردانہ لباس پہن لے۔
- ملعون من عمل عمل قوم لوط: جو شخص قوم لوط کا عمل اختیار کرے وہ لعنتی ہے۔ (یعنی عورت کی بجائے مرد سے جنسی تسکین حاصل کرنا۔)

سُود اور اس سے متعلق امور سے جڑے ہوے سارے لوگ لعنت کی زد میں ہیں۔ چنان چہ سودی معاملات میں گواہی دینے والا سودی حساب وکتاب لکھنے والا۔
- عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان امرأۃ تلبس النعل فالت لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الرجلۃ من النساء۔ (رواہ ابوداؤد)

امام ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے کہا کہ ایک عورت مردانہ طرز

کے جوتے استعمال کرتی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت بھیجی ہے۔ جو مردوں کی وضع قطع اور طور طریقے اپنا لیتی ہے۔

- لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ۔

امام بخاری کی روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو گودنے والی اور گودوانے والی ہیں اور حُسن وکشش کے لیے اپنی ابرو اور بھوؤں کو باریک کرنے والی ہیں۔ اور اپنے دانتوں کے درمیان کشادگی اور آراستگی کرنے والی ہیں۔ یہ عورتیں اللہ تعالےٰ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں۔

اس حدیث سے ایک بات یہ واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے انسان کو جس شکل وصورت میں پیدا کیا ہے اس کی خلقت میں حُسن وجمال وغیرہ کی نیت سے کسی قسم کی تبدیلی اور کمی وزیادتی درست نہیں ہے البتہ طبّی ضرورت کے پیش نظر سرجری اور دیگر جدید طریقوں کے ذریعہ جسم میں پائے جانے والے نقص وعیب کے ازالہ کی گنجائش ہے۔

مشکوٰۃ کی ایک حدیث ہے جس میں نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چھ۶ اشخاص پر لعنت کی:

۱۔ قرآن کریم میں تحریف کرنے اور اس میں زیادتی کرنے والا۔

۲۔ ایسا شخص جو ظلم وجور سے حکومت حاصل کرے اور اس آدمی کو عزت دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا ہو اور اس آدمی کو ذلیل کرے جسے اللہ نے عزت دی ہو۔

۳۔ اللہ تعالےٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔

۴۔ اللہ تعالےٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، ان کو حلال سمجھنے والا۔

۵۔ میری اولاد میں جو محرمات کو حلال کرنے والا۔

۶۔ میری سنّت کو جان بوجھ کر ترک کرنے والا۔

حاصل کلام!

لعنت ایک ناپسندیدہ اور غیر مستحسن فعل ہے۔ جس کے بُرے اثرات سماج اور معاشرہ پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے اور لوگوں کے درمیان نفرت وعداوت اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی:

- لا تلاعنوا بلعنۃ اللہ : (رواہ الترمذی) آپس میں ایک دوسرے پر لعنت نہ کرو۔

نیز فرمایا:

- عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی۔ رواہ الترمذی۔
بدگو اور لعن و طعن کرنے والا مومن نہیں۔
- عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایکون اللعانون شفعاء ولا شہداء فی القیامۃ۔ رواہ مسلم۔
حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعنت کرنے والوں کی شہادت قبول نہ ہوگی اور قیامت میں ان کی شفاعت نہ ہوگی۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ ایک مسلمان کو ایسے برے اعمال و افعال سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جن کے ارتکاب کے باعث وہ اللہ کی رحمت اور خیر سے دور ہو جاتا ہے اور لوگوں کی محبت و الفت اور عزت وجاہت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جو بُعد واقع ہوا ہے اس کو توبہ کے ذریعہ قرب میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی توبہ اور بعض اعمال صالحہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ بندہ کی خطاؤں اور گناہوں پر قلم عفو پھیر دیتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ایک جامع دعا

اَللّٰھُمَّ یَارَجَآئِیْ یَامُنَآئِیْ یَاغِیَاثِیْ یَامُرَادِیْ یَامُعَافِیْ یَاشِفَآئِیْ یَاکَمَآئِیْ کَفِیُّ یُحْیِیْ یَاغَفُوْرُ یَاغَفُوْرُ یَاغَفُوْرُ اِغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یَااَللّٰہُ یَااَللّٰہُ یَااَللّٰہُ یَاغَفُوْرُ یَاغَفُوْرُ یَاغَفُوْرُ یَارَحْمٰنُ یَارَحْمٰنُ یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ یَارَحِیْمُ یَارَحِیْمُ یَاکَرِیْمُ یَاکَرِیْمُ یَا[illegible] وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔



ادارہ

ذیل کا فتویٰ حضرت سید شاہ عبد اللطیف مکی علیہ الرحمہ (المتوفی سـ ہجری) کے حیات میں صادر ہوا۔ جس میں متبنیٰ فرزند کی وراثت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ وراثت اور ترکہ کے ضمن میں ہبہ اور وصیت کی شرعی حیثیت بھی واضح کی گئی ہے موجودہ زمانہ میں اس نوع کے مسائل عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں۔ لہذا یہ فتویٰ بہت ہی مفید اور نافع ہے۔ فتویٰ کی صحت و درستگی میں جن حضرات نے دستخط ثبت کئے ہیں ان میں ایک معروف عالم دین اور محقق و مصنف حضرت مولانا احمد کویا شالیاتی ملیباری بھی ہیں جنھوں نے کیرالا میں سمتِ قبلہ کی عدم صحت کے فتنہ پر اپنی تحقیقی کتاب لکھ کر ایک عظیم دینی خدمت انجام دی۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی عفرلہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید اپنے ایک بھتیجے کو متبنیٰ کر لیا اور اس کو اپنا ایک گھر اور آدھی کانی زمین اس شرط پر ہبہ کیا کہ اپنے انتقال کے بعد وہ بھتیجا اس پر متصرف ہووے۔ زید کے حین حیات تک وہ گھر اور زمین زید کے ہی تصرف میں رہی۔ بعدہٗ زید کا انتقال ہو گیا۔ سوائے اس کے اور آدھی کانی زمین اپنے نواسوں کے لیے وصیت کرتا رہا۔ اس پر گواہ بھی موجود ہیں۔ اب زید کے وارثوں میں ایک حقیقی بہن اور پانچ بھتیجے اور تین بھتیجیاں ہیں۔ پس ان املاک کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ صدق بیان مستفتی زید اپنے بھتیجے کو متبنیٰ کر لینے سے اس بھتیجے کو میراث میں کوئی خصوصیت شرعاً ثابت نہیں ہو سکتی۔ وہ بھتیجا بھی بابت وراثت میں مثل دوسرے بھتیجوں کے سمجھا جائے گا۔ زید نے جس ملک کو اس متبنیٰ بھتیجے کے نام پر بعد موت قبضہ کر لینے کے شرط پر ہبہ کیا ہے۔ یہ ہبہ نہیں ہو سکتا۔ صرف وصیت ہو گی۔ عالمگیریہ میں ہے: الایصاء فی الشرع تملیک مضاف الی ما بعد الموت۔ علاوہ بریں ہبہ میں

فتوےٰ ۲

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص شمار سات برس سے مفقود الخبر ہے۔ بیچاری اس کی عورت نان ونفقہ کو بالکل تصدیع پاتی ہے اور دوسرے کسی سے نکاح ہوجانے کی خواہش بھی رکھتی ہے تو اب اس کی کیوں کر صورت ہے اور دوسرے سے نکاح جائز ہے یا نہ ۔ بینوا توجروا۔

ھوالمصوب

حامداً مصلیاً ومسلماً

اس مسئلہ میں آئمہ رحمہم اللہ تعالےٰ کا اختلاف ہے۔ چوں کہ ضرورت کی وجہ سے علمائے احناف مذہب امام شافعیؒ و مالکیؒ پر عمل جائز رکھے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شافعی قاضی یا حنفی قاضی نیابةً عن شافعی کے نزدیک یہ واقعہ پیش کیا جاے اور قاضی اس مفقود اور اس کے درمیان تفریق کردیوے اس حکم کے بعد وہ عورت موت کی عدت یعنے چار ماہ دس روز پوری کرے اس وقت دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہوگا: وقال مالک والشافعی فی قول اذا مضے اربع سنین یفرق القاضی بینھما ان طلبت ثم تعتد عدۃ الوفاۃ فلھا التزوج بزوج آخر الخ واللہ اعلم بالصواب۔

ھذا الجواب صحیح

مہر محی الدین سید عبداللطیف قادری

محی الدین سید عبداللطیف قادری

الجواب صحیح

(دستخط) محمد محی الدین عفی عنہ

محررہ

العبد الآثم ابو المکارم سید محمد مجید الدین عفا عنہ المتین السمبری

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۲ ہجری

واھب کے زندگی ہی میں موہوب لہ کو مالک اور قابض بنادینا شرط ہے۔ ھدایہ میں ہے: وتصح بالایجاب والقبول والقبض۔ اور عالمگیریہ میں ہے اذامات الواھب قبل التسلیم بطلت۔ چوں کہ وہ بھتیجا خود زید کے وارثوں میں ہے اور وارث کو وصیت جائز نہیں ہے۔ اس لیے وہ وصیت بھی جاری نہیں ہوسکتی۔ پس وہ ملک زید کا ترکہ ہوگی۔ اور کُل وارثوں پر تقسیم ہوگی۔ اور جس زمین میں نواسوں کے لیے وصیت کرتا رہا ہے۔ اگر موافق شرع اس وصیت کا ثبوت ہو اور زید کے کل ترکہ سے بعد خرچ کفن و دفن و ادارِ دین باقی ترکہ کے تیسرے حصہ میں وہ زمین نکل سکتی ہو تو وہ زمین موافق وصیت نواسوں ہی کو پہنچے گی۔ اگر تیسرے حصہ میں وہ زمین نہ نکل سکتی تو جتنی زمین نکلے گی اُتنی ہی نواسوں کو دی جائے گی۔ اگر وصیت موافق شرع ثابت نہ ہوگی تو یہ آدھی کانی بھی زید کے ترکہ میں داخل کی جائے گی۔ پس زید کے ترکہ سے اول خرچِ کفن و دفن بلا کمی و زیادتی نکالا جاوے بعدہٗ اگر زید پر کچھ قرض ہو تو ادا کیا جاوے بعدہٗ وصیت بتقدیرِ ثبوت موافق تفصیل سابق جاری کی جاوے۔ بعدہٗ باقی ترکہ کے دس۱۰ حصہ کرکے زید کے حقیقی بہن کو پانچ (۵) حصہ اور ہر ایک بھتیجے کو ایک ایک حصہ دلویں۔ بھتیجیاں محرومہ ہیں۔ ان کو کچھ نہیں۔ کذا فی کتب الفقہ والفرائض: واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبدالقادر کلور عفی عنہٗ

ہذا الجواب صحیح
مہر
۲۵ھ
محی الدین سید
عبداللطیف قادر
(دستخط) محی الدین سید عبداللطیف قادری
عفا اللہ عنہٗ

الجواب صواب
دستخط
محمد محی الدین عفی عنہٗ
اصاب من اجاب
احمد کویہ عفی عنہٗ (دستخط)

الجواب صحیح
(دستخط) عبدالصمد عفی عنہٗ

قطعہ — ڈاکٹر سیّد وحید اشرف

صدقے میں بچھی جن کے بساطِ کونین
وابستہ انہیں سے ہے امیدِ دارین
کب آتشِ دوزخ سے رہائی ملتی
ہوتے نہ شفیع گر رسولُ الثقلین

مکتوبات

حضرت قطب ویلور

حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ نے اپنے خلفاء، مریدین اور سائلین کے نام عربی، فارسی اور اردو میں مکتوبات تحریر کئے ہیں۔ جن کے اندر مختلف و متعدد علمی و فقہی مباحث موجود ہیں۔ ذیل کا مکتوب سوداگر خدا بخش ساکن سرونچہ، ضلع اپر گوداوری کے نام ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۶ھ کو روانہ کیا تھا۔ اس مکتوب میں ائمۂ اربعہ کی پیروی اور ان کے مذاہب کی صحت و صواب اور خطا میں بھی اجر و ثواب اور ان کے اختلافات میں حق کی شمولیت ہ مسئلہ نذر اور تشہد میں انگلی اٹھانے کے مسئلہ پر مختصر اور جامع تشریح ملتی ہے۔ یہ مکتوب آج کے حالات میں بہت ہی مفید اور نافع ہے۔

اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ کتاب و سنت سے احکام اور مسائل کا استخراج کرنا اصحابِ علم کا کام ہے اور اس کام کو انجام دینے کے لیے کئی ایک شرائط اور قیود ہیں جن کی تفصیل کتبِ اصول میں مذکور ہے۔ جن افراد میں اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت اور استعداد نہ ہو تو انھیں ائمۂ اربعہ کی تقلید کرنی چاہیے۔ موجودہ زمانے میں جو لوگ ائمہ کی تقلید کا انکار کررہے ہیں وہ بھی کسی عالم سے شرعی احکام اور مسائل دریافت کرتے ہیں۔ پھر اس عالم کی تشریحات پر عمل کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل اور طریقہ خود اپنی جگہ تقلید ہے۔ اس سے تو بہتر ہوگا کہ خیر القرون کے ان ائمہ اربعہ کی تشریحات پر اعتماد کیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

آج فتنوں کے زمانے میں عوام الناس بھی قرآن و حدیث سے مسائل استخراج کرنے لگ جائیں تو اور ہر کوئی اپنی اپنی بے اصل رائے کی اشاعت کرنے لگ جائے تو ہزاروں مسالک اور مذاہب پیدا ہو جائیں گے اور دین میں ایک ایسا عالمگیر اور ہمہ گیر فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا جس کے بعد اس کو بند کرنے کی سعی و تدبیر اور ہمت و عزیمت کا نام و نشان نہ ہوگا۔ اسی لیے ہر دور کے علماء و فضلاء نے شرعی احکام پر عمل کرنے کے لیے ائمۂ اربعہ کی پیروی کو ضروری قرار دیا۔ اور ان چار مذاہب کی تقلید کو حصر کے دائرے میں رکھا۔ اس تعلیم و تلقین کا اثر یہ ہوا کہ یہ چاروں مذہب ساری دنیا کے ملکوں کے اندر پھیل گئے اور چاروں مذہب کی پیروی کرنے والوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی بشارت حاصل ہوگئی

علیکم بالسواد الاعظم: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد سے بھی سند صحت اور توثیق فراہم ہوگئی۔ تمہارے اوپر لازم ہے کہ سواد اعظم کی پیروی کریں: ؎

ہست سنّت رہ جماعت چوں رفیق
بے رہ و بے یار اُفتی در مضیق!

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی
استاذ دار العلوم لطیفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد اعزہی خدا بخش صاحب کو معلوم ہو کہ آپ کا ۲۰ ذی الحجۃ ۱۲۸۵ھ کا لکھا ہوا مکتوب پہنچا۔ دینی مسائل دریافت کیا ہے۔ اس سے دل بہت خوش ہوا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت مطہرہ آپ کے دل میں قرار پکڑے ہوئے ہے۔ برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔ اور فتوٰی ملفوفہ بھی فقیر ہی کا لکھا ہوا ہے، جو ۱۲۶۸ھ میں لکھا تھا۔ لیکن وہ فتوٰی ناقص رہنے کی وجہ سے دوسرا مکمل فتوٰی ملفوف کیا ہوں اس سے اسناد کے ساتھ مفصل حالتیں معلوم ہوں گی۔ سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ ہمارا دین دینِ محمّدی ہے۔ موسوی و عیسوی وغیرہ نہیں ہے۔ پھر اس دین میں تہتر فرقے ہیں۔ ہمارا فرقہ سنّت و جماعت کا ہے۔ خارجیہ، رافضیہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، مرجیہ، ظاہریہ، باطنیہ وغیرہ کا نہیں ہے۔ پھر یہ فرقہ سنت جماعت کے اندر چار مجتہد مستقل مجتہد سے چار مذہب رائج ہیں اور مشہور ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ ان چاروں مذہب میں حق دائر ہے اور بے خطر ہے اور ان کے اختلاف میں رحمت ہے۔ جیساکہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ علماء کا اختلاف رحمت ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جزیل المواہب میں فرماتے ہیں: جان لو کہ اس ملّت کے اندر مذاہب کا اختلاف بہت بڑی نعمت اور فضیلت ہے۔ اور اس میں لطیف بھید ہے جس کو علماء جانتے ہیں اور جہلا اس سے اندھے ہیں۔ یہاں تک کہ میں نے سُنا بعض جہلا کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہ ایک شریعت لائے تو پھر یہ چار مذاہب کہاں سے پیدا ہوگئے۔ پھر ان چاروں مذاہب میں یا تو لوگ مجتہد فی المذہب ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد، امام طحاوی، کرخی، سرخسی، بزودی، قاضی خان، رازی، ابوالحسن، قدوری اور صاحب ہدایہ برہان مرغینانی وغیرہ ہیں یا مقلد ہیں یعنی مجتہدوں کی پیروی کرنے والے ہیں۔ جیسے ہم حنفیہ وغیرہ۔ پھر یہ چاروں مذہب مکہ، مدینہ، عرب، عجم، روم، شام، مصر، مغرب، ایران، توران، ہند، سندھ سواد اعظم میں جہاں کے مشہور ہیں اور چاروں مذہب کی پیروی کرنے والے سیدھی راہ پر ہیں جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

علیکم بالسواد الاعظم تمہارے اوپر سوادِ اعظم لازم ہے۔ پھر جو احکام مجتہدوں نے استنباط کئے ہیں المجتهد یخطی و یصیب کے حکم سے (مجتہد غلطی و صحیح کرتا ہے) صواب و خطا کے درمیاں متردد ہیں لیکن وہ مجتہد جس نے صحیح اجتہاد کیا اس کے لیے دو اجر ہے اور جس نے غلطی کی اس کے لیے ایک اجر ہے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مصیب کے لیے دو اجر اور مخطی کے لیے ایک اجر ہے۔ ایسا ہی توضیح وغیرہ اصول کی کتابوں میں ہے۔ اور امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ جلد ثالث کے بائیسویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ مجتہد کے اوپر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ غلطی میں بھی اس کو ثواب کا ایک درجہ حاصل ہے اس کی تقلید اگرچہ خطا کرتا ہے نجات کا سبب ہے۔ انتہی۔ اعتراض مقلد یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے مسائل کا نکالنا اور اجتہاد کرنا مجتہدوں کا کام ہے مقلدوں کا نہیں۔ مقلد اگر اپنے مجتہد کے خلاف قرآن اور حدیث سے کوئی مسئلہ نکالے اور اجتہاد کرے تو قطع نظر خطا سے اس کو صواب میں بھی کوئی ثواب نہیں ہے۔ اور اس مقلد کی پیروی کرنے والے کو نجات نہیں ہے اور وہ مقلد اور اس کا پیروی کرنے والا دونوں عاصی ہیں جیسا کہ کسی کام کا حکم دینا عہدیداروں کا کام ہے۔ سپاہیوں کا نہیں اگر کوئی سپاہی اپنے عہدیدار کے حکم کے خلاف کچھ کرے یا دوسرا سپاہی اس کی پیروی کرے وہ سپاہی اور اس کا پیرو دونوں مجرم ہوں گے۔ اب آپ کے سوال کا جواب لکھتا ہوں۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ:

مخلوق کی نذر چاروں اماموں کے نزدیک جائز ہے یا نہیں

جواب اس کا یہ ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں۔ ایک ایجاب العبادت، دوسرا ھدیہ۔ غیاث اللغات میں ہے: نذر بفتح نون اور سکون بذال معجمہ عہد کرنا اور کسی چیز کا اپنے اوپر واجب کر لینا۔ مثلاً روزہ اور اللہ تعالےٰ کے لیے صدقہ اور بزرگانِ دین کا فاتحہ دینا اور جو کچھ اُمراء و سلاطین سے ملاقات کے وقت نقد و جنس پیش کرتے ہیں۔ اگر نذر بمعنی ایجاب العبادت ہے بلا اجماع یہ نذر مخلوق کو حرام ہے۔ خواہ مخلوق زندہ ہو یا مردہ، اور نذر نقد ہو یا کھانے پینے کی جنس ہو۔ اس لیے کہ یہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لیے عبادت نہیں۔ فتاویٰ خیریہ والے فرماتے ہیں کہ مخلوق کی نذر کی حرمت پر اجماع ہے۔ اور اگر نذر سے مراد ہدیہ ہو تو مخلوق کو دینا جائز ہے۔ چناں چہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی اپنے بعض مکتوب میں لکھتے ہیں کہ نذر شمارسید، تمہاری نذر پہنچی اور صراط مستقیم باب دوم میں مولوی اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں کہ درخوبی نذر و نیاز اموات شکی نیست۔ یعنی اموات کی نذر و نیاز کی خوبی میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اور یہ مریدین پیروں کو اور خدام امیروں کو جو نذر دیتے ہیں اس سے مراد ہدیہ ہے نہ عبادت۔

پھر آپ نے سوال کیا کہ:

حنفی بموجب ابو حمید ساعدی کی حدیث کے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حنفی مجتہد ہے تو حدیث پر عمل کر سکتا ہے اور مقلد ہے تو اس پر اپنے امام کی تقلید واجب

ہے۔ ایسا ہی کتب اصول میں واقع ہے اور امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ جلد اول کے مکتوب دوسو چھیاسی[۲۸۶] میں فرماتے ہیں۔ کہ مقلد کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اپنے مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنّت سے احکام نکالے اور اس پر عمل کرے۔ اور "مقدمہ ایضاح" کے فصل اول میں مسئلہ استنباط احکام کے بارے میں ہے کہ: "شرط ثانی آن کہ قائس از مجتہدین باشد نہ از مقلدین" انتہیٰ۔ یعنی دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس کرنے والا مجتہدین سے ہو مقلدین سے نہیں۔ اس صورت میں حنفی مقلد کو مجتہدین حنفیہ کی تقلید کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ابو حمید ساعدی جس کی عبارت یہ ہے: رَاَیْتُہٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حِذَاءَ مَنْکِبَیْہِ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپؐ تکبیر احرام کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھے کے مقابل اٹھاتے تھے۔ اور شافعی کا مذہب ہے۔ اور ہمارے نزدیک دونوں کانوں کی لو تک رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے اور بعض روایتوں میں کانوں کے اوپر تک آیا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے متوسط کو اختیار کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایتوں کی اس طرح تطبیق دی ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل اور انگوٹھا کان کے برابر اور دوسری انگلیاں کان کے اوپر ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ مختلف اوقات میں ان میں سے ہر ایک ظاہر ہوا ہو۔ واللہ اعلم: انتہیٰ پھر آپ نے سوال کیا ہے کہ:

تشہد میں انگلی اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ انگلی اٹھانے کے بارے میں اٹھائیس[۲۸] صحیح حدیثیں آئی ہیں مگر صحیح بخاری میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ امام الائمہ امام اعظم اور صاحبین اور مالکیہ حنبلیہ سب کے سب اٹھانے کی جانب گئے ہیں اور علمائے ماوراء النہر اس کے خلاف گئے ہیں۔ غرض یہ کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور فتویٰ بھی مختلف ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل "فصل الخطاب" میں وضاحت سے لکھا ہوں۔ یہ کتاب عنقریب چھپنے والی ہے۔ پس آدمی انگلی اٹھانے میں مختار ہے۔ جھگڑے سے کوئی نتیجہ نہیں۔

فقیر ایک کم اسّی[۷۹] کو پہونچ چکا ہے اور لبِ گور بیٹھا ہے۔ پھر ایک انار صد بیمار، ایک سر ہزار سودا کا حکم رکھتا ہے۔ مسائل کی تحقیق کرنے کی فرصت بہت کم ملتی ہے۔ دل میں بہت سی باتیں ہیں۔ قلم اس کی ترجمانی سے قاصر ہے۔ ؎

عمر گذر گئی اور میرے عشق کی باتیں آخر نہیں ہوئیں رات آخر ہو گئی۔

اب میں افسانہ مختصر کر رہا ہوں میرے تئیں تم دوستوں سے فراموش نہ سمجھنا۔ المرء من احب، متفق علیہ حدیث ہے یعنی انسان اس کے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی ہے۔ اللہ تعالے تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ سنّت وجماعت کے مذہب حقہ پر قائم رہیں اور زیادتی کی اور رنگینی دنیا کے فریب سے محفوظ رہیں۔ اور کچھ ہوا اپنی محبت وجمعیت باقیہ کی مشام میں لائیں۔ اور موت کی یاد اور احوالِ آخرت پیش نظر رکھیں اصل کام یہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔ ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۶ھ

جواھر السلوک

قدوۃ السالکین حضرت مولانا مولوی شاہ محی الدین سید عبداللطیف المعروف بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

مترجم

حضرت مولانا سید احمد محی الدین قادری الحافظی ۔حیدرآبادی

فائدہ نمبر ۲۷

حضرت قطب ویلورؒ کی فارسی تصنیف ”جواھر السلوک“ جو علم تصوف کے
کے دقیق معارف وحقائق پر مشتمل ہے ۔ فاضل مترجم نے بڑی خوبی اور سلیقہ کے ساتھ
عام فہم انداز میں مسائل کی تشریح اور توضیح ہے ۔
یہ مضمون ۲۷ فائدہ کا بقیہ حصّہ ہے ۔

مسئلہ وحدت الوجود

اور پھر بیان وحدت الوجود سے متعلق اور اسی تعلق سے مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی جنہوں نے خود اپنے فتوی میں فرمایا وحدت الوجود حق اور پھر اسی کی مطابقت میں موجود ہونا ہے اسی طرح کے عقل اور نقل کے دلائل ان ہی اعتبارات میں قائم ہیں ۔چناں چہ رسالۂ اول التوحید شیخ علی مہائمی گجراتی مشرقی اس تعلق سے اتفاق فرمائے ہیں۔ اس عالم سے متعلق ’ہے پن‘ کا اظہار فرمائے ہیں اور یہ بالکل احدیت ہے ۔اس کی مراد اس کا ’عین پن‘ وجود نہیں بلکہ عالم بوجہ عین اور بوجہ غیر ہے ۔چناں چہ یہ معاملات ایک فردی ہے ۔ انسان کی نوعیت بوجہ حقیقت عینِ نوع ہے اور بوجہ تعین غیر۔ جیساکہ مولانا ولی اللہ دہلوی رسالۂ ”الطاف اقدس“ میں تحریر فرمائے ہیں کہ ظہورِ نسبتی ہے ظاہر اور

منظہر کے درمیان جو حکم لگایا گیا ہے ان تمام پر غیر حکم وارد ہوتا ہے جو ایک نسبت ہے۔ اس لیے کہ ظاہر کا مظہر ان تمام اکٹھا کیے جانے والے معاملات سے نہیں ہے بلکہ عالم بوجہ عین اور بوجہ غیر ہے اور اس کا غیر بزمائہ اعتبار ہے۔ اگر انسان کی نوعیت افراد انسان اور اس نوعیت میں اگر انفرادیت کا موقف ہوتا تو ان وجوہات کے اعتبار سے اس میں اور دوسرے کا دخل ہوتا۔ چناں چہ انواع کے اعتبار سے محمول ہوتا اور اگر غیر ان اعتبارات میں محل ہوتا تو انسان اپنے ہیئت اعتبار میں صحیح نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس تعلق سے یہ صحیح نہیں ہے۔ انسان کی نوع تخلیق حیوان اور حیوان و شجر نہیں ہے اور نہ ہی اس نام سے کوئی جمود ہی واقع ہو سکتا ہے۔ جسم اور جسم کا اکیلا یا مجرد ہونا اور جوہر کے برابر جوہر و استحقاق کا موقف نہیں ہے۔ عام وجود پہ ہمیشہ ہے پن رہتا ہے۔ پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ انسان کا وجود مصداق تحمل ہے اور اس میں تغائر یعنی ایک ہی حال میں قائم ہونا نہیں ہوتا اور اسی صورت میں حکمِ الٰہی سے ہر دو اپنے میں غیریت کا شائبہ پاتے ہیں۔ بعض لزومات جو عینیتِ باقیہ ہیں۔ وہ بالکل اس طور پر نامکمل ہیں اور اسی نقص پر عقیدہ کئے ہوئے ہیں اور بعض تو اس کیفیت کو وجود سے بالکل بے تعلق قرار دیے ہیں۔ ان تمام وجوہات کی بناء پر بعض غیریت لزوم غیریت کا شاخسانہ ہیں۔

”عقلِ سلیم کے بموجب یہ نسبتی ہے۔ غیر نسبت میں عینیت اور غیریت جو بھی خصوصیات سے مزیّن ہیں یہ موجودات کبھی کے ختم ہو گئے اور صاحبِ وجود اس غبارِ خاطر سے پاک نبرہ اور منزّہ ہے۔ چناں چہ بشریت کی سرشت کے سبب اور پھر انسانی ڈھانچہ اور زبان میں لکنت یہ انسانی نوعیت سے مغائر ہے۔ اس میں اس کو کوئی مدد نہیں ہے۔ ہر چند یہ چیزیں قائم اور موجود ہیں۔ لیکن پھر بھی انسان انسان ہی ہے اور جیسی بھی اطلاق کی روش جو مرتبۂ الحاق ہے وہ بالکل ہو کر رہتی ہے۔ لیکن نسبت کی خصوصیت کے سبب ایسا عمل درپیش نہیں ہوتا۔ چناں چہ اس نوعیت کا ہونا ایک کُلیّتہً معاملہ ہے اور اس پر اطلاق ہے اور اب آدمی بے نسبت رہتا ہے اور ہر طرح سے مطلق ایک نفسیاتی حربہ ہے اور اس نوعیت میں مختلف خصوصیات کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اور اس میں تنوع رہتا ہے۔ یہ ایک دستاویز ہے ایسے امور جن کا حکم اشیاء یعنی موجودات سے متعلق ہے ان کا تعارف اجتماعِ ضدین ہے۔ جس سے جرم کا ارتکاب درپیش ہوتا ہے اور ہر ایک ایک دوسرے کو پہچان لیتا ہے۔ وجود کے لحاظ مناسب سے اس میں اشیاء کے اعتبار سے محسوسات کا دخل نہیں ہوتا صرف اس کو عقلی تصرف میں لاتی ہے اور غیر اس تعلق کے لطف در لطف اور مہین در مہین اور اسی طرح ہر وہ چیز جو محوِ حیرت کرنے والی

ہے عقل کے ہاتھوں بین نہیں۔ اس لیے کہ معقولیات کے حامل اور سرشت والے اس تخلیق کو حقیقتِ شرک ثابت نہیں کر سکے۔

اور جن کے لیے اس کے اپنے اعتبارات ہیں اچھا پھل عطا کرتا ہے۔ علاوہ اس کے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ارشاد فرمایا۔" صوفیاء اور ایسے ہی ہستیوں کے لیے اللہ عالم الغیب ہے کہ وجود کے موجودات میں جس کے لیے جو شئے نازل کیا ہے وہ دیتا ہے اور یہ تنزل اس کے لیے اقدار اور مراتب سے دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ارادے اور افادہ کی خاطر اور اضافہ فرماتا ہے اور ظہور میں حسبِ مراتب اس کا ظاہر اور باطن میں خیال رکھتا ہے۔ زید اور عمرو کے قول کے اعتبار سے کہ اللہ جل شانہٗ واحد ہے اور اس کے دین سے متعلق معاملات بالکل علیحدہ ہے اور یہ سب وجہ اور اسباب سے متعلق ہے۔ جیسا کہ انسان اور گھوڑا اپنی سرشت میں علیحدہ ہیں اور اشتراک کے اعتبار سے تمثیلات میں حیوان اور بہادر آدمی کو شیر سے تشبیہ دی جاتی ہے یعنی بہادری میں ایک دوسرے سے مشابہت ہے اور اسی اعتبار سے صوفیائے کرام کے ارشاد کے مطابق کہ وہ سب بہ اتفاق آرار" عالم ہی اللہ ہے" یعنی تعین میں سب ایک ذات ہیں۔ اس لیے کہ مسئلۂ ہمہ اوست کی منزل میں سب میں ہوں کا موقف ہے اور وجود میں سب کائنات اور کائنات قیام ذات اور ذات ایک ہی وجود جس میں سب صفات کاملہ ہیں اور اول الاول وہی ایک وجود اور اسی طور اس کا ایک ہونا خود اپنے وجود میں صفات اور صفات تطہیرات اتم بالذات ہیں اور یہ اقوال اللہ جل شانہٗ کے ارشادات سے ظہور میں آیا۔ ہر وجود اپنی ذات میں شخصیت کے مراتب انفرادی حیثیت میں رکھتا ہے۔ اگر مراتب کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ زندیق کہلاتا ہے۔ یعنی کفر عاید ہو جاتا ہے اور وہ مشرک کہلاتا ہے اور اس کی انتہا یہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے فرمایا اور دوسرے صوفیائے کرام بھی علیٰ ھذا متفق ہیں۔ لیکن بعض کا نظریہ کیفیتِ غیریت سے متعلق فرمائے ہیں۔ اس سے مراد واقعی اور حقیقی ہے نہ کہ معتبر۔ اس سے مراد حقیقت اور بالوقع واقعتاً ہے۔ چناں چہ مولانا نے اپنے مکتوب میں اس طرح فرمایا ہے کہ مواقع اظہارِ صفات ہیں حقیقت میں وہ چوں کہ لامکاں ہے اور مواقع کے اعتبارات صوفیاء کے نزدیک اضافی ہیں۔ اُن متبرک ہستیوں کے نظریات بے شک دن کا ظہور پانی کے بغیر اور پانی بغیر ہوا کے اور انسان بغیر گھوڑے کے اور ان موجودات میں شمولیت ہے۔ اور یہ تمام ایک ارتکاب کے رہینِ منت ہیں اور تمام اعتبارات اسی ایک تحریک کے محتاج ہیں اور یہ تمام تغیرات اون موجودات منشاء رب العزت جو اپنے موقف میں اعتبارات کا موقف ہیں اور مختلف الاسباب ہیں اور

اس کے معنی اون پہ فائز آتے ہیں۔ جن کے لیے تغیرات کا سامنا کرانا چاہتا ہے اور اسی کثرت میں حقیقت کا پرتو ہے۔ جو توحید کا خاصہ ہے۔ اور یہ کثرت کی حقیقت سے بعید ہے۔ مگر احکام الٰہیہ کے اعتبارات کا خاصہ ہے اور موجودات میں جن صفات کا اختلافی موقف ہے حضرت عبدالرحمن جامیؒ نے ارشاد فرمایا:

مسلمان کے نزدیک بس صرف نہیں کے اور کچھ بھی نہیں ہے اور عقلاء کے نزدیک دوسری جہت بہ بے شک وجود کے موجود ہونے سے جو بھی معلوم ہے وہ ذریعہ ذات وصفات کا نمود ہے اور اس تعلقِ نمود کے صفات جو عینِ ذات ہیں، وہ یہ ہیں کہ وہی متجلی ہے اور وہی قوت والا ہے اور وہی اپنے آپ کا ادراک ہے اور وہی طرح دار ہے اور وہی اور وہی ہر کیفیت کا قادر ہے اور وہی اپنے طور پہ ہر شئے کا موجود کرنے والا ہے اور وہی اور وہی پاک وطاہر ہے اور وہی اور وہی غیب الغائبہ کو ظہور میں لانے والا ہے اور وہی خود سوال ہے اور وہی خود جواب ہے اور وہی دینے والا ہے اور وہی لینے والا ہے۔ اس کا کوئی جسم نہیں ہے۔ لیکن ہر اجسام تابع تخلیق مزاج اور منشاء ہے اور وہی وجود انسانی میں سوچنے والے اذہان کا عالم ہے۔ اور وہی متحرک ہے اور وہی ہر شئے کو محرک کرتا ہے اور وہی وجود کو فعل کی جانب مائل کرتا ہے اور وہی عقل میں افعال کا قادر ہے۔ اور وہی معدوم کو بصورت پندار جانتا ہے۔ وہی وجود ہے وہی نمود ہے، وہی شہود ہے اور وہی ظہور ہے اور وہی موجودات میں کیفیات اور محسوسات کا رویہ عمل لانے کے لیے موجودات پر محیط ہے۔ قطع نظر اس کے اجسام کی ترتیب جیسا کہ تخلیق کا بیّن ثبوت ہے اور پھر موجودیت پر حاکم اور قادر ہے علاوہ ازیں اجسام میں جو حسّیات ہیں اس پہ قادر اور مقتدر ہے اور پھر جو کیفیات وجود انسان میں احساس وترغیب دلاتے ہیں اس پر قادر و متصرف ہے اور اجسام میں جو بھی مصنویات برائے محرکات ہیں سب اسی کے حکم سے ہیں اور حرکات وافعال جسد انسانی میں اقتدار اور قدرت کے آئینہ دار ہیں اور حرکات میں ہر اعتبار سے جو قوتِ محرکہ ہے وہ سب پابند کن ہیں اور وہی قدیم اور سب سے پیشتر وہی اور اسی کا منشاء قائم اور احادیث کی روشنی میں غائب کے درمیان موہوم اور وہی صانع اور عوالم کے درمیان موجود اور عوالم خود اس کا اپناپن اور اس آن جو بھی موجود اور وہی اوجھل ہے سب اسی کا منشاء اور موجودات کے پیشتر لا کے اعتبارات میں موجود بالذات اور ظہور وعدم کے سانحات میں تخلیق کا طور پہ جو ربط ہر دو کے درمیان ہے اس کا بھی مالک اور اتنا واضح ہے کہ وہ شفیق اور سلامتی کا پرتو ظاہر کیا اور موجودات میں جس انداز میں نشانیوں کے ذریعہ تناسب موقف جاری کرتا ہے اس پر بھی قادر اور معدوم سے ظہور تک کن اقدار کو خوبی اور خرابی کے اطوار میں ظاہر کرنا اس سے بھی علیم اور ان مربوط مراسم کو کس حد تک اظہار صفات کے لیے جواز اور تقویت بہم پہنچانا اس سے بھی . . . .

خوب طور پر واقف ہے اور کن کن انداز میں احکامات برائے ارتکاب اور معنوی ارتباط کا تعلق ہے اور کس حد تک ظہور اور کس حد تک بطون اور کن مقامات پر تسلسل اور کن مقامات پر انقطاع یعنی اُن کو بے ربط اور غیر مسلسل کرنا ہے وہ بھی منشاء کا پرتو اور بعض مقامات پر اس کا تعلق کس حد تک بار قدرت کا کفیل ہو سکتا ہے اس کو کس حد تک ظہور میں لانا اور کن اعتبارات میں یہ سب موجود کرنا اور یہ تمام باتیں اپنے مقام پر کلیتہً بالکل جائز اور فائز المرام ہیں۔

پس جب یہ تمام امور منشاء میں ہیں۔ پس اب ممکن نہیں کہ نشیب و فراز یا کمی بیشی ہو۔ اے ہمارے پروردگار یہ تمام و کمال نقوش جو وجود کے تابع ہیں اور لفظی اعتبار میں تیری جانب معنون کئے جا رہے ہیں اور جن احترازات پر عبرت کا ضرب لگا یا گیا ہو ہم سب کو معاف فرما اور تجھے پہچاننے کی سمجھ اور توفیق عطا فرما اور ہمارے اجسام کو ایسا کر دے کہ تیرے وجود کو خاطر خواہ اور پھر ہمارے وجود کو جن صفات سے تخلیق کے لیے مزیّن کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ صفات کاملہ کا پرتو ہے جو ہم عدم سے وجود میں صفاتِ کاملہ کا مظہر بن کر ظہور میں آئے۔ اور یہی صفات ہیں جن کی تنزیلی صفت ہمارے وجود کو موجود کی اور مشیت یہ ہے کہ ہمارا وجود ان تمام مراحلی کا رہینِ منت ہے۔ جس سبب تنزیلات ان صفات کے حامل ہیں اور عقل درکار ہوئے کہ ان صفات کا آئینہ دار جیسا کہ عقل برابر اس کا اعتراف کرتی ہے۔ اور اتنا ضرور ہے کہ عقل اور فہم سے پیشتر اور فطری روش جس میں احتمال ہے اور یہی وہ بار تخلیق ہے کہ ہم کو موجود ہونے سے متعلق سرفراز فرمایا گیا اور جیسا کہ ہم کو موجود ہونے کا حکم سرفراز کیا گیا اور وہ خلق جس کے متعلق حکم عنایت ہوا اور تخلیق وجود انسانی کے لیے شرف صدور لائی اور پھر صاحب مقام کا یہ منشاء کہ اس کے بعد یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے کہ وجود کے معنے ہستی ہے اور وہی حق تعالیٰ اور پاک و طاہر اور جو بذات خود موجود ہے۔ یہ تین صفات (ترکوٹی) ہے۔ اس لیے کہ اسی کی ذات بابرکات کا وجود اسی کی ہستی ہے۔ وہی ابتداء ہے اور وہی انتہا ہے۔ یہ کہ کائنات جو موجود ہے اسی کی ذاتِ بابرکات کا وجود ہے اور اس کا وجود و عدم یہاں تک کہ اس سے غیر وجود سے بالکل معدوم ہے۔ یقینی اور منکرانہ اعتبار سے بھی بہر طور اور بالکل ماحصل یہی ہے۔ بعض حکماء اور محققین اور کلام کرنے والے وہ صرف معنوی اعتبارات میں اختلاف کرتے ہیں۔ صاحب سبحان ملّا عبد الغفور اس تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل دانست اور صوفیائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں عقلاء کے نزدیک جائز نہیں بلکہ یہ سب صفات عالیہ اور کمالیہ ہیں کہ اللہ جل شانہ اپنی ذاتِ کریمی کے اظہار سے متعلق وجود کائنات کو صرف اضافتِ خاصّہ اور موجودات صرف ایک نام کا پیکر ہے اور ان تمام اعتبارات میں جو کبھی وجود موجود ظہور نمود کا خاکہ ہے وہ صرف مجہول الکیفیت ہے اور اربابِ تحقیق سے ہر وہ بات جو ذات واحد سے متعلق ہے انبیاء اور اولیاء کی تحقیق میں بلکہ مدبرین اور مفکرین کے اعتبارات میں جو کبھی ظہور ہو وہ سب اللہ ہی کی کیفیت اور اسی وجود کا ایک اسی میں ضم

ہونے والا پرتو ہے۔ اور دید و دکھاؤ کے اعتبارات سے انسان بالکل واقف ہو چکا ہے اور وابستگی کے لحاظ سے بقدرِ حیثیت اور قابلیت اور خود کی شناس جو اس احاطہ کا جزء لاینفک ہے مناسب ہے۔

مسئلۂ اعیانِ ثابتہ

ذاتِ بابرکات سے وصل اور مکمل و انتہائی مدارج کے ساتھ جو خالصتہً پہلے گروہ کے لیے ایک ایجاد کا موقف ہے اور یہ پہلا گروہ ہمہ اوست کے ارشادات کا قائل ہے۔ جو تخلیق اور تخلّق سے اتفاق کرتا ہے۔ بناوٹ اور نقاشی اور نقش اور پیالہ اور ظرف اور تصویر اور تصویر کا آثار نے والا یہ جانتا ہے کہ دوسرا گروہ شہود کا قائل ہے۔ اور یہ گروہ صرف تمام و کمال طور پر عوالم سب اس سے ہیں۔ پیدا کرنے والا اور پیدا ہونے والا عکس و وجود جانتا ہے۔ چناں چہ خاکہ اس شخص کا آئینہ دار ہے۔ جس میں قیام نہیں ہے۔ اسی طرح تمام عالم حق سبحانہٗ تعالیٰ نہیں بن سکتا اور ہر دو گروہوں میں وجود کے ممکن ہونے کا اعتراف ہے اور یہ سبب سے متعلق ہے اور واجب ہے۔ جو اللہ جل شانہٗ کی ذات بابرکات کے وجود سے ہے اور تیسرا گروہ وجود کے موجود ہونے کا قائل ہے۔ اور یہ گروہ ہمہ اوست کا قائل ہے۔ پہلا گروہ فقط ایجاد کا قائل ہے اور فقط اقرار ایجاد کا جو انعکاس ذات ہے اور تیسرا گروہ باوجود اتفاق کے انعکاس کا قائل ہے اور وابستگی سے اتفاق اور ہئیت اور اس شان سے کہ ظہور نمو پیدا کرنا اس کی شانِ کریمی ہے۔

امام ربّانی جلد سوم کے آٹھویں اور دسویں حصے پر نقل فرمائے ہیں اور یہ فقیر اس شان ہمہ اوست کو ان تمام اعتبارات کو ایک ہی ذات کا ظہور بتلائے ہیں اور تمام ایک ہی ذات میں ضم ہے اور اس اتحاد کا مطلب یہ ہے کہ رنگ اور صورت جیسا کہ ایک ہی وجود میں یہ صفات بذات خود اسی اعتبار میں موجود ہیں اور کس طرح یہ حالات صرف ایک ہی ذات میں مدغم ہیں اور کس طرح ان ہئیتوں میں تحلیل اور تلوّن جو ذاتِ بابرکات کی تخلیق سے پتہ چل سکتا ہے۔

چناں چہ ان اعتبارات میں ذات اور صفات کا پتہ چلتا ہے اور یہ تصرفات جو اس کی حالتِ اصلی کا پتہ دیتے ہیں اور پھر وجود میں جو لچک ہے اور یہ لچک ذات بابرکات کا خاصّہ ہے۔ جو ہئیت کا استقرار اور اس کا

موقف ثابت ہوتی ہے اور حرکات میں محلل ہو کر سریان کا پتہ دیتی ہے اور پھر وہ بات جو رب العزت نے "میں جیسا ہوں ویسا ہی ہوں" اس موقعہ پہ پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور یہی جہبت اس پہ ایک ادراک پیش کرتی ہے اور جس طرح رب العزت کی منشاء کا موقف ہو وہ سب کچھ اسی ایک جہت کا کمال ہے اور اس موقعہ پہ ظہور ذات کی ضرورت نہیں پائی جاتی اور نہ ہی اس میں اور کوئی گنجائش ہی باقی رہتی ہے اور یہی 'میں جیسا ہوں ویسا ہی ہوں' یہی منتہا ہے۔ مزید ارشاد ہے اور ہر شئے بذات خود موجود نہیں بلکہ صرف وہی اور وہی ہے اور اس مکمل اور منتہی اعتبار میں حضرت مہائمی علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق جو "نخاص النصیحہ" میں ارشاد فرمائے ہیں: " ہر وہ شئے میرے نور سے منوّر ہے اور اس نور میں موجودات اپنی تنویر میں اور یہی سروحاتِ ربوبیت جو اس طور منور اور پھر میرے ناموں کا موقف جو دکھاوا اور دیکھ اور دکھتا کا علی الترتیب مظاہرہ پیش کرتا ہے اس طور پر سورج اجالا پیش کرتا ہے اور اُجالا خود سورج نہیں بلکہ سورج منوّر نہیں بلکہ میرے نُور کی روشنی سے منوّر ہے اور یہ ایک اجتماعی رُخ ہے جو ہر اعتبار میں تنویر میرے تقدس اور تطہیر کا خاصّہ ہے اور ان تمام عوالم میں موجودات کا خاصہ صرف چار اجزاء یعنی چار اسباب" پانی" "آگ" ہوا" "مٹی" اور ہر تخلیقی کارفرمائی کے لیے ان چار اجزار کا بالالتزام موثر ہونا موجودات کے نمود کا پیش خیمہ ہے۔ علماء کرام بخلاف وجودیہ اور شہودیہ اس شان کے تعلق سے اس خاصّہ کو نہایت اہم گردانتے ہیں۔ دراصل تیسری کیفیت جو مراحل کے اعتبار میں ایک خاص موقف کی حامل ہے ان اعتبارات میں موجودات کے ظہور سے متعلق بے حد توجہ مرکوز فرمائے ہیں اور اسی جہت کا یہ وطیرہ ہے کہ ذات اور صفات باہمہ گیر اس خاصّہ کو بر سرِ پیکار آنا ایک تخلیقی اعتبار پائے ہیں۔ اور حقیقتیں مختلف ہیں اور تمام آثار اس فاعل حقیقی کے ہیں جو مقتضائے ذات اسی کی ہے اور وہ ان وجودات سے بالکل بے تعلق ہے اور ان ہی وجوہات کے اجتماع کے سبب اور پھر خالصتہً اور دراصل کلام اسی کے لیے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہ جتنے بھی موجودات اظہار میں لائے گئے ہیں یہ سب کے سب جامع الصفات اسی سے وابستہ ہیں اور وہ اس طرح موجودات میں بالوجود قائم و دائم ہے اور ظہور اس طرح کہ اس کا حکم خود مخلوقات میں ایک فعل محرکات بنا اور وجود سے جو نسبت دی گئی وہ ایک خاصّہ ہے جو اللہ کے حکم اور یہ تمثیل اللہ ہی کے لیے دی گئی ہے۔ اور وہ بلند و برتر ہے اور تمثیلاً محسوسات عالیہ و کمالیہ میں ظاہر ہے اور تقریباً ان لوگوں کے لیے جو مخلوق میں ایک انفرادی انداز سے نسبت میں پانی ٹھاٹھیں مارتا ہے اور حباب اس پانی کا محافظ ہے یا پھر مٹی جو بشریت کے ڈھانچے سے تحفظِ روح جو اِن دونوں محافظین کے لیے کثرت کا خاصّہ پیش کرتی ہے۔ تو

پھر وحدت ان تعینات کو اس انداز سے محیط اور انسدادی اعتبارات میں ہونا چاہیے کہ اس کی صفت پاک و پاکیزہ ہے اور پھر جتنے عناصر ہیں ان صفات سے منضبط ہیں یا پھر اس طرح سے کہا جائے کہ سامنے آجانا اور پھر نزول کا موقف پاجانا البتہ یہ ہوسکتا ہے یا پھر ممکن ہے کہ سب کچھ اپنی ذات میں بند رکھتا اور اس پر پابندیاں عاید کرنا ان تمام تعبیرات سے کس درجہ مفاد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حالاں کہ وجود کا ایک ہی موقف پر ہونا اصل میں ذاتِ الٰہی کا اصل لباس ہے۔ اگرچہ کہ موجودات جو تخصیص میں ترتیب پائے ہیں یہ سب خارج از اختراع ہیں۔ لہٰذا یہ تمام خصوصیات جو دلوں کے منازل تک پہنچ گئے ہیں اور ان کا استحقاق بجز ذات الٰہی سے استنباط کے اور کچھ نہیں ہے اس طرح کہ موجود کس طرح ان اعتبارات میں تحلیل کیا جاسکتا ہے کہ وجود کی ماہئیت ایک ماہئیت کمال کے اور کچھ نہیں ہے اور پھر ان گہرائیوں میں وجود بالکل مقام نہیں رکھتا۔ مثال کے طور پر مٹی ہی سے کوزہ بنایا جاسکتا ہے اور کوزہ کا تصور اگر کیا جائے تو وہ ایک مالیدہ مٹی ہے۔ پس یہ ایک صورت ہے جو تحقیقات کی بناء پر ہمدست ہوئی۔ پس آس سے ہٹ کر اور کوئی تمثیل پہچان کے لیے ہرگز ہاتھ نہیں آسکتی اور اسی پردہ کے پیچھے جب اس کی چیر پھاڑ ہوگی اور جیسا کہ یہ اسی اثر سے موثر ہے کہ وہ ہئیت میں اس طرح ذات موجودیت سے قائم ہے اور جس طرح مٹی ہی مٹی ہے اور مٹی ہی اس طرح غلاف بنی ہوی ہے کہ اس مٹی کو کوزہ جب کہ وہ شئے کی صورت میں نہ ڈھالی گئی ہو اور اگر چاہیں تو پھر ان کے باہم دیگر اشکال کو بہ یک نظر جانچیں تو ہر دو کیفیات میں ہئیت شئے صرف مٹی ہی مٹی ہے۔ لہٰذا یہ تمام تمثیلات جس طرح وجود اور پھر ہئیت کے لیے دیے گئے ہیں ایک دل کی مثال سے دی گئی۔ اس طرح ہر دو اپنے اپنے اعتبارات میں ذاتِ الٰہی کے حدود میں ہیں اور پھر اس طرح سے خیالِ حکم کا پیش لفظ ایک نام نہاد اور نسبتی ہے اور تعین کا ثبوت بمرتبۂ ظہور و نمود یہاں ایک مقام رکھتا ہے اور وہاں صرف کوزہ کے نام سے جب کہ مٹی کو اس شکل میں ڈھالا گیا کوزہ کے نام سے موسوم کیا گیا اور اسی بناء پر حکم الٰہی خصوصیات کے اعتبار میں شرفِ صدور لایا گیا۔ ہم مخلوقات عدم کی شکل میں ہیں تو وجودِ مطلق ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شئے جو فنا نظر آتی ہے وہ تجھ میں باقی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شئے اپنے وجود میں موجود ضرور ہے اور موجودہ شئے اپنی سرشت اور فطرت میں معدوم یعنی غائب ہے۔ سمندر کو غائب کیا اور وجود کو ایک کف بنادیا اور جو شئے عیاں اور ظاہر نظر آرہی ہے وہ اپنے وجود میں فنا ہے۔ پہلے اس وجود کو ظاہر کردیا اور پھر ایسا پوشیدہ کردیا کہ گویا تھی ہی نہیں اور پھر ہر شئے پوشیدگی سے ظہور میں لایا اور خاک کو غبار بنایا

اور اتنا بلند کیا کہ اس کو اس طور کم زور کر دیا۔ اس طریقہ کا جو میل رکھا اس کی تعریف صرف دلیل سے دی جا سکتی ہے اور کف کی شکل دے کر ہر جانب بھیجتا گیا اور کف خود بغیر دریا کے سہارے کے ایک مقام پر ہرگز نہیں رہ سکتا اور پوشیدہ فکر گفتگو کے ذریعہ سننے میں آئی اور نفی کیا ہوتی ہے وہ اثبات اور اقرار سے ثبوت ملتا ہے۔ بلا کسی اغراض کے ہر بات پھیل جاتی ہے اور خیال جب حقیقت رونما ہوتی ہے خیال کو پیدا کرتی ہے اور معدوم یعنی جو شئے پوشیدہ ہے وہ نظر کے اندر رونما ہوتی ہے۔ جب نظر بصیرت کا خاصّہ سے ہر شئے دیکھنا شروع کر دیتی ہے شاباش اور مرحبا کیا جانا ضروری ہے۔ جب کہ یہ جادو بول کر دکھایا گیا اور اس کے صفات کا پتہ چلا کہ جو بھی اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے وہ سب بہ یک نظر ظاہر اور صفات کا اظہار کر دیے۔ یہ بات یاد رکھنا ہے کہ دنیا جاننے والوں کے نزدیک موجود تھی اور حالتِ اصلی ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی اور پھر تمام امور کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد جب کہ وہ ظہور میں اسی طرح قائم نظر آئی جو بطون میں تھی۔ اور نفی میں جو وجود اور ظہور کے اعتبارات کا پرتو تھا۔ جیسا کہ حضرت امام ربّانی اعلیٰ اللہ مقامہ اور اس دور کے بزرگ اور خود حضرت کے شراب اور وجود کے سایہ میں بھی اتفاق فرمائے ہیں۔ لیکن امام ربّانی اس سایہ کو ثبوت میں خارج از ذات پیش کئے ہیں اور ان دونوں شان کو ایک تخیئلی خاکہ بتلائے ہیں۔ اور سوائے ذاتِ واحد کے اور کسی بھی وجود کے موجود ہونے کا اعتراف نہیں کئے۔ دوسری جلد میں اس طرح تحریر فرمائے ہیں کہ اس مقام پر امام ربّانی ظاہر ہوے کہ شیخ محی الدین ابن عربی اور امام ربانی ہر دو باتفاق آرا اعتراف فرماتے ہیں۔ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں اور جو بھی اس کی تعبیر کا ارادہ رکھتا ہے اور ممکنات کو ایک اخراجی اعتبار سے جانتا ہے اور اس مرتبہ جس انداز سے اپنے تئیں لازم اور صفات کا مظہر سمجھتا ہے ہر اعتبار سے وہ بالکل صحیح ہے اور ان ہی حقائق میں اسماء پہ غور کرنے سے احکامات پائے جاتے ہیں اور عالم کی روشنی میں صفاتِ کاملہ کا امتیاز ہوتا ہے اور دوسری جہت میں کہ ممکنات ہی اللہ کے ناموں کا عکس جمیل ہے اور بنیادی اعتبارات میں صفات منطبقہ کہلاتے ہیں۔ اور اس عدم کے مقابلہ اور وہ بھی جو فرق ان امور میں پیش آتا ہے مگر اس طور کہ وجود میں اختلاط اور کمی صرف اس عکاسی کا خاصّہ ہے جس کو جس حد تک وجود میں موجود اور اس مرتبہ پہ وہ وجود اپنے ہیئت ظہور میں جیسا کہ اشیاء کا وجود اس کی اپنی موجوداتی کیفیات کی رہین منت ہیں۔

رب العالمین کے نام اور ان ہی ناموں میں حقیقت بھی موجود ہے اور یہی اسماء کی طرف حقیقتوں سے

آشکار ہونے کے لیے اسی طرف پلٹ پڑتا ہے۔ اور شیخ المجدد کے اس کلام سے ہرگز روگردانی نہیں کی جا سکتی اور اس طرح چاہنا ایک بہت ہی کثیر بوجہ جو نافہمی کا ہے اپنے سر لیتا ہے اور یہ جو کلام ہے اس کلام میں تحمل ہے۔ شیخ المجدد کا کلام ایسا کلام ہے جس میں وجدان ہے اور بعض مقالہ جات میں جو حضرت شیخ ابن العربی کا ہے اور اس کی اتباع بے محل کی جاتی ہے اس کے اوپر اس طرح سے اعتراض کہ اس بیان میں کوئی معقولیت اور بلوغیت نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی کشف و کرامت ہیں اس تحریر میں کوئی اندراج علماء نے نہیں کیا اور نہ ہی انھوں نے دیکھا۔ یہ ایک بلند مقام کا حامل ہے اور بعض مقامات پر کلام میں کچھ کمی بیشی واقع ہوی ہے۔ امام ربّانی اعلی اللہ مقامہٗ نے دوسری جلد میں تحریر فرمایا ہے: عالم موجودات کو خارج از تخلیق سمجھتا ہے اور یہ صرف ایک انعکاس ہے جو ذات کی تجلی سے روشناس اور روشن ہے جلدِ چہارم میں حضرت قبلہ نے اشارہ فرمایا ہے، عالم صرف توہمات کو اہمیت دیتا ہے۔ صاحب مکتوب مدنی نے اپنے اعتبارات میں اس طرح فرمایا اور اقوال سے جو مخالفت کی جاتی ہے یہ اقوال مجدد صاحب کے روز روشن کی طرح ہیں۔ یہ بتلایا جاتا ہے کہ اگر وہ موجود ہے تو اخراج میں وجود اور آخری مرحلہ اس کا اس طرح سے ہے کہ وہ ہر حال میں موجود ہے اور پھر اس طرح موجود ہے کہ اس کا موجود ہونا ہمارے اذہان میں وہم و گمان ہے۔ بے شک اللہ جل شانہٗ عالمین کا مالک ہے اور اس مرتبہ اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے ان اقوال سے اختلاف اس وجہ سے ہے کہ ہر اعتبار سے وہ ہر شئے پر قادر ہے اور یہ بات بلاشبہ اس طرح ہے کہ عالم اس مرتبہ سے محترز ہے اور اس کا نظریہ یہ ہے کہ یہ صرف توہمات کا خاصّہ ہے۔ جو ایقان میں موجودیت سے متعلق آگاہ کیا گیا۔ اور حق تعالےٰ کی عینیت سے سوال یہ درپیش ہوا تو اللہ اپنی ذات کے اعتبارات میں کس درجہ بتلاتا ہے۔ یہ صرف اسی کی ذات ہے جس کا علم خود اس کو ہے اور ثبوتِ تعیّن اس کی عظیم تجلّی ہے اور اس طرح ایک شئے سے اس کا اخراج ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔ تجلّی کی آواز اور پھر اس تعلق سے ایسے سوالات جو اُن کہاوتوں میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ ان تمام سے متعلق حرف تنکیر ہی ظاہر کرتے گئے ہیں۔ یا تو پھر دیکھ کر اعتراضات ہوئے ہیں یا پھر سماعتی ہیں۔ اس جہت میں کوئی چیز بھی بغیر تجلّی کے نہیں ہے اور صرف خالصتہً اس کا علم بشیر صاحب ہی کو ہے۔ اس حقیقت سے متعلق جس طرح کہ تبلایا گیا ہے کہ یہ اس کی جانب سے نہیں ہے۔ یہ درست نہیں

بلکہ اس کا تعلق کشف سے ہے اور پھر یہ جاننا چاہیے کہ وحدت الوجود کے معنی کیا ہیں؟ اور پھر شہود کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کو حضرت نے فرمایا کہ یہ اللہ جل شانہٗ کی جانب رغبت کے ہیں۔ اور یہ دوسری چیز ہے اور موجودات کی جانب وقفیت کے معنی علاحدہ ہیں اور صاحب الوصول کی جانب سے یہ بات حقیقتاً معنوی موقف کی حامل ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی ذات میں بسر ایک فعلِ عبث ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک اللہ جل شانہٗ کی توحید کا مرتبہ صرف حال ہی حال ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کے دو اقسام ہیں قسم اول یہ ہے کہ احدیت کے مرتبہ سے متعلق اس کی ذات عین کثرت ہے اور یہ چھپی ہوئی ہے اور مشہود کی حقیقت صرف ایک ہی ہے۔ اس لیے کہ زیور کے نام کو پہلے پگھلایا جاتا ہے اور اس کا بنایا جانا ابھی بے صورت ہے۔ اور مشہود اس وقت ہوتا ہے جب کہ تمام ہتھیار اس کو پگھلا دیتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ اس کی صورت گیری ہونا ہے اور تمام تر موج اور حباب اور برف اور ہر وہ چیز سر اس جانب ہوگی۔ ساکت سمندر مشہود کہلاتا ہے۔

قسمِ ثانی: یہ ہے کہ ایک ہی ذات اس کثرت میں مشاہدہ ہے اگرچہ کہ یہ کثرت اپنے اعتبار میں ایک اونچا مقام رکھتی ہے اور اس مکمل مشاہدہ میں اور لوگوں کے اس طرح سے گویا ہونے پر زیور اسلحہ کی تشکیل میں اور موجوں کے تھپیڑے میں اور حباب اور مٹی ایک جانب۔ بعض صوفیائے کرام اس جانب یہ اندازہ قائم کرتے ہیں کہ سلوک میں خود اپنا پن ہے اس میں دوسری کیفیت پیدا ہوتی ہے اور بعض مرتبہ اس طور مشہود ہی کی قسم اول ظاہر ہوتی ہے۔ پس اس طور پر یہ اندازہ قائم کیا جانا ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ ہم سر اول مشہود کی روانی ہوتی ہے یعنی مشہود جو وحدت الوجود ہے وہ دراصل نفس الامری کی حقیقت کی کیفیت ہے۔ اور اس کے بعد رازِ بستہ کے دروازے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور پھر اس کی جانب وابستگی کا موقع عنایت فرمایا جاتا ہے۔ یہی حقیقتِ ذاتی کا دانستگی میں راستہ فراہم کیا جاتا ہے اور اس کا انعقاد واتنشاء کی منزلت ہے۔ جو شہود میں قیام ہے۔ پس اس طرح سے جاننا ہوگا کہ سطر بہ سطر شہود کا ادراک ہے اور یہی تمثیل سیارگان کے قطار در قطار آفتاب کی روشنی میں مُستطر ہے۔ اور بعض دیگر صوفیائے کرام کا یہ خیال ہے کہ اسی طرح شناخت کا ایک مرقع ہاتھ آیا ہے کہ پہلے شہود پہلے سے موجود ہے اور اس کی بالکلیہ کیفیت صرف "محبت" ہے:

ھ

شوق کی زیادتی کے سبب میرا جسم اور جان آئینہ بن گیا
جس طرف نظر اٹھاتا ہوں اس طرف میں صرف تو ہے

اورصرف ایک ہی ذات کی حقیقت ہرگز کثرت سے وابستہ نہیں ہے اور پھر کوئی اس میں الف نہیں اور اس طرح سے بھی کہ آخر کار وہی مشہود ہے تو پھر یہ امر بالنفس ہے اور اسی طرح اس میں ترقی کا رُخ موجود ہے۔ اس لیے کہ بعض صوفیائے کرام اس مرتبہ کا نام فنا فی اللہ رکھتے ہیں۔ اس طرح سے یہ شہود اولی ہے۔ جو میسّر آتی ہے اور جب اس منزل سے مقامِ بقاء ملتا ہے۔ کہ وہ شہود ثانی ہے۔ پس یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تجلّیِ ذات باری تعالیٰ ہے اور اللہ جل شانہ' کے رازِ سربستہ اور فنا فی اللہ کا مقام ہے اور یہ صفاتی تجلّیات اور اسماء متبرکہ دراصل اللہ جل شانہ' کے صفات کاملہ کی سیر ہے۔ اور لبسا اوقات یہی مراتب مراحلی کے دور میں پیش آتے ہیں جو صرف ذات اور وجود کو دکھاتے ہیں ور یہ در پردہ نظارے ہیں۔

اور اسی طرح شہود ذات کو امر بالنفس ظاہر کیا گیا ہے اور یہ شہود وحدت اور کثرت کے اعتبارات میں بشر انسانی میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ یہ امر بالنفس نہیں ہے۔ چنان چہ کسی تخلیق نے سورج کی ٹکیہ پر نظر ڈالا اور اس کے بعد اشیاء پر نظر ڈالا۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی جو سلسلۂ احمدیہ کے عمدہ خلفاء میں شمار کئے جاتے ہیں اور اس طرح سے ارشاد فرماتے ہیں: کہ پہلے انسان میں قوتِ جذب کے اعتبار سے راہ درکار ہے اور یہ مرتبہ صرف سلوک کی منزل میں سالک کو عطا ہوا ہے۔ جذب کی راہ کا ادراک ضروری ہے۔ توحید کا معتقد پہلے وجود کا قائل ہوگا اور پھر وجود میں صفات کا ایقان ضروری ہے اور پھر ان مقامات کو بتدریج طے کرتے ہوئے۔ چناں چہ خواب کے عالم میں کوئی بھی سات صفات کو برابر دیکھتا ہے اور اس عالم میں کوئی بھی سات عوالم موجود نہیں ہیں۔ غضب کی قوت یہ ہے کہ وہ سات اشکال میں ظہور کرتا ہے اور اسی طرح یہ مرحلہ اس کی ترقی کا ضامن ہے۔ مننزیہ کے نزول کے اعتبارات میں اور اس مرحلے کی تشبیہ کو جاننا اور دوسرے یہ کہ ایسی بھی صورت اس طور پر ظاہر ہوتی ہے اور اس جانب توجہ ضروری ہے۔ حالاں کہ اس میں ظہور ذات اور حکم میں جو راز سربستہ چھپے ہوے ہیں اور اس میں دوسرا دور صرف نظر کے قیام کا ہے۔

پھر اس تعلق سے کہا گیا ہے کہ اس حکم کی تعمیل کے لیے یہ راستہ بالکل موزوں اور مناسب ہے۔ اور اولیاء اللہ میں سے کوئی بھی اس راستہ سے ہٹ کر: کبھی بھی پاتا لیکن گر ولایت کے درجے تک نہیں پہنچے اگر اس میں اختلاف نہ ہو: ے غبار صرف اپنے مقام پر اور اس کا حسنِ سلوک اور سب اسی اعتبار میں اچھے اور موزوں مواقع حاصل کریں گے اور اس کی تعمیل کے لیے مردِ معرفت یعنی جاننے والا اور انتہائی تیز دماغ اور اس بات کی خالصتہ

کیفیت سے ہمکنار رہو، سمجھ سکتا ہے اور جانتے ہوئے اس کام کو کرسکتا ہے اور عبارات کے اختلاف کو جاننا اس جانب رجوع ہونے کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ کلام کا رخ اور پھر یہ کہنا کہ یہ جو وجود کا قیام ہے ان خاص موجودات کا کوئی خاصہ یا پھر اور کوئی لباس وغیرہ نہیں ہے۔ بلکہ تمام حقیقتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور جتنے بھی آثار اس سے رونما ہوتے ہیں وہ فاعل حقیقی کی جانب سے ہیں کہ یہ صرف اس کی ذات کا اقتضاء ہے اور پھر وہ ان غیر وجودیت سے بالکل منقطع ہے۔ ان تمام صفات کا اجتماع جو مراتب حاصل ہیں۔ پس یہ تمام باتیں صرف محبت کی انتہا کے ہیں اور ان سب کا متحرک ہونا عشق کے تابع ہے۔ یہاں تک کہ جس کے اشتراک عمل سے بھی وہ سورج کا وجود اس کی اپنی سرشت ہیں ہے۔ پس ہر وہ چیز جو نظر سے گزرتی ہے اس میں شہود کا ہونا ضروری ہے۔ اور سورج کی ٹکیہ اس رابطہ کی وابستگی اور سورج کی ٹکیہ پہلے سے ہے اور بعض بازی سورج کو بادی النظر میں دیکھتے ہیں۔ بلندی اور پاکی اور پھر ہرگز میں اس تعلق سے سورج کی ٹکیہ سے متعلق نہیں بلکہ میں خود سورج کی طرح رخ روشن رکھتا ہوں اور ساتھ ساتھ ضرورت اور عقل کے اعتبارات میں یہ دیکھا جائے تو سورج بذاتِ خود کوئی شئے کا حامل نہیں ہے۔ بعض صوفیائے کرام اس جانب میں یہ موقف کے حامل ہیں کہ اس کا تعلق وحدت الوجود سے ہے۔ لیکن ہمارا ظن اس بلند سے اور وسیع تر ہو اور دیگر حسن ظن والے اس تعلق سے بالکل نفی کا اظہار کرتے ہیں اور اس طرح سے اون کے اذہان بالکل مترادف ہیں لیکن اون کے اپنے مذاہب کے اعتبارات میں اللہ ہی اس معاملہ کو بہتر سمجھتا ہے اور اون کے مرادوں سے متعلق بھی نہیں کہا جا سکتا اور کوئی بھی ان ارادوں میں ہرگز دخل در معقولات نہیں کر سکتا ہے اور اس حال میں توحید ہی اس مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے۔ اور اس کی حس اور اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے اور اللہ جل شانہٗ کی راہ میں جیا کرنے والی اور ان کے لیے نجات ہے اور اس کی شان میں اس طرح جاننا کہ وہ بذات خود ہستی ہے۔ صاحبِ مکتوبِ مدنی کا ارشاد ہے کہ وحدت الوجود کے لفظ کا استعمال اور وہ جو دو مواقع پر مستعمل ہوتا ہے۔ یہ الفاظ اور دونوں کا اطلاق اس موقع پر صرف اظہار کے لیے استعمال میں آتا ہے اور اس بحث و تمحیص میں جو اللہ کی راہ میں چلا جاتا ہے۔ اس سلوک کا حل اس کے اپنے مقام کا ایک موقف ہے۔

اس اسلوب بیان کے لحاظ سے جیسا کہ اظہار کیا گیا ہے کہ پہلے مرحلہ میں وحدت الوجود اور پھر دوسرے

مرحلے میں شہود اور ان دونوں کے درمیان صاحبانِ شناسانِ آپس میں ایک دوسرے مباحث اور طویل گفتگو آخر کار نتیجہ اس طور پر آیا کہ ان مباحث کے اختتام پر حضرت نے شہود پر اس معاملت کو چند فرمودات جو پیش رو مرکارین سے ماخوذ کئے گئے تھے اپنے ارشاد سے توضیحات اس طرح فرمایا کہ عالم لاہوت میں جن صفات کا اظہار ہوا وہ اپنے اعتبار میں صحیح ہیں اور پھر اس کا اظہار اس طرح سے ہوا کہ میں جو بھی اپنے تئیں ان عوالم کا انکشاف کرتا رہا وہ ہر اعتبار میں مبنی بر حقیقت ہیں اور عوالم الاسماء میں ان کا انعکاس شہود کے اعتبارات میں ہوا۔ میرا اپنا منشاء ان طبعیات میں ہر کیفیت کا حامل رہا جو عالمِ لاہوت اور جبروت و ناسوت اور اس موقف پر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا ارشاد ہے کہ بے شک صفت اور شہود ہر دو وجود کے انعکاس ہیں مگر علماء ان کیفیات سے متعلق معترض ہیں۔ اون کا نظریہ ہے کہ حقیقت کا وجود دراصل کل میں توحید اور توحید میں کُل ہے۔ یعنی وحدت میں کثرت اور کثرت ہی ایک طور عین وحدت ہے۔ اس میں ترتیب برائے شہود عن الذات ہے اور پھر وجود کی حقیقت کو شہود سے نمایاں کرنا اور عن الذات کو وحدانیت اور پھر احدیت پر دو اعتبارات میں قائم بالذات اور بالصفات من الاسماء بحیثیت یکن جو معدوم کی منزلت میں بالوجود قائم و دائم تھے۔ اون پر کن کا اطلاق ظہور کائنات اور ہر وہ وجود جو موجود ہے اپنے اعتبار میں ظہور ذات کی یکتائی کا مظہر ہے۔ اس قول سے متعلق ہر صوفی اور شناسا اتفاق کئے ہیں۔ اور اس موقع پر جب کہ ذات الٰہی کا ارشاد ہے کہ میں بالکل ویسا ہی ہوں جیسے میں اپنے آپ کا وجود بالموجود ہوں۔ اس تعلق سے اس فقیر الحقیر کو ذریعہ فتاویٰ ؟ جو بیانِ ذاتِ خداوندی سے متعلق کل ہی وحدت الوجود اور یہ کیفیت جو ایک ہی تزکیہ۔ اس موقع پر جو اذہان اس جانب معطوف کئے گئے وہ ہر اعتبار میں اعتراف کئے کہ واقعی صرف ذاتِ الٰہی اپنے خود کو شناسا کروانے کے لیے ان جہات میں رونما فرمایا۔ جو صفات اور ذات ہر دو یکساں وحدانیت کا پتہ ظاہر کئے اور پھر احدیت جو سب کچھ ہے صفات کاملہ کے اظہار کے لیے جامع انداز میں کل وحدت الوجود سے کثرت میں بالصفات مظہر ہوا اور یہی صفات بحیثیت انفرادیت جامع الصفات وحدانیت میں نمود اور شہود کا مظہر ہیں۔ اس کی مثال ایک درخت سے دی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک دانہ یعنی تخم اپنے آپ کو بعد فنا اس جسیم درخت کے نقشہ میں پہنچ گیا۔ جس میں پھول پھل لکڑی، چھال، ڈالی اور تناسب کچھ موجود نظر آیا۔ یہ ایک صفت ہے جو اپنی اکملیت میں بالظہور اس اعتبار میں ظاہر ہوئی۔

مسئلہ اندراج الکل فی الکل

اللہ جل شانہ کے ارشاد میں یہ بات صریحاً واضح ہو جاتی ہے کہ نطفہ جو ترسیل کے ذریعہ حیوان سے خارج ہوتا ہے وہ ایک نکتہ کی شکل میں جو دوسرے حیوان کے انفاخ کرتا ہے اور اس کی تفصیل ایسی بھی کی جاتی ہے کہ حقیقت کا مرتبہ مجمل طور پر ایک مفصل اور ہر طرح ذات میں محفوظ کر دیا جاتا ہے اور مرتبہ کی حفاظت کا خیال اس طرح سے کہ یہ کیوں کر ہوتا ہے ۔ یہ سب تنزلات سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی تشبیہ اہل تحقیق کے نزدیک ترتیب سے دی جاتی ہے ۔ یعنی "ہر شئے ہر شئے میں موجود ہے موجود ہے" ۔ اور صوفیائے کرام کے نزدیک ایسا ہے کہ ہر شئے ایک دوسرے سے انتقال پذیر ہے ۔ اور عقل کے مرتبہ میں ہر شئے ایک دوسرے سے انفاخ کرتی ہے اور عقل کا ہر مرتبہ میں نفس کلّیہ ہے اور اس کا اجماع اور جامعیت نفس کلّیہ صرف انسان کو دیا گیا ہے ۔ اور اس کا سبب انسان ہر وجود سے بلند ترین ہے ۔ اور اللہ کے صفات کی تفصیل ہے ۔ اور انسان اس عالم ناسوت جو صغیر ہے اس میں ایک اعلیٰ مقام کا حامل ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شئے مجمع کثیر میں مراتب کی حامل ہے لیکن ظہور کی قابلیت صرف انسان کو سرفراز فرمائی گئی اور بعض اون میں ایسا مقام نہیں رکھتے اور جامع حقیقت صرف انسان کو سرفراز فرمائی گئی اور اعتدال کی قابلیت کے سبب ظہور کا درجہ اس کے اپنے مثل کے اعتبارات میں دیا جاتا ہے ۔ میری جان کی پہنچ دل کی اجزائی تک بالکل ممکن نہیں ہے ۔ ورنہ دل کا لماپ اپنے یار تک رسائی کرنا کوئی مشکل کام نہیں ۔ لہذا علم کا اصول جو تمام اشیاء سے متعلق ہے ۔ خود علم ایک جامع صفت ہے جو انفرادی طور پر ہر شئے پہ غالب ہے ۔ چناں چہ علم بذات خود ایک صفتِ کاملہ ہے ۔ ہر وہ شئے جو ادراک میں موجود ہے وہ بذات خود وجود میں موجود ہوگی اور اس کے بغیر جس مقام پر بھی جائیں لاحاصل اور بغیر نفس کے درخت کے یہ تمام لاحاصل اور اصول کا اصل تمام دانستگی کی فتح ہے ۔ انسان کا اجمال اور اس کی کیفیت حقیقی یہ ہے کہ بیج کے اعتبارات ہی میں ثمر پوشیدہ ہے اور یہی وہ قوت ہے جو مقاصد کی برآیندگی سے متعلق پہ موقف ظاہر کرتا ہے ۔ اس تفصیل میں ہر کام سامنے آجاتا ہے ۔ حالاں کہ ہر شئے جو بہ دست ہوتا ہے وہ بالکل موجود اور قابلِ ایصال ہے ۔ اس امر میں کوئی شئے بھی عدم نہیں ہے ۔ وہ رواں دواں ہے اور اس اعتبار سے وجود اول ظہور میں ہر تجلّی کے اعتبار سے ہر موجود میں ایک نیا معاملہ

اور ہر کیفیت میں ایک نئی شان پیدا کرتا ہے اور موجودات میں بھی وہی کیفیت ہے جو تجلّی کو تکرار نہ ہونے کے اعتبارات میں ظہور پذیر ہے۔ اس کو فنا کی علاحدہ اور ظہور کی علاحدہ صورت سے متصف کیا گیا ہے تو ابتدا غیر موجود وجود میں بقا حاصل کرتا ہے۔ حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی اپنی تالیف "اشعۃ اللمعات" میں ارشاد فرماتے ہیں: اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے ایک آئینہ میں صرف ایک ہی مرتبہ ایک وجود کا انعکاس ہے اور دوبارہ دوسری صورت کا انعکاس ہرگز نہیں ہے۔ اور دوسرے آئینہ میں دوسری صورت ہرگز نمودار نہیں ہوتی۔ حضرت ابوطالب مکیؒ فرماتے ہیں: حق سبحانہٗ تعالیٰ صرف ایک ہی صورت میں تجلّی نہیں فرماتا اور ایک شخص دوبارہ ایک آئینہ میں دوسری صورت میں ہرگز نمودار نہیں ہوتی یہ سب حالات تجلیات متقاضیہ کے ہیں جو پس پردہ ہوتی ہے اور پھر اللہ جل شانہٗ ان اعتبارات میں جیسا کہ حق پھر اپنے اعتبار میں ایصال ہے اور اگر اس تعلق سے سوال کیا جائے اور مکلفین جو دنیا میں اور آخرت میں حالاں کہ ان کیفیات کے تعلق سے تجلّی کو تکرار لازم آتی ہے کہ مکلف اس تعلق سے غیروں میں جب کہ عمل کا وقت ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ اجسام کا وقت جو حشر سے متعلق ہے اور اعمال کی جزا اور حشر ہر دو اپنے اعتبارات میں اور جو بھی ماحول اس پر گزر گیا ہے اور ساتھ ساتھ طریقیت یا کشف کے اعتبار میں جواب اس طرح لیتے ہیں تو یہ پتہ چلا کہ آدمی کی حقیقت میں آدمی بصورت انفرادیت مختلف ہیں۔ لیکن وجود ذات کا معاملہ اور حقیقت معلوم کے اعتبار میں مسئلۂ ہمہ اوست کے تحت جیسا کہ علمِ قدیم کے لحاظ سے سب سے اور فیض رسانی اور وجود حق تعالےٰ ان اعتبارات میں جیسا کہ صفات ذات وجود و نمود و شہود و ظہور ہر طرح ایک دوسرے سے انفصالی اعتبارات میں عدم المعدوم کے

اقتباس از صفحۂ اوّل

یوم آخرت تک جو مراتب خداترس اور عبادت گزار اور صالحین جو مومنین سے ہیں اور اس کون و مکاں کے وہ میثاق اور جملہ ذاکرین وہ سب ایک قطب وقت کے حکم کے تابع ہیں اور وہ افراد جو ہر اعتبار میں اکملیت رکھتے ہیں۔ جن کا وطیرہ عدل پر ہے تو اون کے مراتب بھی قطب کے برابر ہے مگر اون کا اخراج ان درجات میں ہے جن کے لیے حکم ہے اور اللہ جل شانہٗ کی جانب سے اون کو چن لیا گیا ہے۔ اور اون میں بعض اللہ جل شانہٗ کے رازداراں ہیں۔

جواہر الحقائق

تصنیفِ لطیف ماہرِ علوم دینِ طریقت واقف رُموز معرفت وحقیقت حافظِ قرآن مجدّد جنوب حضرت

شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ العزیز المتوفی ۱۲۸۹ھ

نوادر الدقائق ترجمہ جواہر الحقائق

ترجمہ وتشریح

حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی شفاء ڈسپنسری. ویلور

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل — ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا — ذکر تیرا روح کو میری شفا

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا — دوستو زندگی کا پیام آگیا
آپؐ کی مدح انسان کیا کرسکے — عرش سے جب درود و سلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے اور ہزاروں ہزار بار درود وسلام اس دربارِ گہربار خلاصۂ کائنات فخرِ موجودات محسنِ اعظم، فخرِ آدم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کی بدولت وطفیل اسلام کا بول بالا ہوا اور شرک وضلالت، کفر وجہالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمدللہ! زیرِ نظر کتاب ”نوادر الدقائق“ ترجمہ ”جواہر الحقائق“ کی یہ ۱۷ ستر ہویں قسط ہم آپ کی خدمت

ہیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو کتاب "جواهر الحقائق" کے فائدہ نمبر چھ (۶) کے بقیہ حصہ کا ترجمہ ہے۔

اس ترجمہ کے تعلق سے عرض ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ ہر اعتبار سے لفظی اور با محاورہ ہو اور جہاں عبارت دقیق اور مشکل معلوم ہوتی ہے۔ وہاں عبارت کا خلاصہ یا حاصلی ترجمہ کر دیا ہے۔ پھر بھی بعض مقامات پر مشکل اور ادق الفاظ کے افہام و تفہیم میں دشواری محسوس ہونے پر حتی الوسع قوسین کے اندر اس کی تسہیل کر دی ہے۔ جو راقم الحروف مترجم کی طرف سے ایک تخفیف اور ہلکا سا اضافہ اور فائدہ ہے۔ اور جہاں تشریح کا مستقل عنوان ہے وہاں مترجم کی طرف سے مزید افہام و تفہیم کی ایک ادنیٰ تشریح اور کوشش سمجھیں۔

زیر نظر کتاب نوادر الدقائق ترجمہ جواهر الحقائق کی یہ سترھویں قسط الحمد للہ درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔

۱۔ ارواح مُہیّمہ۔	۲ ملائکہ مجردہ و ملائکہ طبیعیّہ۔
۳۔ اللہ کی کتابیں۔	۴ کتاب المحو والاثبات۔
۵۔ انسان کامل۔	۶ تشریح مترجم۔
۷۔ میاں بیوی اور اولاد۔	۸ جڑوان بچے کی اصل۔
۹۔ آیتِ کلام پاک کی تفسیر۔	۱۰ تشریح مترجم۔

پیوستہ قسط ۱۶ میں یہ بحث گزر چکی تھی کہ جس طرح ایک مصور اپنے ذہن و دماغ میں بیٹھے ہوئے نقش و شکل کے مطابق موم کے ذریعہ شکل بناتا ہے۔ پھر اس شکل و صورت پر اپنی کاریگری اور فن کاری کا کرشمہ پیش کرتا ہے۔ اسی طرح مُصوّرِ مطلق خالقِ کائنات بھی اپنی حکمتِ بالغہ اور اسرار و رموز سے انسانی نفوس کو ایک کیفیت سے دوسری کیفیت اور ایک شکل سے دوسری شکل اور سانچہ میں ڈھالتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس تفصیل کے بعد صاحبِ کتابِ جواہر الحقائق حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ارواحِ مُہیّمہ

یہ جان کو شیخ کے نزدیک پہلی قسم کے ارواح یعنی مُہیّمہ کا فرشتوں پر اطلاق نہیں ہوتا۔ ہاں مجازاً ہوتا ہے (حقیقتاً نہیں) ایسا اس لیے ہے کہ فرشتہ کے معنی "ارسال" کے ہیں اور "ارسال" کہتے ہیں پیغام پہنچانے کو اور یہاں اس معنی میں پہنچانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور یہ ارواح بھی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مطلق کے فیض کے بغیر کسی واسطہ (فرشتہ) کے خود بخود فیض حاصل کرتے ہیں۔ مگر یہ فیض کے قریب میں سلسلہ وار ترتیب سے واقع ہیں اور عقلِ کل بھی بغیر کسی واسطہ اور وسیلہ کے فیض حاصل کرتی ہے۔ بہرکیف ترتیب وار سلسلہ سے مستفیض (فیض حاصل ہونے) کا یہی مقام ہے۔ کیونکہ اکوان (موجودات) کے دائرہ میں مُہیّمہ کا نام موجود نہیں ہے۔

ملائکۂ مجردہ و ملائکۂ طبیعیہ

اور صاحب "مفاتیح الاعجاز" شارح "گلشن راز" نے بھی فرشتوں کے تذکرہ میں یہی چار اقسامِ باقیہ یعنی (۱) عقول (۲) نفوسِ (منطبعہ) (۳) ارواح اور (۴) قویٰ کو شمار کیا ہے۔

یہ عقول و نفوس ملائکۂ مجرّدہ کہلاتے ہیں۔ اور ارواح و قویٰ (جو دراصل) عالمِ اجسام ہیں۔ موکّل ہیں۔ انہیں ملائکۂ طبیعیہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ کہ ان کا طبعی وجود عالمِ شہادت کے بعد ہی واقع ہوا ہے۔ ان کی قربت و نزدیکی اور لطافت کے سبب سے انھیں تعیّن ثانی سے تعیّن ثالث میں شمار کیا گیا ہے یعنی مرتبت الارواح میں شمار کیا گیا۔ مولانا عبد العلیؒ کی کتاب "رسالۃ التنزلات" میں اسی طرح کہا گیا ہے۔

اللہ کی کتابیں

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تمام فرشتے (دراصل) "کتاب اللہ" یعنی اللہ کی کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں بعض اصولی ہیں اور بعض فروعی۔ چناں چہ علامہ قیصریؒ نے اپنی کتاب "شرح الفصوص" کے مقدمہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

عقلِ اوّل اور نفسِ کلّیہ یہ دونوں "اُمّ الکتاب" کی صورتیں ہیں اور یہ اُمّ الکتاب بھی حقیقت میں) خدائی کتابوں کے علم کا ظہور ہیں۔ اس لیے عقلِ اول کو "ام الکتاب" کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ عقل تمام چیزوں کو اجمالاً احاطہ کی ہوئی ہے۔ اور نفسِ کلّیہ کو "کتابِ مُبین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس نفس کے اندر تمام اشیاء کا ظہور تفصیلاً موجود ہے۔

کتابُ المحو والاثبات

اور کتاب المحو والاثبات (یعنی مٹا دینا اور معدوم کردینا اور ظاہر کرنا) یہ کتاب جسمِ کلّی میں نفس منطبعہ کا تعلق حوادث کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ پھر یہ محو و اثبات بھی شخصی صورتوں میں واقع ہوتا ہے۔ جو اس نفس کے احوال کے اعتبار سے انسان کے لیے لازم ہے۔ اور احوال کی اصلی اور مشروط استعداد و قابلیت کے مطابق و موافق اس کا ظہور و وجود بھی مقررہ آسمانی وضع قطع کے ساتھ ان لوگوں کے حق میں ہوتا ہے جو ان صورتوں کے ساتھ تلبّس و مشابہت بھی رکھتے ہوں۔ اور من جانب اللہ ان پر فیض پہنچانے والے احوال بھی ہوتے ہیں۔ جو اسمِ مدّبر کے ساتھ ماحی مٹانے والے) اور مُثبت (ظاہر کرنے والے) اور فعّال (جو چاہے خوب کام کرنے والے) اور ان کے مانند بھی ہوتے ہیں۔

انسانِ کامل

اور انسانِ کامل ان ہی مذکورہ کتابوں کی ایک ایسی جامع کتاب ہے جو یقیناً عالمِ کبیر کا ایک نسخہ ہے۔ اس حیثیت سے انسان کی روح اور عقل "کتابِ عقلی" ہے۔ جو "امّ الکتاب" سے یاد کی جاتی ہے اور انسان کے دل کے اعتبار سے اس کو "کتاب اللوح المحفوظ" کہتے ہیں۔ اور اس کے نفس کے اعتبار سے اس کو کتاب المحو والاثبات" کہا جاتا ہے۔

تشریحِ مُترجم

غرض لوح محفوظ میں تغیّر وتبدّل کی دونوں قسمیں موجود اور مکتوب ومرسوم ہیں۔ جو ہر طرح کے تغیر وتبدل سے بھی محفوظ ہیں۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ کی مشیت میں مٹانا مقصود ہو تو وہ مٹے اور جسے ظاہر کرنا مقصود ہو وہ ظاہر ہی رہے اور وہ ویسے ہی محفوظ رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں: لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ہر مدت اور وقت کے لیے کتاب موجود ہے۔ یعنی ایک لکھا ہوا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے برقرار رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب بھی ہے یعنی ایسی لوح بھی ہے جو محو اور اثبات جدید سے محفوظ ہے۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت عملی کے موافق جس حکم کو چاہیں منسوخ بھی کرتے ہیں اور جس کو چاہے باقی بھی رکھتے ہیں۔ اور یہ اللہ کی حکمت اور مصلحت کے تحت ہے کہ جس قوم کو چاہے مٹائے اور جسے چاہے اس کی جگہ بٹھائے اور جن اسباب کی چاہے تاثیر بدل دے اور جن کی چاہے نہ بدلے۔ جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کر دے اور جو چاہے شرائط وقوانین کے نہ پائے جانے کی وجہ سے موقوف کر دے۔

غرض ہر قسم کی تبدل وتغیر، اور بیخ نیخ، محو واثبات، نسخ واحکام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ قضا وقدر کے تمام دفاتر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور سب تفصیلات وتحقیقات اور دفاتر کی جڑ جسے اصل کتاب یا "امّ الکتاب" کہنا چاہیے اسی کے پاس ہے۔ یعنی "علم ازلی محیط" جو ہر قسم کے تبدل وتغیر سے قطعاً پاک مُنزّہ ومُبرّیٰ بھی ہے اور لوح محفوظ کا ماخذ بھی۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں ہر چیز اسباب سے بنتی ہے۔ ان میں بعضے ظاہری اسباب ہیں اور بعضے پوشیدہ اور چھپے ہوئے۔ پھر اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اور فطری اندازہ بھی ہے اور اللہ جب چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دیتے ہیں اور جب چاہے ویسی ہی رکھ دیتے ہیں۔ انسان کبھی محض ایک ادنیٰ کنکر سے مر جاتا ہے جو اس کے حق میں ایک حیلہ اور بہانہ ہوتا ہے۔ اور کبھی گولی کے لگنے اور شدید چوٹ یا آکسیڈنٹ ہونے پر بھی نہیں مرتا اور صحیح وسالم بچ جاتا ہے۔

اس طرح ہر چیز اور ہر بات کا اندازہ اللہ کے علم لامحدود میں موجود ہے۔ جو ہرگز نہیں بدلتا۔ اسی اندازہ کا نام شریعت کے نزدیک "تقدیر" ہے اور یہ دو طرح کی تقدیریں ہوتی ہیں۔ اس میں ایک تقدیر تو بدلتی ہے اور ایک ہرگز نہیں بدلتی۔ اور جو تقدیر بدلتی ہے یہ تقدیرِ مُعلّق کہلاتی ہے اور جو تقدیر نہیں بدلتی یہ تقدیرِ مُبرم ہوتی ہے۔ جو کسی حال میں نہیں ٹلتی اور نہیں بدلتی۔

(تشریح ختم)

(آگے حضرت قطب وطیور قدس سرہٗ العزیز اس کتاب مذکورۃ الصدر کے تعلق سے مزید رقم طراز ہیں۔ کہ:

"فھی الصُحُف المُکرّمۃ المرفوعۃ المُطھّرۃ التّی لایَمَسُّھا ولا یُدرِك اسرارھا ومعانیھا الّا المُطھّرون"۔ اور یہ کتاب "محو و اثبات" ایسے مُکرم بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ اور پاک صحیفے ہیں جن کے معانی و اسرار و رموز کی پہچان و ادراک بھی پاک لوگوں کے لیے ہی مخصوص ہے۔ اور وہی پاک لوگ ظلمتوں کے پردوں سے ان کتابوں کو چھو سکتے ہیں اور جو کتابوں میں ان کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ کُتُبِ الٰہیہ (خدائی کتابوں) کے اصول ہیں۔ اور جو کچھ بھی عقل، نفس اور قوی رُوحانیہ (یعنی قوتِ مُتخیلہ، قوتِ مفکّرہ، قوتِ حافظہ، قوتِ ذاکرہ اور قوتِ عاقلہ) اور قُویٰ جسمانیہ (قوائے سبعہ جسمانیہ یعنی قوتِ غاذیہ، قوتِ جاذبہ، قوتِ ہاضمہ، قوتِ ماسکہ، قوتِ دافعہ، قوتِ نامیہ اور قوتِ مولدہ) وغیرہ سے وجود میں آتے ہیں۔ یہ (خدائی کتابوں کے) فروع اور شاخیں ہوتی ہیں۔ کیوں کہ ان نُفوس منطبعہ میں جو کچھ بھی شکل و صورت کا وجود ہوتا ہے یہ سب کے سب یا ان کے بعض یا تو مُجمل ہوتے ہیں یا مُفصّل۔ اور اس کا سب سے کم درجہ عینی احکام کا انتقاش (شکل اتارنا یا شکل بنانا) ہے۔ فقط انتہیٰ۔ ("شرح الفصوص" للعلّامہ قیصریؒ)

میاں بیوی اور اولاد

یہ جاننا چاہیے کہ حضرات صُوفیاء کی اصطلاح میں "فاعل" (کسی کام کا کرنے والا) اور مُؤثر (اثر کرنے والا، یا کارگر) کو زوج (شوہر) کہتے ہیں اور مُنفعل (اثر لینے والا) اور متأثّر (اثر قبول کرنے والا) کو زوجہ (بیوی) کہتے ہیں۔ پھر ان دونوں کی صحبت سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اس کو ولد (اولاد) کہتے ہیں۔ بچے کے نتیجہ کے اعتبار سے فاعل کو باپ کہتے ہیں اور منفعل کو ماں۔ کائنات کا وجود اور پیدا ہونا بغیر نکاح کے متصور نہیں ہے (یعنی اس کا خیال ہی نہیں کر سکتے کہ نکاح کے بغیر بھی انسانوں کا وجود عمل میں آئے) اور نکاح سے مراد میاں بیوی کے درمیان ایک معنوی رابطہ اور تعلق ہے۔ جو مُؤثّر اور متأثّر؛ اثر دینے والا اور اثر قبول کرنے والے میں ایک معقول سبب ہے۔ اور تمام ذُرّیات اور اولادوں میں اثر پیدا کرنے والا یہی "نکاح" ہی ہے۔ اسی معنی میں یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔

جڑواں بچّوں کی اصل

پس نکاح کا رشتہ اور تعلق سے اور اسمائے الٰہیہ کی توجہ اور اثرات سے انسانوں کے اندر خارجی موجودات پیدا ہوتے ہیں اور عقلِ کُل کا نفسِ کُل کے ساتھ ملنے اور تعلق قائم کرنے سے عُقول اور نُفوس مجرّدہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اور جب یہ دونوں یعنی عقلِ کُل اور نفسِ کُل باہم مل جائیں اور پیوست ہو جائیں تو (اس کے نتیجہ میں) ایک ہی حمل میں وَلَدین توأمین یعنی جڑواں بچے جنم دیتے ہیں۔ یعنی طبیعت کُل اور جوہر ہبا (وہ غبار جو سورج کی روشنی میں کسی سوراخ سے اڑتا معلوم ہوتا ہے) یہ طبیعت کُل جوہر ہبا کے باہم ملنے سے جسمِ کُل، شکل کُل اور عالم اجسام کا وجود عمل میں آتا ہے۔ اسی طرح کتاب "شروح الفصوص" میں بھی ہے۔ اور "نقد النصوص" میں بھی۔ نیز "شرح جام جہاں نما" میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔

اور جب قوتوں کے ساتھ نفوس کی آمیزش ہوتی ہے اور یہ باہم ملتے ہیں تو غیر مُکلّفہ موجودات میں افعال ظاہر

ہوتے ہیں۔ اور موجوداتِ مکلفہ میں افعال (کے ساتھ) اقوال عقائد و اعمال بھی ظاہر ہوتے ہیں اور یہ چاروں (افعال، اقوال، عقائد اور اعمال) برزخ، قیامت، جنت اور دوزخ میں قسم قسم سے ظاہر ہوں گے۔ اسی طرح کتاب "سبحات" میں موجود ہے۔ اس کے بعد کی باقی باتیں چالیسویں فائدہ میں آرہی ہیں۔ (وہاں ملاحظہ فرمائیں۔)

آیتِ کلام پاک کی تفسیر

علامہ قیصری نے اپنی کتاب "شرح فص الآدمیہ" میں کلام پاک کی یہ آیت یاایّھا النّاس اتّقوا ربّکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا وبثّ منھما رجالاً کثیرًا ونسآءً ۰ (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی جان سے اس کا جوڑا بھی بنایا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں) کے تحت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ کا معنیٰ اور مطلب:

۱۔ عالمِ جبروت کی نسبت سے یہ ہے کہ:

اتّقوا ربّکم الذی خلقکم من عینٍ واحدۃٍ: تمہارے رب سے ڈرو جو تمہیں "عینِ واحد" (ایک عمدہ جوہر) سے پیدا کیا۔ اور وہ "عینِ واحد" عقلِ اول ہے۔ وخلق منھا زوجھا اور اس عقلِ اول سے بنایا اس کا جوڑا جو نفسِ کلیہ ہے۔ وَبثّ منھما رجالاً کثیرًا ونسآءً اور پھیلائے ان دونوں سے یعنے عقلِ کل اور نفسِ کلیہ سے بہت سارے مرد اور عورتیں اور وہ ہیں عقول اور نفوسِ مجرّدہ۔

۲۔ اور اس آیتِ شریفہ کا معنیٰ و مطلب "عالمِ ملکوت" کی نسبت یہ ہے۔ کہ:

خلقکم من ذاتٍ واحدۃٍ: پیدا کیا تم کو ایک ہی ذات سے اور وہ ذات نفسِ کُلّیہ ہے وخلق منھا زوجھا: اور بنایا اس ذات سے اس کا جوڑا اور وہ طبیعتِ کُلّیہ ہے۔ وَبثّ منھما رجالاً کثیرًا اور پھیلائے ان دونوں سے یعنے نفسِ کلّیہ اور طبیعت کلّیہ سے بہت سے مرد اور وہ ان نفوس ناطقۂ مجردہ ہیں ونسآءً اور یہ نفوسِ منطبعہ اور باقی قوتیں ہیں۔

۳۔ اور اس آیت شریفہ کا معنیٰ "عالم الملک" کی نسبت اور تعلق سے تو ظاہر ہی ہے۔

انتہیٰ۔ (شرح فص الآدمیہ) یعنی اس آیت کا معنیٰ "عالم الملک" کی نسبت یہ ہوگا کہ خلقکم من نفسٍ واحدۃ بنایا تم کو ایک جان سے اور وہ جان ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ وخلق منھا زوجھا اور بنایا اس نفس واحد سے اس کا جوڑا اور وہ اُمّ البشر حضرت حوّا علیہا السلام ہیں۔ وَبثّ منھما رجالاً کثیرًا ونسآءً اور نکالے ان دونوں سے بہت سارے رجال کثیرا اور نساء کثیر یعنے اولادِ بنی آدم میں سے تمام مرد اور عورتیں۔

"مثنوی شریف" میں مولانا روم فرماتے ہیں کہ : ے ارادہ اور ہتھیار سے ملنا اور بیٹھنا ہے یعنی مجامعت کا طریقہ اختیار کرنا ہے۔ اور اولاد کے لیے صحبت اور مجامعت شرط ہے۔ جُفتی (مُباشرت) کے بغیر آدمی بے ہتھیار آدمی ہے۔ اگر مباشرت کرنے میں شک و شبہ اور جھجک محسوس کررہا ہے تو ایسا شخص بلا شبہ ہمیشہ انفرادی زندگی ہی بسر کریگا۔ جب ستارہ کسی ستارہ کے قریب و نزدیک ہوتا ہے تو ان دونوں کی قربت و نزدیکی سے روشنی تیز ہوتی ہے اور اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مرد و زن (عورت) کی نزدیکی اور مجامعت سے انسانوں کا وجود عمل میں آتا ہے۔ پتھر اور فولاد کے ٹکراؤ سے شرر (چنگاریاں) نکلتی ہیں۔ مٹی اور بارش کی آمیزش اور ملاوٹ سے سبزہ اُگتا ہے میوے، پھل، پھول اور خوشبو کی مہک ہوتی ہے۔ اور جب انسان کے پاس ہریالی، سرسبز و شادابی اور گل و لالہ ہو تو اس کے دل کو ان ہریالیوں اور پھولوں کی وجہ سے سکون، خوشی، راحت اور فرحت میسر ہوتی ہے۔ اور غم غلط ہو جاتا ہے اور جب ہمارے دل کو سکون و خوشی میسر ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے احسان اور خوبیوں میں بے انتہا افزائش اور بڑھوتری حاصل ہوتی ہے۔

تشریحِ مترجم

حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اول تو حضرت حوا علیہا السلام کو اُن کی بائیں پسلی سے نکالا اور پھر ان دونوں کے ذریعہ تمام انسانوں مردوں اور عورتوں کو جنم دیا اور تمام دنیا میں پھیلا دیا۔ جو درحقیقت ان سب کو ایک ہی جان اور ایک ہی شخصیت سے اللہ تعالےٰ نے وجود بخشا۔ مطلب یہ ہوا کہ جب تم سب کو نیست سے ہست نفی سے اثبات، انکار سے اقرار اور (عدم) سے وجود میں لانے والا اور پھر تم سب کو باقی اور قائم رکھنے والا وہی وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی ہے تو اس سے ڈرنا اور خوف کھانا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا بھی ایک امر لازمی اور ضروری ہے۔

یہاں اس آیتِ شریفہ کے اندر دو۲ باتوں کی طرف اشارہ اور توجہ دلائی گئی ہے۔ اولؔ یہ کہ اللہ تعالےٰ تم سب کا خالق و پروردگار اور ساری کائنات کا موجد ہے۔ دوسرؔے یہ کہ تمام انسانوں کے لیے وجود کا سبب و ذریعہ جس سے اللہ تعالےٰ نے سب کو پیدا فرمایا وہ ایک ہی جان و ذات ہے یعنے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ ہمارا اصلی تعلق تو اللہ کی ذات سے ہے اور ہمارے ذمہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری بھی لازمی اور لابدی ہے کہ وہ ہمارا خالق اور پالنہار ہے۔ وہیں تمام مخلوقات میں خاص بنی نوع انسان کی رعایت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا بھی ہم پر ضروری ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو قرب و نزدیکی اور اتحاد و اتفاق افرادِ انسانی میں باہم موجود ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ حاصل نہیں ہے۔

اسی وجہ سے شرعًا بھی اور عقلاً بھی آدمیوں میں باہم مُواخاۃ، ہمدردی، حسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت کا حکم و تاکید کی گئی ہے۔ اس کے برخلاف بدسلوکی اور بداخلاقی نہ صرف مذموم و معیوب ہے بلکہ قبیح و معتوب ہے۔ حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں :

ے

بنی آدم اعضائے یک دیگراند　　که درآفرینش زیک جوہراند
جو عضوے بدرد آورد روزگار　　دگر عضو ہارا نماید قرار

یعنی اولادِ آدم کے آپس میں ایک دوسرے کے اعضا گویا ایک ہی ہیں۔ کیوں کہ ان کی تخلیق و پیدائش روزِ ازل سے یعنے شروع ہی سے ایک ہی جوہر سے ہے۔ جب جسم کے کسی ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے بدن کے سارے اعضاء متاثر ہوتے ہیں اور بے قرار ہوجاتے ہیں اور بفحوائے **المسلمون کلهم لنفسٍ واحدة ان اشتكى رأسه اشتكى كلّه وان اشتكى عينه اشتكى كلّه** : (تمام دنیا کے مسلمانوں کی مثال و حالت ایک سالم و مکمل جسم کی طرح ہے۔ جب اس کے سر میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے پورے جسم کو تکلیف پہنچتی ہے اور جب اس کی آنکھ میں درد ہوتا ہے تو پورا جسم اس سے متاثر ہوتا ہے اور بے قرار ہوجاتا ہے۔)

غرض اس جگہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے جہاں اپنی خالقیّت ظاہر فرما کر اپنی اطاعت اور تابعداری کا حکم صادر فرمایا ہے، وہیں بنی آدمؑ کے اصلی اتحاد و اتفاق کو جتلا کر اس طرف اشارہ فرماتا ہے کہ تم آپس میں ایک ہوکر رہو اور نیک بن کر رہو۔　　(تشریح ختم)

(جاری)

لطفِ حیات

چل نہیں سکتا کبھی چارہ کسی تدبیر کا　　مٹ نہیں سکتا نوشتہ عمر بھر تقدیر کا
موت کے قابو میں ہوتی ہے ہماری زندگی　　صاحبِ تدبیر بھی مجبور ہے تقدیر کا
ہر مصیبت اب اٹھائی جا رہی ہے شوق سے　　دل وہ ثابت ہے کوئی شکوہ نہیں تقدیر کا
آپ کی چشمِ عنایت نے کیا ہے سرفراز　　آج اک مجبور بھی مختار ہے تقدیر کا
عشق کی سرگرمیاں ہیں ضامنِ لطفِ حیات　　آخری انجام ہے تدبیر ہی تقدیر کا
ہمدمو! تدبیرِ انسانی کا حاصل ہے یہی!　　پانچ حرفوں میں بنا ہے آئینہ تقدیر کا

کوچۂ جاناں میں جو مجبور بیٹھا ہے فصیحؔ
دو جہاں اس کے ہیں وہ مختار ہے تقدیر کا

داروغہ محمد ابراہیم فصیحؔ ادہونی

نقوشِ طاہر

سالنامہ اللطیف ۱۹۸۲ء میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور کا ایک مفید مضمون بنام **علم و عقل و دانش ہی سے مشکل ترین مسائل حل ہوتے ہیں** شائع ہوا تھا۔ جس کی افادیت کے پیش نظر موجودہ شمارہ پیش کیا جارہا ہے۔ ادارہ

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اسلامی علوم و فنون سے بہرورہ ہو رہے ہیں۔ یہی وہ روحانی علوم و معارف ہیں، جن کی بدولت حاصل ہوتی ہیں اور ان ہی علوم کی معرفت سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی وہ علوم ہیں جن کے ذریعہ پیچیدہ اور دقیق مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے اور مشکل ترین سوالات کے جوابات بآسانی دیے جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک روز ایک شخص آیا اور کہنے لگا: امام صاحب اس شخص کے بارے میں آپ کا فتویٰ کیا ہے جو جنّت کا امیدوار نہیں ہے اور نہ اس کو دوزخ کا ڈر ہے نہ خدا کا خوف ہے وہ مردار کھاتا ہے۔ بے رکوع وسجود کی نماز پڑھتا ہے۔ بن دیکھے گواہی دیتا ہے، رحمت سے بھاگتا ہے۔ فتنہ کو دوست رکھتا ہے۔ حق سے انکار کرتا ہے یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ امام اعظم نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ اس قسم کی صفات سے متصف شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا: ایسا آدمی تو نہایت بُرا ہے اور اس کے یہ اوصاف کفر کے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں نہیں یہ تو خدا کا دوست ہے۔ پھر آپ سائل کی طرف مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ تم آئندہ سے میری غیبت اور برائی کروگے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ امام صاحب نے فرمایا: اگر تم وعدہ کرو تو میں تمہارے سوالات کے جواب بتلاؤں گا۔ اس نے اقرار کیا۔ آپ نے یہ جوابات

دینا شروع کیا:

وہ شخص جو جنّت کا امیدوار نہیں ہے، وہ ربّ جنّت کا امیدوار اور طالب ہے۔ اس کو جو دوزخ کا ڈر نہیں ہے، وہ خالقِ دوزخ سے خوف کرتا ہے اور اس کو خدا کا خوف اس لیے نہیں ہے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بے جا ظلم نہیں کرے گا۔ وہ مچھلی کھاتا ہے، جس کا کھانا جائز ہے۔ اور جو بے رکوع و سجود نماز ادا کرتا ہے وہ نماز جنازہ ادا کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کو دیکھے بغیر گواہی دیتا ہے اور وہ رحمت سے بھاگتا ہے، جب کہ بارش نازل ہوتی ہے تاکہ کسی عمارت میں اپنے آپ کو محفوظ کرلے، اور فتنہ کو عزیز رکھتا ہے اور وہ فتنہ اولاد و مال ہے۔ جس کو وہ دوست رکھتا ہے۔ حق سے انکار کرتا ہے۔ یعنی موت حق ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ عمر حاصل ہو تاکہ اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔ یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرنے سے مراد یہ ہے کہ کلامِ پاک میں اللہ تعالےٰ نے یہود و نصاریٰ سے متعلق جتنی آیات نازل فرمایا ہے ان تمام کی وہ تصدیق کرتا ہے۔

امام صاحب کے مؤثر اور دل نشین جوابات سن کر سائل نے آپکی علمی جلالت و وجاہت کا اعتراف کیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ایک روز حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے ایک رہبان نے کہا کہ میں آپ سے چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں، اگر آپ انکے جوابات عنایت فرمائیں تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ چنانچہ رہبان نے یہ سوالات پیش کیا:

وہ کیا چیز ہے، اس چیز جیسی کوئی چیز نہیں ہے؟ وہ دو چیزیں کیا ہیں جن کا تیسرا نہیں ہے؟ وہ تین کیا ہیں، جن کے ساتھ چوتھا نہیں ہے؟ وہ چار کیا ہیں، جن کے مانند پانچواں نہیں ہے؟ وہ پانچ کیا ہیں؟ جن جیسا چھٹا نہیں ہے؟ وہ چھ کیا ہیں؟ جن کے ساتھ ساتواں نہیں ہے؟ وہ سات کیا ہیں؟ جن کے ساتھ آٹھواں نہیں؟ وہ آٹھ کیا ہیں؟ جن کے ساتھ نواں نہیں؟ وہ نو کیا ہیں؟ جن کے ساتھ دسواں نہیں ہے؟ وہ دس کیا ہیں؟ جو کامل ہیں؟ اور گیارہ کیا ہیں؟ بارہ کیا ہیں؟ تیرہ کیا ہیں؟ اور چودہ کیا ہے؟ جو اللہ تعالےٰ سے باتیں کرتا ہے؟ اور وہ کیا چیز ہے؟ جو بغیر روح کے سانس لیتی ہے؟ وہ کونسی قبر ہے؟ جو صاحبِ قبر کو لیے پھرتی ہے؟ وہ پانی کون سا ہے؟ جو نہ آسمان سے نازل ہوا اور نہ زمین سے نکلا؟ اور وہ چار چیزیں کیا ہیں؟ جو نہ جن ہیں اور نہ آدمی اور نہ فرشتہ اور نہ باپ کی پشت سے ہیں اور نہ ماں کے شکم سے؟ اور یہ بتلائیے کہ اللہ تعالےٰ نے کتنے نبی پیدا کئے؟ جن میں مرسل اور غیر مرسل کتنے؟

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اگر میں سوالات کے جواب دوں تو کیا تم اللہ پر اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ گے؟ سب نے اقرار کیا۔ جس کے بعد حضرت موصوف نے سوالات کے جوابات

دینا شروع کیے۔

وہ ایک کیا ہے؟ اس جیسا دوسرا کوئی نہیں؛ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہ دو جن کے ساتھ تیسرا نہیں ہے، وہ رات اور دن ہے۔ اور وہ تین جن کے ساتھ چوتھا نہیں ہے، وہ عرش، کرسی اور قلم ہیں۔ اور وہ چار جن کے ساتھ پانچواں نہیں، وہ چار آسمانی کتابیں ہیں: توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن۔ اور وہ پانچ جن کے ساتھ چھٹا نہیں: وہ نماز پنجگانہ ہیں، جو تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہیں۔ وہ چھ جن کے ساتھ ساتواں نہیں ہے وہ چھ دن ہیں جن کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولقد خلقنا السمٰوات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام۔ اور وہ سات ہیں جن کے ساتھ آٹھواں نہیں ہے: وہ سات آسمان ہیں اور وہ آٹھ جن کے ساتھ نواں نہیں ہے: وہ آٹھ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور وہ نو کے ساتھ دسواں نہیں ہے۔ وہ نو آدمیوں کا گروہ ہے جنھوں نے زمین پر فساد کیا تھا۔ اور وہ دس جو کامل ہیں: وہ دس فرائض ہیں جن کی ادائیگی مکۂ معظمہ میں حاجیوں پر فرض ہے، جب کہ وہ حرم میں ہوں۔ اور جو گیارہ ہیں: وہ برادرانِ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ اور جو بارہ ہیں؛ وہ سال کے بارہ مہینے ہیں۔ اور جو تیرہ ہیں: وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب ہیں۔ اور وہ چودہ چیزیں جو خدا کے ساتھ کلام کرتی ہیں: وہ سات آسمان اور سات زمین ہیں اور وہ چیز جو بغیر روح کے سانس لیتی ہے: وہ صبح ہے اور وہ قبر جو اپنے صاحب کو لیے پھرتی ہے: وہ حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی ہے۔ اور یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے نبی پیدا کیے، جن میں مرسل اور غیر مرسل کتنے ہیں: وہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ کئی ہزار نبی پیدا کیے جن میں سے تین سو تیرہ مرسل ہیں۔ اور وہ پانی جو نہ آسمان سے نازل ہوا اور نہ زمین سے نکلا: وہ گھوڑے کا پسینہ ہے، جسے حضرت بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک شیشہ میں بھیجا تھا۔ اور وہ چار چیزیں جو نہ جن ہیں، نہ آدمی ہیں، نہ فرشتے ہیں نہ باپ کی پشت اور نہ ماں کے شکم سے ہیں: وہ چار یہ ہیں: ایک وہ دُنبہ جس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے وقت حضرت جبرئیلؑ نے حاضر کیا تھا۔ دوسری وہ اونٹنی ہے جس کا ظہور ایک چٹان سے ہوا، جو حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تیسرے حضرت آدم علیہ السلام اور چوتھی حضرت حوّا علیہما السلام۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کے ان جوابات کو سن کر سب مشرف بہ اسلام ہوے۔

ایک روز حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے پاس ایک مجوسی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت ایک حدیث کا مطلب دریافت کرنے کے لیے آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ: التقوٰی بفراستہ المؤمن فانہ ینظر من نور اللہ۔ مؤمن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے زنار توڑو، کفر سے باز آجاؤ اور کلمۂ طیّب پڑھ کر اسلام قبول

کرو۔ مجوسی اس جواب سے بے حد متاثر ہوا، اور اسی وقت کلمۂ طیّب پڑھتے ہوئے داخل اسلام ہوگیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے پوچھا: اے ابوبکرؓ! آپ کو یہ بلند مرتبہ کن باتوں سے حاصل ہوا؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: پانچ باتوں سے:

اول یہ کہ میں نے دو طرح کے لوگ پائے۔ لوگوں کی پہلی قسم وہ ہے جو دُنیا کی طلب میں سرگرداں ہیں اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو آخری زندگی کی طلب میں کوشاں ہیں اور میں نے اپنے مولیٰ کی طلب میں کوشش کی۔

دوسرا یہ کہ میں مشرف بہ اسلام ہوا ہوں، کبھی دنیا کا کھانا پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ اس لیے کہ عرفانِ حق کی لذّت نے مجھے دنیا کے کھانے سے بے نیاز کر دیا ہے۔

تیسرا یہ کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں، کبھی دنیا کا پانی سیر ہو کر نہیں پیا۔ اس لیے کہ محبتِ الٰہی کے پانی نے مجھے سیراب کر دیا ہے۔

چوتھے یہ کہ جب دینی و دُنیاوی دونوں کام میرے سامنے پیش ہوتے ہیں، تو میں دُنیا کے کام کی پروا کئے بغیر دین کے کام کو مقدّم سمجھا اور اسی پر عمل کیا۔

پانچواں یہ کہ میری صحبت سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ رہی اور حضورؐ پرنور کی یہ صحبت بڑی ہی اچھی رہی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ان جوابات میں مسلمانوں کے لیے ہدایت ہے کہ وہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں اور دُنیوی زندگی کے مقابلہ میں اُخروی اور ابدی زندگی کو ترجیح دیں اور سارے کاموں میں اللہ کی رضا و خوشنودی کو مقدّم رکھیں اور صالح صحبت کو غنیمت سمجھیں اور نیکوکاروں کی ہم نشینی اختیار کریں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ایک روز توراۃ کے ایک عالم نے پوچھا: اے علیؓ! کیا میں آپ سے چند سوالات کر سکتا ہوں؟ آپؓ نے فرمایا: پوچھیے! تمہیں جو کچھ بھی پوچھنا ہے۔ عالِم نے کہنا شروع کیا: وہ شخص کون ہے؟ جس کا کوئی باپ ہے نہ ماں؟ اور وہ عورت کون ہے جن کا نہ کوئی باپ ہے نہ ماں؟ وہ کون مرد ہے، جس کا باپ نہیں، ماں ہے؟ اور وہ کون سی چٹان ہے؟ جس میں ایک جانور پیدا کیا گیا؟ اور وہ کون عورت ہے؟ جو تین لمحوں میں بچّہ پیدا کی ہے؟ اور وہ کون دو دوست جو کبھی دشمن نہ ہوں گے؟ حضرت علیؓ نے ان کے جوابات بتانا شروع کیا:

وہ شخص جس کا نہ باپ ہے نہ ماں: وہ حضرت آدم علیہ السلام اور وہ عورت جن کی کوئی ماں نہ باپ: وہ حوّا علیہم السلام ہیں۔ اور وہ مرد جن کے باپ نہیں ماں ہے: وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور وہ جانور صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہے، جو آپؑ کے معجزے کی برکت سے چٹان سے پیدا ہوی۔ اور وہ عورت جو تین لمحوں میں بچّہ پیدا کی: وہ بی بی مریمؑ ہیں، جو ایک لمحہ میں حاملہ ہوئیں، دوسری گھڑی میں دردِ زہ شروع ہوا اور تیسری گھڑی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوے ۔ اور وہ دو دوست جو کبھی دشمن نہ ہوں گے : دوزخ اور جنت ہیں ۔
اور وہ دشمن جو کبھی دوست نہ ہوں گے : جسم اور روح ہیں ۔
حضرت علیؓ کے ان برجستہ جوابات کو سن کر توراۃ کا عالم نے بے ساختہ کہا ، بے شک علیؓ علوم کے شہر کا دروازہ ہیں : علی باب مدینۃ العلوم ۔
علمائے حق ہی ورثۃ الانبیاء ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور عمل کرتے ہیں ۔ بفحوائے کلامِ نبوت : من عملی علماء ورثۃ اللہ تعالے بمالم یعلم : اللہ تعالےٰ ان پر ان تمام علوم و فنون کو منکشف کرتا ہے ، جو نہیں جانتے ۔
موجودہ دور میں جو علماء روحانی علوم سے بہرور ہوکر مدرسوں سے نکلتے ہیں ، اگر وہ بھی اکل حلال ، صدق مقال ، تقویٰ ، پرہیزگاری اور توکل اختیار کریں اور اپنے علم پر عمل کریں اور عقل و دانش سے کام لیں تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو بھی ان تمام علوم پر مطلع فرمادے جو اولیاء و صالحین اور صوفیاء پر منکشف فرماتا ہے ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مؤمنانہ فراست و علم اور عقل و دانش ہی سے دقیق و غامض مسائل حل ہوتے ہیں ۔ جیساکہ بزرگوں کی زندگیوں میں کثرت سے اس کی مثالیں ملتی ہیں ۔
وما علینا الا البلاغ ۔

★★★★

بقیہ مضمون " سلطنت خداداد میں فارسی اور اردو " ص 122)

اشاعت و ترویج کے مواقع فراہم کیے ۔ کیا ہندوستان بلکہ بیرون ہند سے بھی ماہر تعلیم اور اہل قلم حضرات کو دعوت دے کر بلایا گیا اور ان کی صلاحیت اور بہترین مشوروں سے کما حقہٗ فائدہ اٹھایا گیا ۔ جگہ جگہ مدارس اور جامعات کا بھی قیام عمل میں آیا ۔ عوام کی نہ صرف دنیاوی ضروریات بلکہ دینی تقاضوں کو بھی مدنظر رکھ کر ان کی اشاعت اور عوام کے غلط رسوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ۔ بالخصوص عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے غلط اعتقادات کو سدھارنے کے لیے ماہر علماء کی ایک کمیٹی قائم کی ۔ جنھوں نے فقہ محمدی اور احکام النکاح جیسی کتابیں ترتیب دیں ۔ جس میں عوام کی نفسیات اور اصلاحی اقدام دونوں کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ۔ بہرحال سلطنتِ خداداد کا یہ مختصر مگر روشن دور کئی صدیوں پر بھاری ہے اور تاریخ کا ایک یادگار زرین عہد ہے جس کے عظیم الشان اور ناقابل فراموش کارنامے دیار ٹیپو سلطان شہید کا شناخت نامہ ہیں ۔



بجز حبِ محمدؐ کامل ایماں ہو نہیں سکتا

ڈاکٹر سید شاہ محمد عثمان قادری ایم اے پی ایچ ڈی؛ ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان کہ اس نے ہم سب کو اپنے پیارے حبیب سرکارِ دو عالم شافعِ روزِ محشر ساقیِ حوضِ کوثر خاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا۔

ہمارے پاس دولت نہیں تو پرواہ نہیں، تخت و تاج نہیں تو پرواہ نہیں، جاہ و حشمت نہیں تو پرواہ نہیں۔ ہم اُمتِ محمدی ہیں یہی ہمارے لیے سب کچھ ہے: ؎

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے   اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

قارئین سب سے بڑی دولت ایمان ہے۔ بغیر ایمان کے کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا۔ قرآنِ پاک میں اللہ نے کئی جگہ پر پہلے ایمان کا ذکر کیا بعد ازاں اعمالِ صالح کا ذکر، تو معلوم ہوا کہ ایمان بہت بڑی دولت ہے اور یہ دولت یہ نعمت پوشیدہ ہے نبیؐ کی محبت میں، نبیؐ کی تعظیم میں۔ نبیؐ کی نسبت میں۔ کیوں کہ بغیر نبیؐ کی محبت کے ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ ؎

بجز حبِ محمدؐ کاملِ ایماں ہو نہیں سکتا   صرف خدا کا ماننے والا مسلماں ہو نہیں سکتا

ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ماں باپ سے، اپنی اولاد سے، اپنی دولت سے، اپنی جان سے بڑھ کر نبیؐ سے محبت کریں۔ فرمانِ نبویؐ ہے: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حبِ نبیؐ حبِ محمدؐ ہی سب کچھ ہے اور اس کے بغیر سب کچھ نامکمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی محبت کے لیے نبیؐ کی محبت شرط کر دی ہے۔ نبیؐ کی محبت کو نبیؐ کی اطاعت کو اپنی محبت اپنی اطاعت قرار دیا۔

حبِ محمدؐ کے علاوہ باقی تمام محبتیں اللہ کے لیے کرنی ہے۔ جیسے والدین سے محبت کرو تو اللہ کے لیے، رشتہ داروں سے محبت کرو تو اللہ کے لیے۔ اولیاء اللہ سے محبت کرو تو اللہ کے لیے۔ ساری محبتیں اللہ کے

لیے اور نبیؐ کی محبت اللہ کی محبت ہے تو سب کی محبتیں اللہ کے لیے ہیں اور نبیؐ کی محبت اللہ ہی کی محبت ہے تو جو نبیؐ سے محبت کرے گا اللہ تعالےٰ بھی اس سے محبت کرے گا اور اسی کے لیے دونوں جہاں میں کامیابی و سرخروئی میسر ہوگی تو بغیر نبیؐ کی محبت کے کچھ بھی کرو سب بیکار ہے۔ بغیر نبیؐ کی محبت کے نبیؐ کی صحبت میں رہو تو بھی بیکار ہے۔ دور رہو مگر حبِّ نبی میں رہو تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ جن کو نبیؐ سے اتنی محبت تھی اتنی محبت تھی جس کی انتہا نہیں بظاہر نبیؐ کی صحبت نہیں ملی، نبیؐ کو نہیں دیکھا۔ مگر پھر بھی انھیں نبیؐ سے اتنا فیض ملا، اتنا مرتبہ ملا جتنا نبیؐ کی صحبت میں ملتا ہو۔

اور کئی لوگ ایسے بھی گزرے جو نبی کے نزدیک تھے، نبی کی صحبت میں تھے، مگر نبیؐ کی محبت اُن کے دلوں میں نہ تھی۔ اسی وجہ سے نبیؐ کی صحبت میں رہنے کے باوجود بھی نہ انھیں فیض ملا نہ ہدایت ملی بلکہ صرف ذلّت و رسوائی و بدنامی ملی۔ ایسے ہی ایک شخص کا ذکر بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے۔

عَنْ انسٍ قَالَ کَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِیٌّ فَاَسْلَمَ وَقَرَاءَ الْبَقَرَۃَ وَاٰلَ عِمْرَانَ فَکَانَ یَکْتُبُ لِنَبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَادَ نَصْرَانِیًا فَکَانَ یَقُوْلُ مَا یَدْرِیْ مُحَمَّدٌ اِلَّا مَا کَتَبْتُ لَہٗ فَامَاتَہُ اللّٰہُ فَدَفَنُوْہُ فَاَصْبَحَ وَلَقَدْ لَفَظَتْہُ الْاَرْضُ قَالُوْا ھٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَ اَصْحَابِہٖ لَمَّا ھَرَبَ مِنْھُمْ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا فَاَلْقَوْہُ فَحَفَرُوْا لَہٗ فَاَعْمَقُوْا لَہٗ فِی الْاَرْضِ مَا اسْتَطَاعُوْا فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْہُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا ھٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِہٖ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا لَمَّا ھَرَبَ مِنْھُمْ فَاَلْقَوْہُ فَحَفَرُوْا لَہٗ فَاَعْمَقُوْا لَہٗ فِی الْاَرْضِ مَا اسْتَطَاعُوْا فَاَصْبَحَ وَلَقَدْ لَفَظَتْہُ الْاَرْضُ فَعَلِمُوْا اَنَّہٗ لَیْسَ مِنَ النَّاسِ فَاَلْقَوْہُ۔ [بخاری شریف]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں ایک نصرانی آدمی مسلمان ہوگیا تھا۔ اس نے سورہ بقرہ اور سورہ آلِ عمران دونوں پڑھ لی تھیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو کتابتِ وحی کی خدمت سپرد کردی تھی۔ (چند روز کے بعد) وہ شخص پھر نصرانیت کی طرف چلا گیا۔ اور یہ مشہور کیا کہ جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے وہی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو مار دیا۔ جب لوگوں نے اس کو قبر میں دفن کیا۔ صبح کو دیکھا تو قبر سے باہر پڑا ہوا تھا۔ کافروں نے کہا: یہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا کام ہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اس نے اپنے دین کو بدل دیا ہے تو انھوں نے اس کو قبر سے نکال کر پھینک دیا۔ یہ قبر پہلے سے بھی گہری کھودی صبح کو پھر قبر سے باہر دیکھا۔ پھر وہی کہا کہ یہ چونکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کو چھوڑ دیا، اس لیے وہ ایسی حرکت کرتے ہیں کہ اس کو قبر سے نکال باہر پھینک دیتے ہیں۔ اس روز انھوں نے اس سے بھی زیادہ گہری قبر کھودی

اوراس میں دفن کردیا۔ صبح کو قبر نے پھر باہر نکال کر پھینک دیا۔ تب لوگوں نے کہا تب لوگوں نے کہا کہ یہ انسان کا کام نہیں۔ چنانچہ اس کو کسی مقام پر اٹھا کر پھینک دیا گیا۔

حاصل تحریر یہ وہ نصرانی نبیؐ کی صحبت میں رہنے کے باوجود بھی، کاتب وحی کا مرتبہ پانے کے باوجود بھی اس کی اتنی ذلت ہوی کہ زمین نے اس کو پسند نہیں کیا، اس قبول نہیں کیا۔ کیوں کہ اس کو نبیؐ سے محبت نہیں تھی، نبیؐ سے نسبت نہیں تھی اور جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پسند نہ کریں اس کو کوئی چیز پسند نہیں کرتی۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالے ہم تمام کو سچّا عاشقِ رسولؐ بنائے اور ہمیشہ ہم تمام کو سنّتوں پر قائم رکھے اور ہم تمام کی جائز مرادوں کو اپنے محبوب بندوں کے صدقہ وطفیل سے پوری کردے۔

آمین ثم آمین

(بقیہ مضمون "حضرت غوث الآفاق شاہ کمال الدین حسن کھیتلی" صـ147)

کررہا تھا۔ بازو سے پکڑ کر پوچھا کہ اولیاء اللہ کی یہ جماعتیں کس طرف اور کیوں پرواز کررہی ہیں اور غوث الآفاق وصال سے کیا مراد ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ آج غوث الآفاق شاہ کمال قادری کھیتلی کا وصال ہوگیا ہے۔

چوں کہ آپ نے صحیح معنوں میں دورِ غوثیت کی تجدید کی ہے، اس لیے آپ کو غوث الآفاق کہا جاتا ہے۔

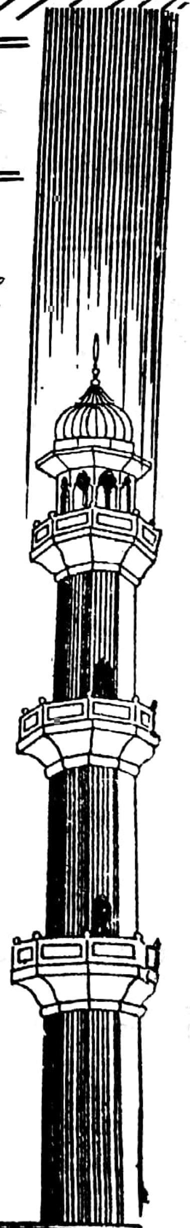
(بقیہ مضمون "شائق حیدرآبادی" صـ115)

بہرحال علامہ شائق نعت کے ایک اہم "سمت ساز" شاعر تھے۔ جن کی وجہ سے حیدرآباد اور اطراف واکناف میں غزل کے رنگ میں نعت شریف کہنے کا ماحول بنا۔ آپ کی وجہ سے نعت خوانی کی محفلیں یہاں سجیں جس کی روایت تاحال موجود و مستحکم ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری سے ایک نسل نہ صرف متأثر ہوی بلکہ آپ کی طرزِ سخن کی متبع ہوی۔ یہ کارنامہ آپ کو تاریخ ادب اردو میں زندہ وتابندہ بنانے کے لیے کافی ہے۔

حضرت مخدوم عبدالحق ساوی رح بیجاپوری

حیات اور اردو خدمات

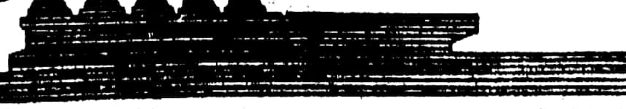
ڈاکٹر محمد افضل اقبال



جنوبی ھند کے تمدن پر اسلامی مبلغوں، صوفیوں اور اولیائے کرام نے بڑے دیرپا اثرات چھوڑے ہیں، ان کی آمد، اُن کی تبلیغ اور ان کے رشد و ہدایت سے جنوبی ہندوستان میں ذہنی بیداری کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے توحید، مساوات، اخوت اور امن دوستی کا پیغام دیا اور ہندوستانی عوام کو توہم پرستی، گمراہی اور بے دینی کے اثرات سے نجات دلائی اور ایک پاکیزہ تمدنی زندگی کا تصور پیش کیا اور اسلام کی اصل روح سے عوام کو روشناس کرانے کی کوشش کی اور ان کے سامنے معاشرتی زندگی کا لائحہ عمل پیش کیا۔ ان ہی بزرگوں میں ایک حضرت مخدوم عبدالحق ساوی بیجاپوری بھی تھے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں آپ کے فضائل و کمالات کی جنوبی ہند میں بڑی دھوم اور شہرت تھی۔ آپ کے نقشِ قدسی کی برکت اور علم و اخلاق کی عظمت سے جنوبی ہند میں اسلام اور اسلامی تعلیمات کو بڑا فروغ ہوا۔

حضرت مخدوم ساوی نے تبلیغ اسلام کی خاطر ہندوستان کے طول و عرض کے علاوہ جزیرہ نمائے ملایا اور جزیرۂ سماترا و جاوا بھی گئے تھے اور اپنے رشد و ہدایت اور معرکہ آرا مباحثے اور مناظرے سے سماترا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔

حضرت مخدوم ساوی بیجاپور کے عادل شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جب شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے عادل شاہی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو حضرت مخدوم ساوی نے فقیری اور درویشی اختیار کر لی اور آج جنوبی ہند کے مشاہیر



اولیائے کرام میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مدراس میں آپ کا مزار بڑا فیض رساں مانا جاتا ہے۔ اور ہر سال ۱۲ رجب کو آپ کا عرس بڑی دھوم دھام اور عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ جس میں ہندو اور مسلمان سب ہی شریک ہوتے ہیں۔ اور سب ہی آپ کی فیض رسانی کے قائل ہیں۔

نام و نسب حضرت مخدوم ساوی کا اصل نام محمد مخدوم تھا اور لقب عبدالحق عرف دستگیر صاحب اور گیان بھنڈاری[1] ہے۔

بعض مورخین حضرت مخدوم ساوی کو مغل قوم سے بتاتے ہیں اور بعض ترک۔ لیکن آپ کا خاندانی شجرہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ترکی الاصل ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ یوسف عادل شاہ کو سلاطینِ ترکی کے خاندانِ عثمانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ حضرت مخدوم ساوی کا شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے۔

محمد مخدوم عبدالحق ابن عبدالنبی آغا ابن مخدوم آغا ابن ابراہیم عادل شاہ اول ابن اسمٰعیل عادل شاہ ابن یوسف عادل شاہ ابن سلطان مراد ثانی (شاہ روم)

یوسف عادل شاہ جو فارسی اور ترکی کے اچھے شاعر تھے اپنے نام کے ساتھ ساوی کا لفظ بھی لکھا ہے۔

ولادت حضرت مخدوم ساوی بیجاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ کی نشو و نما ہوی۔ ملفوظات قربی" "تذکرۂ اولیاے دکن" اور "مشکوٰۃ النبوۃ" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم ساوی ابھی سات سال ہی تھے آپ کی والدۂ محترمہ کا انتقال ہوگیا اور جب آپ جوان ہوے تو والد ماجد حضرت عبدالنبی آغا بھی چل بسے۔ آپ دُنیا سے دل برداشتہ ہوکر خدا طلبی کی حالت میں کئی سال خانہ بدوشی رہے۔ پھر ضلع پربھنی کے ایک تعلقہ بسنت نگر میں حضرت ناصرالدین شاہ قادری کے حلقۂ ادارت میں داخل ہوے اور مدتوں آپ سے فیض حاصل کیا۔ اور خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز ہوے۔ حضرت مخدوم ساوی کو طریقہ قادریہ اور سلسلۂ چشتیہ ہر دو میں بیعت حاصل تھی۔ آپ کا شجرۂ چشتیہ حسبِ ذیل ہے:

محمد مخدوم عبدالحق ساوی مریدِ حضرت شاہ ناصرالدین شاہ قادری چشتی مریدِ حضرت دریا محمد چشتی مریدِ حضرت راج محمد چشتی، مریدِ حضرت حاجی اسحٰق[2]، مریدِ حضرت رن سنگار خان مریدِ حضرت برہان الدین جانم، مریدِ حضرت میراں جی شمس العشاق، مرید حضرت کمال الدین بیابانی، مرید حضرت جمال الدین عبداللہ مغربی

---

[1] حضرت مخدوم ساوی کی بعض کتابوں خصوصاً آپ کے شجرہ میں یہ لقب بھی لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ اہلِ ہنود آپ کو اس نام سے یاد کرتے ہیں۔ جس طرح آپ کے جدِّ اعلیٰ ابراہیم عادل شاہ "جگت گرو" کے لقب سے مشہور ہیں۔

[2] حضرت حاجی اسحٰق حضرت برہان الدین جانم کے خاص خلفاء میں سے تھے، جن کو آپ "حقانی" پکارتے تھے۔

مرید حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز مرید حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی۔[1]

تعلیم و تربیت حضرت مخدوم ساوی علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ روزگار تھے۔ "ملفوظات قربی" سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حصول فیض باطنی کے زمانہ میں اپنے ایک خاص دوست حضرت سید شاہ ابراہیم عرف حضرت شاہ میر ولد حضرت نعمت اللہ باس جو حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد سے تھے علم عربی کی تحصیل کے لیے جایا کرتے تھے اور آپ ہی کی بدولت آپ نے آرکاٹ میں سکونت اختیار کی تھی۔ جنوبی ہند کے مشہور بلند پایہ بزرگ خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ قدس سرہٗ سے بھی آپ نے استفادہ کیا تھا۔

سیاحت حضرت مخدوم ساوی کی عمر کا بڑا حصہ ہندوستان کے طول و عرض کی سیاحت میں گزرا۔ آپ حج و زیارت نبوی صلعم سے بھی مشرف ہوئے اور تین سال تک مدینۂ منوّرہ میں قیام فرمایا۔ پھر حضرت نبی کریم صلعم کے حسب الارشاد جنوبی ہند واپس تشریف لائے اور درس و تدریس، رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ "ملفوظات قربی" سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مخدوم تبلیغ اسلام کی خاطر جزیرہ سماترا، جاوا (انڈونیشیا) اور جزیرۂ نمائے ملایا بھی تشریف لے گئے تھے اور اپنے معرکہ آراء مباحثے و مناظرہ سے سماترا کے دار الحکومت "اچھی" میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ حضرت مخدوم ساوی بنگال، دہلی اور لاہور وغیرہ بھی تشریف لے گئے تھے اور اپنے ہم عصر اولیاء سے ملاقات فرمائی تھی۔

مدراس میں سکونت حضرت مخدوم ساوی اپنے پیر و مرشد کے وصال کے بعد حضرت سید شاہ ابراہیم کے اصرار پر مدراس تشریف لائے اور میلاپور میں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ نوابانِ آرکاٹ کی عقیدت کی بدولت آپ کا خاندان یہیں کا ہو رہا۔ "تذکرۂ اولیائے دکن" میں عبد الجبار ملکاپوری نے لکھا ہے کہ میلاپور مدراس میں اکثر آپ نصف شب میں دریا کے کنارے (یعنی ساحل مدراس مرینا بیچ) تشریف لے جاتے تنہائی میں اطمینان و حضور قلب سے اذکار و اشغال میں مشغول ہو جاتے۔ اس وقت تمام مچھلیاں اور دریائی حیوانات کنارے آجاتے اور آپ سے بزبان حال ہم کلام ہوتے۔ حضرت مخدوم ساوی ان کا جواب دیتے تھے۔

خلفاء حضرت مخدوم ساوی کے خلفاء میں شیخ فخر الدین مہکری ناگٹی بے خود اور حضرت سید شاہ ابو الحسن قربی ویلوری قابل ذکر ہیں۔ حضرت قربی نے حضرت مخدوم ساوی کی خدمت میں رہ جملہ منازل سلوک طے فرمائے تھے۔ "انشائے عقائدِ ذوقی" سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مخدوم کے جملہ خلفاء و مریدین میں سب سے زیادہ اسرارِ الٰہی کا گنجینہ حضرت قربی نے ہی پایا تھا۔ اس وجہ سے آپ کا مقام سب میں بلند تھا۔ آپ

---

[1] غلام امام: تاریخ خورشید جاہی: ص: ۲۷۱: مطبوعہ

پر حضرت مخدوم کی خاص عنایت تھی۔

ازواج و اولاد حضرت مخدوم ساوی نے تین شادیاں کی تھیں۔ آپ کی پہلی بیوی آپ کے پیرومرشد حضرت ناصر الدین شاہ قادری کی دختر تھیں اور دوسری بیوی حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ کی دختر نیک اختر بی بی حلیمہ خاتون تھیں اور تیسری بیوی حاجی حرمت النساء بیگم تھیں۔ ان تینوں ازواج سے آپ کو تیرہ۱۳ صاحب زادے اور چھ صاحب زادیاں ہوئیں جن کی تفصیل کاوش بدری نے اپنی حالیہ کتاب "قطب مدراس حضرت شیخ مخدوم عبدالحق ساوی" میں دی ہے۔

وصال حضرت مخدوم ساوی کا انتقال ۳ رجب ۱۱۶۵ھ مطابق اپریل 1752ء میں حیدرآباد میں ہوا۔ چھ ماہ تک آپ کی مبارک حیدرآباد کے ایک مشہور امیر خواجہ رحمت اللہ خان کے مقبرہ میں امانتاً محفوظ رکھی گئی۔ اس کے بعد میلاپور مدراس منتقل کی گئی اور زندفین عمل میں آئی۔ 1789ء مطابق 1204ھ میں نواب محمد علی خان والاجاہ نے آپ کے مزار پر ایک خوب صورت گنبد تعمیر کروایا۔

تصانیف حضرت مخدوم ساوی کی جملہ تصانیف ایک سو بتائی جاتی ہیں۔ جن میں زیادہ تر کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ آپ کی تقریباً تینتیس۳۳ فارسی کتابیں حیدرآباد کے اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں محفوظ ہیں اور ہماری نظر سے گزری ہیں۔ حضرت مخدوم نے متعدد رسالے عارف باللہ حضرت ناصر الدین شاہ قادری کی صاحب زادی حنیفہ صاحبہ کی تعلیم کے لیے تحریر فرمائے تھے۔

حضرت مخدوم ساوی کا ایک دکنی نثری رسالہ بھی اسی انسٹی ٹیوٹ میں موجود ہے اس کا مختصر تعارف قارئین کی نذر ہے۔

مفتح الکل ـــ دکنی رسالہ حضرت مخدوم ساوی کی ایک کتاب "مفتح الکل" دکنی نثر میں ہے۔ یہ قدیم اردو کی ایک اہم تصنیف ہے۔ یہ اوسط تقطیع کے ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب "مفتاح الکل" یا "پنج گنج علوم اردو" کے نام سے بھی مشہور رہے۔ لیکن کتاب میں حضرت مخدوم نے "مفتح الکل" نام دیا ہے۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> "پانچ گنجاں کی تفصیل ہور (اور) ابواب کا ناتوں (نام) کتاب "مفتح الکل" رکھیا (رکھا) ہوں۔ اس ہر گنج میں پانچ باب ہیں ہور ہر یک باب میں پانچ فصل ہیں۔ ولیکن اس کتاب کو سمجھنا ہور بہوت آسان ہور حق وصال ہے۔"

"مفتح الکل" میں پانچ ابواب ہیں اور ہر ایک باب پانچ فصلوں میں منقسم ہے۔ اس کتاب میں علم کی پانچ اقسام شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت اور وحدت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ خود

حضرت مخدوم کی تصنیف ہے۔ حضرت مخدوم ساوی کو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ قدیم اردو کے مشہور نثر نگاروں میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم اور امین الدین علی اعلیٰ کے بعد آپ ہی کی کتاب قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب ادبی، لسانی اور تاریخی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس اسلوبِ بیان بڑا سادہ اور پُراثر ہے۔ اصطلاحاتِ تصوّف عام فہم زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔ مولوی عبدالجبار ملکاپوری نے "تذکرۂ اولیاءِ دکن" میں بالکل بجا لکھا ہے کہ "حضرت مخدوم کا علم تصوّف میں کوئی مدمقابل نہ تھا۔ تصوّف میں بعض اصطلاحات مثلاً مسئلہ غیریت حقیقی آپ کی ایجاد ہے۔"

"مفتح الکل" ۱۱۰۹ھ مطابق ۱۶۹۷ء میں تصنیف ہے۔ خود حضرت مخدوم نے اس کی صراحت کردی ہے۔ کتاب کا نام، اپنا اور اپنے والد کا نام اور الواب کا تذکرہ بھی آپ نے کردیا ہے۔ حضرت مخدوم ساوی اپنے پیرو مرشد حضرت ناصر الدین شاہ قادری کو تاج المحققین، سراج السالکین، برہان العارفین کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے جملہ اقسام علم کی صراحت یوں فرمائی ہے:

"بعد از حمد خداوند تعالےٰ و نعت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہور مدح حضرت ناصر الدین تاج المحققین، سراج السالکین ہور برہان العارفین نام بندہ ضعیف فقیر الحقیر خاکپائے بزرگان ہور نیاز مندان خردمندان محمد مخدوم ساوی بن عبدالنبی ساوی رحمۃ اللہ علیہ اسے مختصر اشارات ہور بشارت بولتا ہوں کہ جملہ اقسام علم کے پانچ گنج ہیں یعنی شریعت ہور طریقت ہو حقیقت ہور معرفت ہور وحدت یعنی مظہر ہور ھوالاوّل ہور ھوالظاہر ہور ھوالباطن ہور ھوالآخر ہور پانچواں مرتبہ سوالان کم ن ہے۔ جیو کہ حدیث قدسی میں ظاہر ہے: ان فی جد ابن آدم المفغتہ دنی المفغتہ قلب و فی قلب فواد و فی الفواد روح و فی الروح سر و فی السر نور و فی النور انا۔ یعنی تحقیق ابن آدم کے جسد میں ہیرے کا دل ہے اور دل میں عارف الوجود ہور اس عارف الوجود میں روح ہے ہور اس روح میں سر ہے ہور اس سر میں نور ہے ہور اس نور میں خدائے تعالےٰ بولیا کہ میں ہوں۔"

حضرت مخدوم ساوی کو شعر و سخن سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ "مفتح الکل" کا ابتدائی حصہ یعنی حمد و نعت و منقبت صحابہ کرام و پیر حضرت ناصر الدین شاہ قادری منظوم ہے۔ یہ شعری حصہ تقریباً دس صفحات اور (۱۲۷) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد ایک غزل بھی ہے۔ افسوس آپ کا اردو کلام دستیاب نہیں ہوتا۔

حضرت مخدوم نے اپنے پیرو مرشد حضرت ناصر الدین کی مدح میں (۳۲) شعر نظم کئے ہیں۔ چند شعر بطور نمونہ درج ہیں۔ جس سے حضرت مخدوم کے رنگِ سخن کا اندازہ ہوتا ہے: ۵

کہ او ناصرالدین صاحب ضمیر — جو ہر حال مجھ پر رہے دستگیر
انو درد دریا ہیں عرفان کے — اور ایمان ہیں مرے دل و جان کے
کیا ہے کرم ان پو پروردگار — ہے آثار ان کا مسیحا کے سار
وہ دو گیسو کد جیو لیلۃ القدر ہے — بھر رخسار جیوں مطلع الفجر ہے
ہے دریا انو ہور باقی سو موج — انو بادشاہ ہور باقی سو فوج
انو چاند باقی سو تارے اہین — انو حق کی بر حق پیارے اہیں

غرض حضرت مخدوم ساوی نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو عام فرمایا۔ صاحب تذکرہ "انوارِ اقطابِ ویلور" کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم ساوی قابل صاحب تصرف بزرگ جو علوم ظاہری و معنوی میں یگانہ روزگار تھے۔ انھیں کی پیہم کوششوں کا نتیجہ تھا کہ کرناٹک (تمل ناڈو) کے اندر رفض کا بڑھتا ہوا سیلاب رکا جنھوں نے شریعت مصطفوی صلعم کی کی اشاعت فرماکر خلق خدا کی بہت بڑی آبادی کو اس تباہ کن گرداب سے بچایا۔ ❖

کتابیات:

۱۔ تذکرہ اولیائے دکن، جلد دوم: عبدالجبار ملکاپوری: مطبوعہ
۲۔ تاریخ خورشید جاہی: غلام امام: مطبوعہ
۳۔ ملفوظات مخدوم ساوی: حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی: مطبوعہ
۴۔ مدراس میں اردو ادب کی نشوونما: ڈاکٹر افضل الدین اقبال: مطبوعہ
۵۔ روضۃ الاولیاء بیجاپور: محمد ابراہیم: مطبوعہ
۶۔ حضرت مخدوم ساوی بیجاپوری: سخاوت مرزا مطبوعہ
۷۔ قطب مدراس حضرت شیخ مخدوم عبدالحق: کاوش بدری: مطبوعہ
۸۔ انوار اقطابِ ویلور: محمد طیب الدین اشرفی: مطبوعہ
۹۔ شجرہ نسب مخدوم ساوی: مطبوعہ مدراس
۱۰۔ مفتح الکل: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۱۔ مفتاح التفاسیر: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۲۔ رسالۂ عقائد صوفیہ: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۳۔ رسالۂ ولایت: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۴۔ میزان المعانی: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۵۔ دلیلِ محکم: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۶۔ رسالۂ حیات جان: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۷۔ رسالۂ ارشاد مرشد: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۸۔ تجدد امثال: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۱۹۔ رسالۂ پنج گنج فارسی: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ
۲۰۔ رسالہ عصائے موسی: محمد مخدوم ساوی: مخطوطہ

قرآن مجید پڑھو، سمجھو اور اُس پر عمل کرو
فلاح پاؤ گے۔

حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کے ایک شعر کی تشریح

افضل العلماء مولوی شاہ سید مصطفی حسین بخاری لطیفی سجادہ نشین آستانہ بخاریہ۔ کڈپہ۔

حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کا ایک شعر: ـــــ

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ترک حضرت نوح علیہ السلام کے صاحب زادے یافث کے بیٹے کا نام ہے۔ جس سے ترکوں کی نسل پھیلی اسی مناسبت سے اس علاقہ کا نام ترکستان ہوا۔ جہاں یہ لوگ آباد ہیں۔ آج سے چند دہوں پیشتر تک اس کا نام اسلامی دنیا کے دارالخلافہ کی حیثیت سے تاریخ کے صفحات پر درخشاں تھا۔ لفظ ترک کا استعمال مجازاً سپاہی معشوق اور محبوب کے لیے بھی ہوتا ہے۔ مذکورہ شعر میں یہ لفظ معشوق اور محبوب ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔

شیراز: ایران کے مشہور شہروں میں سے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ جہاں سے قابل اور معتبر ہستیاں اٹھی ہیں۔ چناں چہ اسلامی دنیا اور دنیائے ادبِ فارسی کی مشہور و معروف شخصیتیں حافظ اور سعدی وغیرہ اسی ملک شیراز ہی میں پیدا ہوئے۔

بدست آرد: یہ بدست آوردن سے ہے ہاتھ میں لانا، حاصل کرنا، جیت لینا، فتح کرلینا یہاں اس سے مراد حاصل کرلینا اور قبول کرلینا ہے۔

خال: تل کو کہتے ہیں۔ کالا نکتہ جو جسم پر کہیں بھی ہوسکتا ہے۔ خال ہندوش یعنی خالِ ہندوے او اس کا کالا سا تل

ہندو: یہ لفظ ہند کی طرف منسوب ہے، جو دنیا کے مشہور ملکوں میں سے ایک عظیم ترین ملک ہے جس کی آبادی ایک ارب سے زائد ہے۔ ملک چین کے بعد دنیا کا سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے۔ جہاں بیس کروڑ سے زائد مسلمان آباد ہیں۔ دنیا کی کسی بھی اسلامی سلطنت سے زیادہ یہاں مسلمان بستے ہیں۔ بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ملک کے مسلمانوں کی صحیح تعداد بتانے میں سیاست سے کام لیتے ہیں۔

لفظِ ہندو میں حرف واؤ نسبت کے لیے آیا ہے یعنی ہندوستانی باشندہ، ہندوستان کا رہنے والا۔ عموماً ہندوستانیوں کا رنگ کالا، سنولا ہوتا ہے۔ اسی لیے خال کی صفت ہندو لائی گئی ہے۔ اسی معنی میں ایک استاذ شاعر نے لفظ ہندو کو اپنے ایک شعر میں استعمال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ؎

خط بڑھا زلفیں بڑھیں کاکل بڑھے گیسو بڑھے
حُسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

ایک اور شاعر نے کاکل کہہ کر کالی گھٹا مراد لی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ؎

کاکُل جو اس کے شعلۂ رُخ سے سرک گئی
کالی گھٹا میں صاف یہ بجلی چمک گئی

سمرقند اور بخارا یہ دو مشہور شہروں کے نام ہیں۔ روس کے غلبہ سے پہلے یہ مسلم ریاستیں تھیں۔ سقوطِ روس کے بعد آج پھر سے یہ مسلمانوں کے شہر ہوگئے ہیں۔ پھر بھی ان پر غیروں کے اثرات غالب ہیں۔ یہ بہت ہی حسین و جمیل شہر واقع ہوئے ہیں۔ آج بھی اور کل بھی۔ بخارا تو ساری اسلامی دُنیا میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد مشہور ترین شہر ہے۔ جہاں حضرت اسمٰعیل ابنِ محمد بخاری علیہ الرحمہ پیدا ہوئے تھے۔ جن کی جمع کردہ احادیث کا مجموعہ صحیح بخاری شریف عالمِ اسلام کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ آسمان کے نیچے زمین کے اوپر قرآن مجید کے بعد متبرک کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

حافظ صاحب علیہ الرحمہ کے شعر کی نثری عبارت اس طرح ہوگی:

اگر آن ترک شیرازی دل ما را بدست آرد بخال ہندوے او سمرقند و بخارا را بخشم

یعنی اگر وہ شیرازی معشوق ہمارے دل کو حاصل کرلے، ہمارے عشق و محبت کو قبول کرلے تو ہم اس کے رخسار پر جو کالا تل ہے جس کی وجہ سے اس کے حُسن و جمال میں بے انتہا خوبی و خوب صورتی آگئی، اس کا حُسن دوبالا ہوگیا ہے اس کے بدلے سمرقند اور بخارا جیسے عظیم الشان شہروں کو بخش دیں گے، نچھاور کردیں گے اس کے کالے تل کے مقابلہ میں ہمارے نزدیک سمرقند اور بخارا کی کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں ہے۔

لغاتِ کشوری میں ہو یا اور کسی لغت میں محاورۃً لفظ ہندو کا معنی چور، ڈاکو، راہزن اور غلام کے بتائے گئے ہیں تو یہ اس وقت کی ان معلومات پر غماز ہیں۔ شاید کسی زمانے میں کسی ہندوستانی نے ایسی نازیبا حرکت کردی ہو تو ساری قوم کو اس سے متہم نہیں کیا جاسکتا۔ اب یہاں وسعتِ نظری و فراختِ ذہنی کی ضرورت ہے۔ مذکورہ معنی یہاں کسی بھی صورت صادق نہیں آتے۔ لہٰذا موجودہ حالات کے تناظر میں اس طرح کے معانی کا تصوّر بھی سراسر لغو اور غلط ہے۔ اس طرح کے معانی کسی بھی لغت ہوں تو کھرچ دینا چاہئے۔





اعجازِ قرآن

ناقدینِ ادب کی نظر میں

محمد فرحت علی صدیقی اشرفی ایم اے، ایم ایس سی، فاضلِ دینیہ بانی و مہتمم مکتبہ فیضانِ مدینہ اسلامی و ادبی لائبریری

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی سیدنا ومولانا محمدٍ کما تحب وترضٰی بان تصلی علیہ

قرآن کریم کے اعجاز بلاغت، اس کے ادبی اسلوب، ترتیبِ آیات وتراکیب، طرزِ بیان ونظمِ آیات وغیرہ پر نقد ونظر کرنا۔ یا اس کے ادبی محاسن کا مکمل جائزہ لینا یقیناً انسانی علم وفن، فکر وفہم سے ناممکن ــــ اور اس کی مادی قوت رسا سے ماوراء ہے بالفرض ادیبوں، ناقدوں اور انشاء پردازوں کی نگاہ تحقیق اور ان کے کاوشاتِ علمی کی نظر قرآن کے محاسن وخوبیوں تک پہنچ بھی جاتی ہے۔ یا اُن کا مبلغ علم ادبی ولسانی حوالہ سے کچھ کہنے سے مجبور ومحض بھی ہوجاتا ہے۔ ہر دو صورتوں میں قرآن مجید بنفسہٖ منہاج دین اور کلام الٰہی ہی رہے گا۔ اس خصوص میں کسی کی عدم معلومات یا حقانیت سے محرومی اور صداقت سے تشنہ طلبی کا نہ کوئی اثر پڑے گا نہ ہی کلامِ مبین کی الہامی حیثیت پر کسی قسم کا کوئی شبہ کارگر ہوگا۔ وہ بہرحال ــــ دستورِ دین، اخلاق وتہذیب کا نادر مرقع اور ایک مکمل ضابطۂ حیات ــــ اور عقائدِ اسلامی کا ٹھوس اور بنیادی معدن ومخزن ہی رہے گا۔ کیوں کہ وہ کلامِ ربانی ہے۔

ہر چند کہ کلام مجید کی ہر خصوصیت تک فکر رسا کا پرواز کرنا اور تخیلات فہم کا پہنچنا بشر امکانی سے ناممکن ہے۔ تاہم یہاں چند سطور "اعجازِ قرآن" کے متعلق اسی لیے ضبطِ تحریر کئے جاتے ہیں تاکہ ہمارے اسلاف کی تحقیقات اور اُن کے تنقیدی بیانات سے ہماری نئی نسل واقف ہو اور دورِ جدید کے سائنسی نقطۂ نظر کے حامل مسلمانوں کے سمجھ میں قرآن کی حقانیت ادبی، لسانی اور اسلوبی اعتبار سے بھی آجائے بلکہ اُن اذہانِ شوریدہ کی واقفیت کا سبب بھی بنے جو سرے سے کلام مجید کو معجزہ ماننے تیار ہی نہیں ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ کلامِ الٰہی تو معجزہ ہے ہی ۔مگر اس کے علاوہ اس کی ایک ایک آیت ، ایک ایک نقطہ، اسلوب و تراکیب ، نظم و تسلسل بیانی ، فصاحت و بلاغت استعمال الفاظ و معانی ، بلکہ اس میں مذکورہ ایک ایک زیر و زبر معجزہ کہلانے کا مستحق ہے اور کسی نے اس کے زیر کو زبر کرنا چاہا تو اس کوشش سے پہلے وہی زیر و زبر ہو گیا ۔یہی وجہ ہے کہ اس کا اقوامِ عالم کو چیلنج کرنا بھی ایک معجزہ بنا ہوا ہے۔

اس کی حقانیت و صداقت اور کلام الٰہی کو کسی بشر کا کلام ثابت کرنے سے ہر دور میں فصحا و بلغا حکماء و ناقدین ،انشاء پرداز و محققین غرض سبھی مخالفین عاجز رہیں گے ۔اور معجزہ اسی کو کہا جاتا ہے کہ جس کام و واقعہ کی انجام دہی کے سلسلے میں عقل انسانی عاجز آجاے یا اس کا علم و فن عاجز ہو جاے ۔

قرآن کے مخالفین اس کا مثل یا جواب کیا لاتے جب کہ تمام دانش وران زبان و بیان آج تک یہ تسلیم کرنے میں بھی متحد و ہم خیال و ایک رائے نہ ہو سکے کہ آیا قرآن مجید نثر ہے یا نظم ۔ یہ شعر ہے یا سخنوری ۔ یہ اساطیر ہے یا صرف کلام بلاغت نظام ۔ گزشتہ واقعات کا بیان یا کہانی یا شاعری یا پھر واقعی نبیٔ اکرمؐ کا فرمان' اللہ کا کلام ہے ! کفار و مشرکین نیز مخالفین و مستشرقین کا کلام الٰہی میں کسی ایک راے پر نہ پہنچنا ۔۔ فصحائے زمانہ ، بلغاے دوراں کا کسی ایک فیصلہ پر مطمئن نہ ہونا بھی قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے پر دال ہے ۔

منجملہ ان تمام وجوہاتِ حقہ کے ایک یہ وجہ بھی کلام الٰہی کے حق اور خدا کی طرف سے نزول کئے جانے پر صادق آتی ہے کہ نزولِ قرآن سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں قرآن مجید کی تلاوت جاری ہے بلکہ قیامت تک اس کا یہ سلسلہ نہ صرف جاری رہے گا بلکہ روز افزوں بڑھتا ہی جائے گا ۔ایک دن بھی ایسا نہ گزرا جہاں جس گاؤں میں تنو پچاس مسلمان رہتے ہوں اور وہاں کلام مجید کی تلاوت نہ کی جاتی رہی ہو ۔حتیٰ کہ دشمنانِ اسلام تک بھی اسی کی تلاوت سے محروم نہ رہے ۔چاہے کسی نیت سے تلاوت کلام مجید کی ہو ۔پس نزولِ قرآن سے آج تک بلکہ قیامت تک تا آنکہ خود خدا ہی اس قرآن کو نہ اٹھالے ۔ اس کی تلاوت جاری رہے گی ۔ اور قرآن کی یہی خوبی و صفت اس کے معجزہ ہونے کے لیے کافی ہے ۔

اعجاز

علمائے متقدین و ناقدین نے کلام مجید کے اسلوبی پہلو ، اس کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز نمائی پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں ۔چناں چہ یہاں اُن چند اُمور کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

وہ علمائے راسخین جن کی حیثیت علم و ادب اور فن و لسانیات نیز اسلامی ادبیات و مذہبیات سبھی میدان میں مسلم رہی ہے ، ان محققین و ناقدین کے بیانات کی روشنی میں قرآن مجید کے معجز بیان کے لیے **اعجاز** کا لفظ سب سے پہلے استعمال کرتے ہوے چوتھی صدی میں علامہ محمد بن یزید واسطی (متوفی ۳۰۹ھ) نے ایک مبسوط کتاب بنام " اعجاز القرآن فی نظمہ و تالیفہ " لکھی جس میں اس نے

آیاتِ قرآنی کی ترتیب، ترکیب حسن تدوین، کمال فصاحت و بلاغت، آیات و بیان کا باہمی تعلق، نیز نظمِ قرآن کے متعلق سیر حاصل روشنی ڈالی ہے اور کمالات قرآن کے معجزانہ بیانات و اسلوبیات کو اعجاز قرآن سے تعبیر کیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ علامہ واسطی نے کلامِ مبین کی خوبیوں کو ناقدانہ جائزہ بھی لیا۔

اعجاز قرآن ادب کے کس صنف میں

اس بحث میں کہ قرآن مجید کی وہ خوبی جو کسی انسان کو اپنی نظیر لانے سے عاجز کر دیتی ہے آیا اس کے اسلوب میں ہے یا پھر نظم و ترتیب میں ہے۔ ایسے ہی کیا اعجاز نمائی فصاحت و بلاغتِ قرآن میں پائی جاتی ہے یا معانی و مضامین میں۔ اس خصوص میں اکثر محققین لسانیات و ناقدینِ ادبیات مختلف الخیال ہیں چناں چہ محمد بن یزید واسطی (۳۰۹ھ) کہتے ہیں کہ اعجاز محض مفرد الفاظ یعنی لفظوں کے حرکات اور دوسری چیزوں میں بالکل نہیں ہے۔ یعنی اس کے علاوہ اعجازِ قرآن کا وصف کسی اور صورت میں پنہاں ہے۔

جس کو قدرے تفصیل کے ساتھ عبدالقاہر جرجانی (۴۷۱ھ) نے یوں بیان کیا ہے۔ کہ اعجاز محض مفرد الفاظ اور اس کے حرکات میں نہیں بلکہ بلاغت کے کسی عنصر میں بھی اعجاز نہیں پایا جاتا ہے تو محض نظم و تالیف قرآن میں (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "دلائل اعجاز القرآن" (جرجانی)۔

لسانی پہلوؤں کے تحقیق کی ابتداء

قرآن حکیم میں ذکر شدہ الفاظ و معانی، لغوی و مرادی مفاہیم اس کے اسرار و رموز، لسانی و ادبی پہلوؤں کے متعلق تحقیقی معلومات کی جستجو علامہ واسطی سے بہت پہلے شروع ہو گئی تھی۔ چناں چہ اس باب کی پہلی کتاب یا قدیم ترین تصنیف "مجاز القرآن" سمجھی جاتی ہے۔ جو علامہ ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ (۲۰۴ھ) کی تالیف و تصنیف ہے۔ بقول ناقدینِ ادب یہ کتاب ۱۸۸ھ میں لکھی گئی اس کے تحقیقی نقطۂ نظر اور اسلوبی محاسن کو اجاگر کرنے کی غرض سے لکھی جانے والی کتب میں علامہ ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء (۲۰۷ھ) کی "معانی القرآن" ہے۔ نیز "مشکل القرآن"، "اعجاز القرآن" بھی ہیں۔ جو اسی عنوان پر تحقیقی کوششوں کے نتیجہ میں مختلف مصنفین و ناقدین کی جانب سے قلمبند کی گئی ہیں۔

مجاز القرآن

ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ (۲۰۴ھ) نے اپنی تصنیف میں "مجاز القرآن" میں قرآن کی اعجازی خوبیوں، ادبی و لسانی پہلوؤں کو اظہر من الشمس کرنے کے لیے "مجاز" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کی صراحت کرتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں کہ "عربی لغت میں جاز کسی میدان سے گزر جانے کے معنوں میں مستعمل ہے۔ جس کا وضاحتی معنیٰ پار کرنا اور منتقل ہونا بھی ہے۔ یعنی ایک لفظ کے تعبیرِ معنوں کو دوسرے تعبیری مفہوم میں منتقل کیا گیا ہے اور اسی مفہوم (جو شرعی حدود میں ہے۔)

کو لفظِ "مجاز" سے ادا کیا ہے۔ بالفاظ دیگر لفظِ "مجاز" کا وہ معنی ابو عبیدہ مراد نہیں لیتے جو عموماً حقیقت کے مقابل سمجھا جاتا ہے۔ یا جھوٹ اور غلط کے معنوں میں مستعمل ہے۔ چناں چہ اس کی وضاحت ڈاکٹر عبدالسلام عبدالحفیظ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ اس (ابوعبیدہ المثنیٰ) کے نزدیک مجاز حقیقت کا مقابل نہیں جیسا کہ اس کے بعد یہ بات معروف ہوئی۔ بلکہ اس سے مراد تعبیرات کی مختلف شکلیں مراد ہیں۔ (عربی تنقید مطالعہ اور جائزہ) اس کی مزید وضاحت میں مشہور ناقد، فقیہہ اور محدث علامہ ابنِ قتیبہ (۲۷۶ھ) کہتے ہیں کہ "مجاز" سے مراد یہ ہے کہ مجاز ایک معنوی اور اسلوبی ضرورت ہے۔ کوئی بھی تعبیر اس مجاز سے خالی نہیں ہو سکتی۔ (ص: ۲۰۴: ایضاً)

اعجاز، قرآن کی بلاغت میں

قرآن کریم کے اعجاز کی وضاحت و تلاش کے سلسلہ اور معجز نما بیان کے جائزے میں جس کتاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی وہ علامہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ الرمانی (متوفی ۳۸۶ھ) کی تصنیف "النکت فی اعجاز القرآن" ہے۔ اس علامہ رمانی قرآن کی اعجاز نمائی پر بحث کرتے ہوئے اعجاز القرآن کے سات اسباب شمار کیے ہیں۔ جس میں بنیادی اور اہم ترین سببِ اعجاز، وصفِ بلاغت قرآن کو قرار دیا ہے۔ علامہ رمانی کے تنقیدی نظریہ کے مطابق وصفِ بلاغت قرآن مجید کا بنیادی "اعجاز" ہے۔ پھر اس بحث کے تحت انھوں نے اُن اوصاف پر مشتمل تین درجے ذکر کیے ہیں اور ان تینوں اسباب و درجے میں سب سے اعلیٰ و اہم ترین درجہ "معجز" کو قرار دے کر اسی وصف کو معجزہ القرآن قرار دیا۔

علامہ رمانی کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے علامہ ابوبکر محمد بن طیب باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) نے ایک تصنیف "اعجاز القرآن" کے نام سے لکھی اور اس میں یہ وضاحت بھی کردی کہ قرآن مجید کا اعجاز نہ صرف اس کے کلمات و معانی کی ہمہ گیر وسعت میں ہے بلکہ بدیع و بلاغت جیسے اوصاف و خوبیوں کا شمار بھی اعجاز قرآن میں شامل ہے۔ (باقلانی: اعجاز القرآن)

بلاغت کیا ہے؟

اکثر ناقدین ادب نے قرآن حکیم کی اعجازی وصف کے سلسلہ میں بلاغت بلکہ فصاحت کو بھی زیر بحث لاکر بلاغتِ قرآن کو کلام الٰہی کا معجزہ قرار دیا ہے تو اس خصوص میں خود بلاغت کی تعریف و تشریح کرنا بھی اس بحث میں ضروری قرار پاتا ہے۔

بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے علامہ عیسیٰ الرمانی (۳۸۶ھ) رقمطراز ہیں کہ الفاظ کے خوب صورت پیرایہ میں معنی کا قلب تک پہنچنا بلاغت ہے۔ (رسائل فی اعجاز القرآن) یعنی وہ کلمات الفاظ جو اپنی اثر آفرینی سے قاری و سامع کے قلب کو متاثر کردے۔ اور حسن کلام و دلکشی بلکہ اس کی نورانیت کے نقوش ذہن و دل

پر منقسم ہو جائیں۔ اہلِ ادب نے بھی اسی مفہوم میں فصاحت و بلاغت کی تعریف یوں کی ہے۔ زبان کے حسن کارانہ استعمال ہی کا نام فصاحت و بلاغت ہے۔ نیز زبان ایسی استعمال کی جاے جیسے اہلِ زبان استعمال کرتے ہیں۔ جو مستند انداز میں ہوتی ہے فصاحت ہے اور بلاغت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی بات یا کلام کو دوسروں تک پہنچانے میں کمال کی حد تک پہنچ جانا بلاغت ہے۔ نیز بلاغت کے معنی تیز زبانی کے ہیں۔ اور مطلب یہ کہ بلاغت (ادبی) بیان و اظہار میں امتیازی خصوصیت کا نام ہے جو کثیر معنوں اور مفاہیم پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ (ادبی تنقید: نصاب: ایم اے، اردو: عثمانیہ)

یہ حقیقت ہے کہ کلام مجید کی اثر انگیزی معانی و مفہوم و بیان کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے کہ اس کی اثر آفرینی انسان تو انسان، جمادات و بہائم بھی متاثر ہوے بغیر نہ رہ سکے اور معنی و مفہوم، فصاحت و بلاغت قرآن سے عرب کا فصیح سے فصیح، بلیغ سے بلیغ دانشور، اہلِ زبان اور شاعر بھی متاثر ہو کر بے جان کی طرح نڈھال ہوگیا اور ششدر ہو کر پکار اٹھا: واللہ یہ بشر کا کلام ہرگز نہیں۔ ؎

ترے آگے یوں دبے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کہے کوئی کہ منہ میں زبان نہیں نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

اسلوب قرآن۔ معجزہ

ناقدین ادب و ماہرین زبان و بیان نے کلام مبین کے اسلوب پر بھی اثباتی نقطۂ نظر سے نقد نظر فرمائی ہے۔ چناں چہ اسلوبِ قرآن کے متعلق مشہور محدث و فقیہہ علامہ ابو سلیمان احمد بن ابراھیم الخطابی البستی (متوفی ۳۸۸ھ) نے "بیان اعجاز القرآن" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں اسلوب و بلاغت کو قرآن کریم کا معجزہ قرار دیا۔ اس بحث میں علامہ خطابی نے اسلوب کی تین قسمیں بیان کیں اور کہا کہ پہلی قسم وہ ہے جو بلیغ، حسین اور فصیح ہو اور یہی پہلی قسم قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔ یعنی قرآن کا معجزہ اس کا اسلوب ہے۔ (ثلاث رسائل)

بلیغ اسلوب

اس کے علاوہ اسلوب قرآن کو معجزہ تسلیم کرتے ہوے علامہ عیسیٰ الرمانی (۳۸۶ھ) کہتے ہیں کہ بلیغ اسلوب وہ ہے جو احساساتِ انسانی اور قلب و روح آدمی کو متاثر کرے۔ رمانی ہی وہ پہلے نقاد ہیں جنھوں نے اصولی طرز پر کلام مجید کے بلیغ اسلوب کو تسلیم کیا (عربی تنقید: یہی مضمون: ص ۲۰۷) یہی وہ خوبی ہے جو نزول قرآن کے بعد ہر زمانہ میں ہر بڑے نقاد و ادیب اور محقق و دانشور کو تسلیم رہی ہے کہ کلام ربانی کے اسلوب و بیان میں اپنے سامع کو متاثر کرنے کی ایسی زبردست تاثیر اور روحانی و نورانی صلاحیت کسی اور کتاب کے نہ اسلوب میں پائی جاتی ہے نہ اس کے فصاحت و بلاغت میں دنیا کے سارے نگارشات اور کتب میں ایسی خوبی مفقود ہے۔

قرآن کا اسلوب فکر وخیال

چنانچہ ابوسلیمان خطابی (۳۸۸ھ) اعجازِ قرآن کا تجزیہ کرتے ہوئے اس نقطۂ نظر کی وہ بھی مداحی کرتے ہیں کہ اسلوب اور فکر وخیال انسانی نفسیات کو جتنا متاثر کرتا ہے کسی اور تحریر میں یہ تاثیر نہیں پائی جاتی۔ بالفاظ دیگر آیاتِ قرآنی انسان کے احساسات کو جتنا متاثر کرتے ہیں۔ نیز خوشی وغم، مسرت وشادمانی کی کیفیاتِ جو کہ انسان کے قلب ودماغ پر اثرات مرتب کرتے ہیں، ایسی کیفیات وتاثیر کسی انسانی تحریر کسی آدمی کے احساسات وجذبات کو متاثر نہیں کرتے۔

اسلوب کیا ھے؟

فن نثر وادب میں اسلوب سے مراد کسی تحریر وبیان کے طرز، زبان وبیان کے انداز، طریقِ اظہار یا انداز نگارش کلام کو اسلوب کہا جاتا ہے۔ اسلوب کی اصطلاح نظم ونثر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ مگر شاعری کے لیے صرف "لہجہ" کی اصطلاح استعمال جاتی ہے۔ یعنی اسلوب دراصل کسی مضمون ومواد کو پیش کرنے کے اختیاری طرز وانداز کا نام ہے۔ اسلوبیات میں زبان کی ہئیت، ساخت اور اس کے مزاج کی توضیح وتحلیل سے مدد لی جاتی ہے۔

(نصاب ایم اے، عثمانیہ) المختصر

المختصر افہام وتفہیم کے طریقۂ بیان کا نام اسلوب ہے۔ بقول: آل احمد سرور "نقادوں و انشاء پردازوں نے تین قسم کے اسلوب کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اظہار اسلوب، ہدایتی اسلوب اور اطلاعی اسلوب۔"

قرآن مجید میں یہ تینوں قسم کے علاوہ دیگر کئی خوبیاں پر منحصر اسلوب بھی ملتے ہیں۔ اس میں مخاطب کے صیغہ سے بھی عیاں ہے۔ اظہار بیان کے طرز پر بھی کلام ملتا ہے۔ خبر یعنی اطلاعی اسلوب بھی ہے۔ اس کے علاوہ سوالیہ نشان، استفہامی اسلوب، تنبیہ وتاکید کا اسلوب، بشارت وخوشخبری کا اسلوب، معلوماتی اسلوب فضائل وخصائل کا اسلوب غرض ہر اسلوب اپنی جگہ قرآن کے معجز نمائی کو منواتا ہے۔ نیز تکرار ومتواتر کلام کا اسلوب بھی قرآن مجید کا ایک منفرد اسلوب ہے جس سے ایک حسین کیفیت رونما ہوتی اور قلب وجگر پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گویا آل احمد سرور کے بتائے ہوئے تین مشہور اسلوب کے علاوہ قرآن سے دیگر کئی اسلوب کے استخراج کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے۔ جس کے لیے ناقدینِ ادب اور محققینِ اسلوبیات کی توجہ درکار ہے۔

قرآن نہ نثر نہ نظم

واقعہ یہ ہے کہ کلام مجید نہ صرف نثر ہے نہ شاعری نہ ہی شاعری کی کوئی قسم۔ نہ ادب ہے نہ ہی صنفِ ادب کی کوئی قسم بلکہ وہ کلام الٰہی ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کا بیان ہے جس کو خود قرآن میں کلام الٰہی اور علومِ الٰہی کے متعلق "بیان" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ (دیکھیے ابتدائی آیت سورۂ رحمٰن) علاوہ اس کے کلام اللہ کو ادب یا صنفِ ادب کی کوئی قسم کہنا بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ بقولِ

ناقدینِ ادب "ہر دور میں ادب بدلتا رہتا ہے۔ اسلوب ادب ترقی پذیر یا زمانہ کا ہم آہنگ ہوتا رہتا ہے" (پروفیسر احتشام حسین: ماضی کا ادب اور نئے تنقید ردّعمل) یا پھر ہر دور کا ادب یکساں ہوتا ہے اور ادب زبان کی ساخت اور اس کے استعمال سے تشکیل پاتا بنتا، بگڑتا یا ترقی پاتا ہے۔ نیز ادب میں رمزیت اور ایمانیت اور ابہام کا پہلو بھی شامل رہتا ہے۔ جب کہ قرآن مجید کے بیان میں ایسی کیفیات نہیں ہوتیں۔ ابہام معنوی تہ داری یا حقیقت سے مجاز یا مجاز سے مبہم مفہوم مراد لینا یہ کسی زبان کی خوبی تو ہو سکتی ہے مگر کلامِ الٰہی میں ہرگز نہیں۔ ہاں وہاں معنوں میں عمیق گہرائی، مطالب میں ظاہری و باطنی خوبیاں اور وسعت معنی تو ہو سکتے ہیں مگر ایمانیت نہیں ہوتی۔ کلام الٰہی میں جو بھی بیان اور ادبی پہلو یا لسانی خوبی اور اسلوبیاتی کیفیات ہیں وہ اُس کی علم و حکمت کی دلیل ہے اور شعر اس لیے نہیں کہ شعر و ادب احساسات انسانی کا موضوع رہے ہیں۔ مخلوق سے چھوٹے ہوئے رشتے کو خالق سے جوڑنے والی کیفیات اس میں ہرگز نہیں۔ نیز شاعری میں جمالیات کا عنصر غالب اور اکثر مجاز و خیال کو زیادہ دخل ہے۔ جب کہ کلام الٰہی کی حکمت اور صاحب قرآن ایسی چیزوں سے معرّی ہے۔ نیز شاعری میں طنز و مزاح کے عنصر بھی پائے جاتے ہیں مگر اللہ کے کلام میں ایسی صنف شاعری طنز و مزاح سے پاک ہے۔ جیسا کہ گائے ذبح کرنے کے بیان میں جب بنی اسرائیل نے حضرت کلیمؑ سے کہا تھا کہ کیا آپ ہم سے استہزا (ھُزُوًا) کرتے ہیں۔ تو حضرت کلیمؑ نے اللہ سے پناہ مانگی تھی۔ (البقرہ: ۶۷)

گویا قرآن کا طرز بیان، منفرد اسلوب، اثر انگیزی کی کیفیت، شاعری اور صرف نثری ادب سے پاک ایک ایسا بیان حکمت ہے جس میں ساری لسانی خوبیاں اسلوبیاتی خصوصیات نثری و ادبی محاسن اور ہر زبان نیز لغت قریش پر مبنی کلام الٰہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر علوم و فنون کے سوتے، شعر و سخن و لغات اور ادب کے چشمے کلام الٰہی سے پھوٹے ہیں اور یہ وہ خوبی و خصوصیت ہے جو اس کے اعجاز میں داخل ہیں۔ کیا صرف و نحو کے قاعدے اور کیا ریاضی و سائنسی علوم سبھی حکمتِ قرآن کے جلوہ سامانیاں ہیں۔

رہ گئی بات قرآن کے آیات متشابہات کی جس میں جو بیان ہوتا ہے وہ مراد نہیں ہوتا جو مراد و منشاء الٰہی ہے وہ ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ بھی حکمت الٰہی کے مظہر ہیں۔ رمزیت ادبی یا ایمائیت شاعری یا پھر ابہام بیان ہرگز نہیں۔ صاف و صریح بیان کی جلوہ نمائی جہاں آیات محکمات سے عیاں ہیں تو وہیں حروف مقطعات میں مفاہیم و معانی و اسرار رموز و حکمت خداوندی پنہاں ہے۔ جب کہ حروف مقطعات یا آیات مقطعات کا ہر حرف یا آیت قرآن کا معجزہ ہے قطعی معنوں میں سمجھنا تو کجا حتمی مفہوم میں بیان کرنے بلکہ اس کا ترجمہ کرنے سے ہر عربی دان و غیر عربی دان مفسر و مترجم عاجز ہے۔ اس طرح قرآن کے پہلے سورۂ سورۂ بقرہ کی پہلی آیت الٓمٓ ہی ماہر لسانیات، مفسر، محقق، دانشور، مترجم، نقاد غرض علوم و فنون کے دعوے داروں کے علم و شعور فہم و ادراک اور عقل کو عاجز کر دیتی ہے۔

شائقؔ حیدرآبادی

ڈاکٹر ظہیر احمد باقوی راہیؔ فدائی ایم۔اے، پی ایچ، ڈی، ایم۔ایف۔بی۔

دکن کی سرزمین اس اعتبار سے اردو زبان و ادب کی مادر مہربان ہے کہ سیاسی عوامل نے اُس نومولود کو اس مولد و موطن قطعۂ شمال کے نامساعد و ناموافق حالات سے بچا کر دُور دراز واقع گیتیٔ دکن کی محفوظ و مامون گود میں ڈال دیا تو مادرِ دکن نے اس شیرخوار اردو کو نعمتِ خداوندی سمجھ کر نہ صرف اپنے سینے سے لگایا بلکہ اس کی ساخت و پرداخت کی تمام تر ذمہ داریاں بھی بحسن و خوبی نبھائیں۔ چنان چہ یہ نونہال گڑیا اپنے عہد طفولیت سے عنفوان شباب تک قطب شاہی، عادل شاہی اور نظام شاہی ادوار میں بے باکانہ اور آزادانہ گھومتی پھرتی اور موج اڑاتی رہی اور یہ کم سن موہنی اردو اپنی سندر مورت، دلکش صورت اور لاابالی و مستانہ طبیعت کے باعث ایک طرف سلطانوں شاہوں اور نوابوں کے ایوانوں میں اور دوسری طرف بزرگوں، صوفیوں اور درویشوں کی خانقاہوں میں بے تکلّف و بےخوف آمد و رفت کی عادی ہو چکی تھی۔ غرض یہ کہ یہ شیریں زبان شاہوں، فقیروں اور امیروں، غریبوں میں یکساں مقبول و محبوب رہی۔ بعد ازاں اس پر ایک وقت ایسا آیا کہ دکن دیش کے ایک مایہ ناز فرزند میر ولی دکنی نے اس بھولی بھالی الھڑ دوشیزہ کے قد و خال نکھارنے اور اس کی زلف طوال سنوارنے کے بعد اسے اپنے ہمراہ ملکِ شاہجہانی یعنی دلّی لے جا کر خود اس کے زاد بوم میں از سرِ نو اس کا تعارف کرایا تھا۔ پھر اس کے بعد جو بھی حالات پیش آئے تھے وہ سب کچھ صفحات تاریخ پر مرقوم و محفوظ ہیں۔ جس کی تفصیل اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہاں اس تمہید کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عموماً ارضِ دکن کے اہلِ قلم، خصوصاً شہر حیدرآباد کے اصحابِ رقم اس احساسِ کمتری میں بلکہ سراسر غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ زبانِ اردو پر نہ ان کا کوئی حق ہے اور نہ اس پر ان کا کوئی بس چلتا ہے۔ حالاں کہ یہ دکن دھرتی اردو کی ماں ہے۔ جس نے اس کو پالا پوسا اور چلنا بولنا سکھایا تھا، اس محبت کی کی دیوی کا احسان اس قدر عظیم ہے کہ اس کا نہ کوئی نعم البدل ہو سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی عوض بن سکتا ہے۔ اس واضح صورت حال کے باوجود ہمارے قلمکار و تخلیق شعار حضرات یہ مفروضہ قائم کرلیں کہ دکن دیش میں کسی ماہر زبان دان، عظیم نقاد، باکمال محقق اور اعلیٰ شاعر کا وجود عنقا ہے۔ تو ایسی رائے خلاف حقیقت اور برعکس

واقعیت متصور ہوگی یہی احساس کمتری اور اسی طرح کی کیفیتِ فروتنی پوری شدت وحدت کے ساتھ اب سے ایک صدی پیشتر بھی موجود تھی جب کہ شہرِ حیدر آباد فرخندہ بنیاد میں حضرت داغ دہلوی کا ورودِ مسعود ہوا تھا یہاں پہنچ کر جناب داغ شہر استاذ ہی نہیں بلکہ استاذِ شاہ بنا دیے گئے پھر تو ہر طرف موصوف کا طوطی بولنے لگا۔ شاہی استاذ کے آگے کسی مقامی استاذ کا چراغ کیا جلتا۔ بلکہ جلتے ہوئے چراغ کی ضیاء بار افادیت کو تسلیم کرنے میں بھی عار محسوس کیا جا رہا تھا۔ تمام ملکِ دکن میں کسی کو داغ کا ہم پلّہ تو کجا ہم زبان کہنے کی جرأت بھی کسی میں نہ تھی۔ ایسے فکری زوال اور سطحی مقال کے دور میں علامہ سید شاہ قاضی اعظم علی شائق حیدر آبادی (۱۲۹۲ھ - ۱۳۲۸ھ) نے اپنی خاندانی عظمت، منصبی شہرت اور علمی قابلیت کے باوجود استاذ شاہ حضرت داغ دہلوی کے دروازے پر برائے نام بھی دستک دینا گوارا نہیں کیا۔ بلکہ حضرت شائق نے مقامی استاذ ڈاکٹر احمد حسین مائل حیدر آبادی کے روبرو زانوئے ادب تہہ کرتے ہوئے انہیں اپنا رہبرِ سخن اور استاذِ فن تسلیم کیا جس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ؎

ہوا جب سے مائل کا شاگرد شائق ! | عدو اس کے اشعار کا خوشہ چیں ہے (کلیاتِ شائق ص۱۹)

کچھ نہیں آتا تھا کہنا یاد ہیں شائق وہ دن | فیض سے استاذ کے اب تو سخنور ہوگیا (کلیاتِ شائق ص۲۷)

حضرت شائق نے بڑی ہی جرأت اور ہمت سے ڈاکٹر مائل حیدر آبادی کو مشورۂ سخن کے لیے منتخب کیا۔ حالاں کہ مائل پر اعتراض کیا گیا کہ وہ دکنی ہیں، اہلِ زبان نہیں ہیں، جس کی شکایت خود حضرت مائل نے کی ہے ؎

قدر مائل کی ہو کیونکر کہ ہے مائل دکنی | وہ دکھاتا ہے یہی عیب ہنر سے پہلے

اس اقدام کے پس پشت کسی طرح کا تعصب یا کوئی تحفظِ ذہنی کار فرما نہیں تھا، بلکہ یہ آپ کا بے باکانہ فیصلہ آپ کی زبان وبیان کی حقیقت سے آگاہی اور لسانی تاریخ سے کماحقہٗ واقفیت کا نتیجہ تھا، جو اس وقت کی مرعوب کن فضا کے مدنظر واقعی غیر معمولی بات تھی۔ حضرت شائق کے اس حقیقت پسندانہ رویہ سے ہرگز یہ قیاس نہ کیا جائے کہ آپ حضرت داغ کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ یہ اس لیے کہ آپ نے حضرت داغ اور حضرت امیر مینائی کے وصال کے بعد بڑے ہی رنجیدہ خاطر ہوکر کہا تھا: ؎

شائق مزہ تھا شعر کا، جب تک امیر و داغ تھے | رہتے تھے دو استاذِ فن اک اِس طرف اک اُس طرف

(کلیات ص۱۵۲)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ پروفیسر حفیظ قتیل صاحب نے اپنے تلمیذِ رشید جناب عطا محمد حسین کے مقالے کی رہنمائی فرماتے ہوئے اپنے شاگرد کے قلم سے علامہ شائق پر یہ اعتراض متعدد بار کروایا کہ شائق زبان وبیان کے تعلق سے بہت ہی بے پروا ہیں۔ ان کے اشعار بے کیف و بے لطف ہیں اور ان کے ہاں جابجا الفاظ کا غیر موزوں

انتخاب پایا جاتا ہے۔ چناں چہ عطا محمد صاحب کا بیان ہے کہ

”وہ دکنی الفاظ و محاورات بہت بے تکلفی کے ساتھ استعمال کر جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ داغ اور ان کے متبعین کے برخلاف طرزِ بیان پر بھی کوئی توجہ نہیں دیتے۔ بغیر کسی اہتمام کے جو مضمون جس طرح بندھ جاے باندھ دیتے ہیں۔ زبان و بیان سے اس بے پروائی کے باعث ان کے اشعار میں عام طور پر بندش کی سستی پیدا ہو گئی ہے۔“

(شائقؔ کی حیات اور نعت و منقبت: ص۷۵: مقالہ برائے امتحان ایم اے؛)

ایک اور مقام پر جناب عطا محمد رقم طراز ہیں:

”ایک ہی مضمون کہیں چست اور برجستہ بندھا ہے تو کہیں لفظوں کے غیر موزوں انتخاب اور بیان کی سستی کی وجہ سے نہایت سست ہو کر رہ گیا ہے۔“ ”ان کی نعتیہ غزل کے اشعار بے کیف اور بے لطف ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ یا ان کی بے پروائی ہے یا جذبات کی شدت جو اہتمام فن کا موقع نہیں دیتی یا پھر یہ دونوں اس کوتاہی کے ذمہ دار ہیں۔“

(مقالہ مذکور: ص۸۹)

حضرت شائقؔ کے مقالہ نگار اور ان کے پروفیسر صاحب کے اعتراض کی بنیاد اسی احساس کمتری کا جذبہ ہے۔ جس کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے۔ مقالہ نگار نے جب یہ دیکھا کہ شائقؔ داغؔ کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہونے کی بجائے مائلؔ سے اپنا رشتہ تلمذ قائم کیا ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ ضرور ان کے کلام میں اغلاط و اسقام کی بھرمار ہو گی پھر جستہ جستہ ادھر ادھر سے کلام کا مطالعہ فرما کر یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ شائقؔ کے یہاں اسقام بہت ہیں۔ حالاں کہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی حضرت شائقؔ درحقیقت جذبۂ عشق اور شدتِ شوق کے شاعر تھے۔ ابتدأ جب آپ نے غزل میں طبع آزمائی کی تو اس ہیئات میں زورِ بیان صرف کرنے کے باوجود مضامین عشق مجازی کی روایتی فضا بندی کی وجہ سے آپ کی غزلوں میں شدتِ جذبات اور حدّتِ احساسات کی کمی رہ گئی۔ آپ نے خود اس عیب کو محسوس کیا تو اپنے اشہبِ قلم کو غزل کی تنگ و تنگ راہ سے موڑ کر نعت پاک کے وسیع و عریض میدان میں ڈال دیا۔ پھر تو میدانِ نعت میں رخشِ قلم کی سبک روی و برق رفتاری کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے کہا: ؎

صد شکر دل کو ہو گیا اب نعت سے لگاؤ　　شائقؔ کلام سے مرے رنگ غزل گیا

(کلیاتِ شائقؔ: ص۳۱)

نعت گوئی کے فیضان کی وجہ سے آپ کا کلام قبولیتِ عام اور شہرتِ دوام کی سند پا گیا۔ آپ نے اس بات کا اعتراف اپنے کلام میں بارہا کیا ہے۔ چناں چہ آپ رقم طراز ہیں: ؎

شائقؔ خستہ یہ ہے نعتِ محمدؐ کا طفیل　　تیرے شعروں پر بھی شور مرحبا ہونے لگا　　(کلیات: ص۳۳)

- لکھی میں نے جو لب ہائے محمدؐ کی ثنا شائقؔ ۔۔۔ مرا ہر شعر دفتر بن گیا شیریں مقالوں کا[1]
- نعت کا صدقہ ہے شائقؔ جو ترے اشعار پر ۔۔۔ مرحبا کا شور ہے، غُل ہے جزاک اللہ کا[2]
- گرمیٔ نعت نبیؐ سے ہوی گرمی دل کی ۔۔۔ ہم کو شائقؔ تیرے اشعار نے سونے نہ دیا[3]
- وصف روئے احمدیؐ کا ہے یہ اے شائقؔ اثر ۔۔۔ تیرا ہر ہر شعر ہے گویا زمیں پر آفتاب[4]

حضرت شائقؔ کی اس مقبولیتِ خاص وعام کا اعتراف کرتے ہوئے جناب عطا محمد حسین نے لکھا ہے کہ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے شائقؔ کی شیفتگی و دیوانگی اس قدر بے محابہ ہے کہ ان کے ایک ایک لفظ سے ان جذبات کی تندی و تیزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ نعت گو شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت ومقبولیت کا راز شاید ان کا یہی جنون تھا۔" (مقالۂ مذکور: ص۸۶)

حضرت شائقؔ نے نعتیہ کلام میں روایتی مضامین باندھنے کے علاوہ ندرتِ مضامین کا استعمال کثرت سے کیا ہے۔ چند شعر نموتاً یہاں پیش کئے جارہے ہیں: ؎

- اثر ہے عشقِ چشمِ احمدِ مختارؐ اے دل ۔۔۔ لحد پر میری بعدِ مرگ غول آیا غزالوں کا[5]
- قبر میں رکھ کر مجھے پلٹیں گے سارے اقرباء ۔۔۔ روح طیبہ جائے خالی مکاں ہو جائے گا[6]
- عاشق نبیؐ کا درہم و دینار کیا کرے ۔۔۔ خواہش نہیں ہے اس کو کسی کی، سوائے داغ[7]
- شائقؔ مرا ہے الفتِ گیسوئے یار میں! ۔۔۔ تعمیر ہو مزار کی سنگِ سیاہ سے[8]
- مجھے کیا ظلمتِ مرقد کا ڈر شائقؔ ہے سینے میں ۔۔۔ چراغِ داغِ عشقِ صاحبِ لولاکؐ رکھا ہے[9]

حضرت شائقؔ مدینہ منورہ پہنچ کی شدید خواہش کا اظہار اپنی اکثر نعتوں میں کیا ہے۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

- گر مدینے میں خدا بھیج دے مجھ کو شائقؔ ۔۔۔ یوں تو ہونے کو دکن میں بھی بسر ہوتی ہے[10]
- بس اب شائقؔ کو اے ختم رُسلؐ بلوا لو طیبہ میں ۔۔۔ کہوں کیا میں طبیعت ہند سے بیزار ایسی ہے[11]
- جلد شائقؔ کو بلا ہند سے سوئے عرب ۔۔۔ یا نبیؐ بے ڈھب ستاتی ہے جدائی آپؐ کی[12]
- یا خدا دکھلادے شائقؔ کو مدینہ زیست میں ۔۔۔ ساتھ لے جائے نہ شہر مصطفےٰؐ کی آرزو[13]
- آتی ہی ہوگی مدینہ سے سواری ٹھہرو ۔۔۔ ملک الموت ذرا دیر تو رستہ دیکھو[14]

شائقؔ کی اس تمنائے دلی اور آرزوئے قلبی کا ذکر کرتے ہوئے مقالہ نگار جناب عطا محمد حسین رقمطراز ہیں:

کلیات شائقؔ: ۱: ص۴۹، ۲: ص۵۳، ۳: ص۴۵، ۴: ص۹۵، ۵: ص۴۹، ۶: ص۲۳، ۷: ص۱۵۲، ۸: ص۲۸۳، ۹: ص۲۷۳، ۱۰: ص۷، ۱۱: ص۹۰، ۱۲: ص۲۷۷، ۱۳: ص۲۵۷، ۱۴: ص۲۱۶، ۱۵: ص۲۱۷

"شائق کے عشقِ رسولؐ کی بنیاد جو کچھ بھی ہو، اس میں بڑی تیزی تندی اور والہانہ پن ہے ۔ وہ جس طرح بن پڑے مدینہ پہنچ جانا چاہتے ہیں اور یہ اُن کی آرزو جنوں کی حد میں داخل ہو گئی ہے ۔ لیکن یہ کس قدر دلگداز واقعہ ہے کہ وہ دیوانگی شوق کے ساتھ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔ لیکن حج کے بعد مدینہ منورہ نہ جاسکے۔ جہاں جانے کی آرزو انھیں زندگی بھر تڑپاتی رہی اور حیدرآباد واپس ہوتے ہوئے انتقال کیا ۔" (مقالۂ مذکور : ص۸۴)

الغرض مکہ مکرمہ جاکر مدینہ منورہ پہنچ نہ پانے کی تو مقالہ نگار کی گرفتِ خیال میں نہ آسکی، اسی لیے وہ اس پر رنج و ملال کا اظہار فرمارہے ہیں۔ حالاں کہ بزرگانِ سلف کے واقعات میں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں ۔ باوجود سعئ پیہم کے ان کا داخلہ مدینۂ منورہ کے حدود میں نہ ہوسکا ۔ بالآخر اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ دے کر داخلِ بارگاہِ اقدس ہونا پڑا۔ یہ اس لیے کہ بعض اولیائے کرام کا عشقِ رسول فنا فی الرسول کے درجہ کو پہنچا ہوا ہوتا ہے ۔ اس صورت میں روضۂ اقدس پر حاضری اگر ہوجاتی اور وہاں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے ، بے قرار و اضطراب کی حالت میں وصل کی خواہش کر بیٹھتے ہیں تو محبوبِ کبریا اس کی اجازت فرماتے ہوئے اپنے روضہ سے باہر تشریف لے آئیں تو وہی گھڑی یقیناً قیامت کی ہوگی ۔ سارا نظامِ عالم درہم و برہم ہوجائے گا اور وقت اپنی جگہ ٹھہر جائے گا ۔ اس طرح قبل از قیامت کا آنا منشائے خداوندی کے خلاف ہونے کی بناء پر ایسے صوفیائے کرام کو مدینہ منورہ کے حدودِ اربعہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جاتی ۔ کسی بزرگ کی جزوی آرزو پوری کردی جاتی ہے ۔ جیسا کہ احمد رفاعیؒ کی خواہش پر آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک روضہ اقدس سے باہر نمودار ہوا جس کے ایک بوسہ کی تمنا آپ نے کی تھی۔ اسی طرح حضرت قطبِ ویلور سید شاہ عبداللطیف قدس سرہٗ کی آرزوئے قلبی کے مدِنظر آپ کے "السلام علیک یا جدّی" کے جواب میں باآوازِ بلند "وعلیک السلام یا ولدی" کا ارشادِ اکرم ہوا ۔ جس کو تمام حاضرین نے صاف اور واضح طور پر سننے کی سعادت حاصل کی ۔ ان واقعات کی روشنی میں ممکن ہے کہ حضرت شائق قدس سرہٗ کی شدتِ شوقِ دیدار کو ملاحظہ فرماکر ان کی جانِ عزیز کا نذرانہ قبول کرلیا گیا ہو ۔ اس طرح ان کی دلی تمنا پوری کردی گئی ہو ۔ حضرت شائق کو اس کا احساس و ادراک تھا ۔ اسی لیے آپ نے کہا : ؎

⁂ نکلوں جو میں یہاں سے طیبہ میں غُل ہو برپا	دیوانہ مصطفےٰ کا شائق کفن سے نکلا ۱
⁂ خوشی سے جان دی ہے اس نے سوزِ ہجرِ احمدؐ میں	عجب کیا ہے چراغِ قبر بھی شائق کا ہنستا ہو ۲
⁂ مارا ہے فراقِ نبویؐ نے مجھے شائق !!	جی جاؤں میں آجائے جو سرکار اِدھر آج ۳
⁂ پس مردن ہماری روح شائق !!	نبیؐ کو ڈھونڈتی طیبہ چلی ہے ! ۴

(بقیہ ص۹۵ پر)

کلیاتِ شائق : ۱: ص۱۲ ، ۲: ص۲۱۸ ، ۳: ص۱۱۵ ، ۴: ص۳۱۸

سلطنتِ خداداد میں فارسی اور اردو...

علیم صبا نویدی : مدیر اعلیٰ نورِ جنوب چنئی

عہدِ سلطنتِ خداداد (1175ھ تا 1213ھ) مطابق 1761ء تا 1799ء اپنے انتشار، جنگ وجدال اور نامساعد حالات کے باوجود مختلف جدید علوم وفنون کی ترویج واشاعت اور تہذیب وتمدن کی نشوونما کے اعتبار سے حیرت انگیز طور پر انتہائی روشن اور تابناک رہا ہے۔ یہ اڑتیس 38 سال پر مشتمل مختصر دورِ حکومت (نواب حیدر علی خان اکیس 21 سال اور حضرت ٹیپو سلطان 17 سترہ سال) جو جدید سائنسی اور تکنیکی علوم وفنون سے مالامال نظر آتا ہے۔ نواب حیدر علی خان اگرچہ پڑھے لکھے آدمی نہیں تھے، مگر علم وفضل کے غیر معمولی طور پر قدردان تھے۔ اسی لیے آپ نے اپنے دارالخلافہ سری رنگا پٹن (ظفر آباد) کو علم وہنر کا مرکز بنانے کے لیے دور دراز علاقوں سے قابل علماء اور جدید فضلا کو دعوت دے کر اپنے یہاں جمع کیا۔ اسی طرح حضرت ٹیپو سلطان نے جو خود بھی علامہ وقت سے کم نہیں تھے۔ اپنے دورِ حکومت میں نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند، ایران، افغانستان اور حجاز وغیرہ سے بھی اہلِ علم و دانش کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ چناں چہ ایران کا ایک شہزادہ ٹیپو سلطان کے دربار میں دو سال تک مہمان رہا۔ باپ اور بیٹے دونوں کے درباروں میں ملک الشعراء کا تقرر ہوتا تھا۔ اور شعراء خاص خاص تاریخی موقعوں پر قصیدے بھی پیش کرتے تھے۔ یہ قصیدے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ دونوں کو نادر ونایاب کتابیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ سلطان کی شہادت کے بعد جب اُن کا کتب خانہ انگریزوں کے ہاتھ لگا تو وہ حیران رہ گئے کہ وہ حکمران جس کو تختِ شاہی پر فرصت سے بیٹھنے کی بھی مہلت نہیں ملی اور جو ہر وقت جنگ وجہاد کے لیے کمربستہ رہتا تھا وہ کیسے علم کا شیدائی بنا اور کیسے ہزاروں نایاب مخطوطات جمع کیے۔ انگریزوں نے اپنے ساتھ مالِ غنیمت کے طور پر اس دولتِ نایاب کو بھی لوٹ کر لندن پہنچا دیا۔ جہاں اس کی وضاحتی فہرست چارلس اسٹیوارٹ (charles Steward) نے مرتب کر کے شائع کی۔ ٹیپو سلطان کی علم دوستی اور قدردانی ملک اور بیرونِ ملک کے اہلِ علم واہلِ قلم کے قافلے کو سلطنتِ خداداد کی طرف کشاں کشاں لے آئی۔ بہرحال یہاں ہم سلطنتِ خداداد کی فارسی اور اردو خدمات پر روشنی ڈالیں گے تاکہ اس عہد کی علمی وادبی اور

لسانی خدمات کے ساتھ ساتھ تہذیبی اقدار و معیار کا بھی صحیح نقشہ اُبھر کر قارئین کے سامنے آجائے :

عہد سلطنتِ خداداد میں بول چال کی زبان دکنی تھی اور فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ دفتر کا کاروبار، خطوط نویسی، فرامین کی اجرائی اور تحریر اسناد اکثر و بیشتر اوقات زبانِ فارسی میں ہوا کرتے تھے سلطنت نے بذاتِ خود جو کتابیں لکھیں یا لکھوائیں وہ تمام کی تمام فارسی میں تھیں۔ البتہ دو ایک کتابیں عوام کی دینی ضروریات کی خاطر سلطنت نے دکنی زبان میں لکھوائی تھیں۔ چناں چہ دربار سلطانی کے ملک الشعرا حسن علی عزت نے "فتح نامہ" دکنی زبان میں تحریر کیا۔ عزت نے سلطان کے حکم پر فنِ موسیقی میں "مفرح القلوب" نامی کتاب تصنیف کی جس کی عبارتیں اور بیانات فارسی میں ہیں۔ مگر رقص کے لیے گائی جانے والی غزلیں دکنی زبان میں ہیں۔

حضرت سید شاہ محمد حسینی

ملقب بہ حسینی حضرت شاہ جمال الدین بخاری جمالؔ رائچوٹی (المتوفی ۱۱۶۲ھ) کے فرزند کلاں اور حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت بخاری (المتوفی ۷۸۵ھ) کی اولاد سے تھے۔ حضرت شاہ میر عالم و فاضل اور صوفی کامل بزرگ تھے آپ کی وفات ۳ جمادی الاول ۱۱۸۶ھ کو ہوی۔ مزار شریف نل پول (نزد کدری) آندھرا میں ہے۔ آپ کو نواب حیدر علی خان نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ مگر آپ نے خود جانے کی بجاے اپنے برادر خورد حضرت شاہ کمال کو سری رنگا پٹن روانہ کر دیا تھا۔

حضرت سیّد شاہ نور اللہ قادری نورؔ

آپ حضرت شاہ میر کے برادر حقیقی تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد شاہ جمال کے زیر نگرانی ہوی اور تکمیل علوم باطنی بڑے بھائی حضرت شاہ میر کے ظلِ عاطفت میں ہوی۔ جیسا کہ آپ نے اپنی فارسی غزل میں فرمایا:[۵]

شاہ میر کہ مرشد است و پیرم　　　او ساختہ مرشدم ہمیشہ

(تجلّیات نورانی، ص:۱)

آپ نے بھی اپنے بھائی کی طرح فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کی اور کئی ایک کتابیں لکھیں۔ آپ کی تصنیف تجلیٔ انوار، معروف بہ "تجلیات نورانی" بہ زبان فارسی تصوف کے اعلیٰ وارفع مسائل کی حامل ہے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہے۔

حضرت سیّد شاہ کمال الدین بخاری قادری

آپ شاہ میر کے سب سے چھوٹے بھائی اور خلیفہ ہیں۔ حضرت شاہ کمال اپنے وقت کے مانے ہوے بزرگ، باکمال شاعر اور صاحب طرز انشا پرداز تھے۔ آپ کے عقیدت مندوں میں سلطان ٹیپو شہید بھی تھے۔ سلطان نے آپ کو سری رنگا پٹن میں خاص طور پر مدعو فرمایا تھا اور آپ سے خوب استفادہ بھی کیا تھا۔

بقول راہی فدائی، آپ سے حسنِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ:

"جب انگریزوں نے سلطان کی خدمت میں ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں جنگ اور صلح میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو سلطان نے فوراً اپنا ایک ایلچی شاہ کمال کی خدمت میں روانہ کیا اور آپ سے مشورہ طلب کیا۔ اس وقت آپ اتفاقاً ذکر میں مشغول تھے۔ آپ نے موقع کی نزاکت کے مدنظر ایلچی سے فرمایا: "در صلح خیر" (صلح میں بھلائی ہے۔) مگر چوں کہ سلطان کا نمائندہ غدّار تھا۔ اس نے کاغذ پر "در سلحہ خیر" (یعنی اسلحہ اٹھانے اور جنگ کرنے میں بہتری ہے۔) لکھ کر سلطان کے حوالے کر دیا۔ سلطان نے چٹھی دیکھ کر سمجھا کہ شاہ کمال جنگ کا مشورہ دے رہے ہیں۔ بعدازاں گھمسان کا رن پڑا جس میں سلطان نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس طرح تقدیر غالب آگئی۔"

(کڈپہ میں اردو: مطبوعہ ۱۹۹۲ء)

حضرت شاہ کمال نے فارسی زبان میں ایک ضخیم کتاب "کلماتِ کمالیہ" کے نام سے تصنیف کی جس کا ایک نادر مخطوطہ مولانا راہی فدائی کے شخصی کتب خانہ میں موجود ہے۔ جسے راقم الحروف کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ نثری کتاب تصوف کے معرکۃ الآراء مضامین پر مشتمل ہے۔ "کلمات کمالیہ" عہدِ ٹیپو سلطان کی یادگار تصنیف ہے۔ جو ہنوز زیور طباعت کی منتظر ہے۔ حضرت شاہ کمال کی دکنی کتابیں بھی ملتی ہیں جن میں "دیوان مخزن العرفان" متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ آپ کی دیگر کتابوں میں، دیوان فارسی "کمال المعرفت" "منظوم کلام کمال" فارسی، "حسن السوال وحسن الجواب"، بہت مشہور ہیں۔

لالہ مہتاب رائے سبقت

آپ اردو، فارسی دونوں زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ اور دربارِ سلطنتِ خداداد کے نامور ادیب و شاعر تھے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری نے آپ کے اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ "مہتاب سخن" (فارسی) کے نام سے ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد سے شائع کیا۔ جناب سبقت نے اپنا کلام اور خطوط کو خود ہی "شمع مجلسِ اردو" (۱۹۱۱ء) کے نام سے ترتیب دیا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا خاندان شمال کے ہندو کائستھ سے ہے اور خاندان شمالی ہند سے آکر نواب حیدر علی کے ہاں ملازم ہو گیا تھا۔ سبقت نواب حیدر علی خان کے سکریٹری اور محرر (کاتب) کی حیثیت سے ان کے ہمراہ رہتے تھے۔ بقول ڈاکٹر حبیب النساء بیسوری ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۶۱ء میں ہوسکوٹہ کی فتح پر انھوں نے ایک قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے اور ٹیپو سلطان کی تخت نشینی کے موقعہ پر ایک قصیدۂ تہنیت بھی پیش کیا ہے۔

احمد خان شیرانی

آپ کولار کے متوطن تھے۔ نواب حیدر علی خان کے زمانہ میں اس کی کافی مقبولیت تھی آپ "چار کرسئی کلاں" بزبانِ اردو مطبوعہ ۱۱۶۹ھ کے مصنف ہیں۔ اور وہ یہ کتاب ہے جو سارے کرناٹک میں بچّوں کی ذہنی تربیت کے لیے مفید اور کار آمد سمجھی جاتی ہے۔

میر زین العابدین شوستری

آپ ٹیپو سلطان کے میر منشی تھے۔ آپ نے سلطان کی نگرانی میں مشہور و معروف کتابیں "فتح المجاہدین"، "مویدالمجاہدین" اور "خطبات جمعہ" لکھی ہیں۔

محمد اسحاق بیجاپوری

آپ ۱۱۸۴ھ میں پیدا ہوے۔ آپ کا شمار عہدِ ٹیپو سلطان کے معروف شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۲۰۶ھ میں "ریاض العارفین" نامی کتاب نظم کی تھی۔ جس میں حمد، نعت اور مناجات کے بعد اخلاق حمیدہ کی تلقین بھی ملتی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۷۶ھ میں منصۂ شہود پر آئی۔ اس کا قطعہ تاریخ مدراس کے معروف شاعر صادق الحسینی شریف مدراسی نے لکھا

حسن علی عزّت

آپ حضرت ٹیپو سلطان کے نہ صرف درباری شاعر تھے، بلکہ ملک الشعراء کے خطاب سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔ آپ نے "مفرح القلوب" نامی کتاب دکنی زبان لکھی جو اسی نام کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بھی ٹیپو سلطان کے حکم پر لکھی گئی۔ جس میں علم موسیقی کے قواعد و ضوابط وضاحت کے ساتھ درج ہیں۔ "مفرح القلوب" غزلیات اور دوسری نظموں کا مجموعہ فارسی اور دکنی زبان میں ہے۔ جس کو حسن علی عزّت درباری شاعر نے لکھ کر سلطان کے نام سے منسوب کیا ہے۔ عزّت کی ایک اور تصنیف "اضراب سلطانی" (۱۲۰۰ھ مطابق 1785ء) کے نام سے مشہور ہے۔ جو ٹیپو سلطان کے جنگی حالات کی تصویر کشی کرتی ہے۔ یہ جنگ سلطان نے نظام دکن اور مرہٹوں کی متحدہ قوت کے مقابلے میں کی تھی۔ جس میں سلطان کو فتح مبین حاصل ہوی تھی اور یہ کتاب دکنی زبان میں سلطان کے حکم پر لکھی گئی تھی۔ "اضراب سلطانی" کو ڈاکٹر صبغۃ اللہ نے مرتب کر کے ۱۹۹۰ء میں بنگلور سے شائع کیا تھا۔

قاضی غلام احمد

آپ عہدِ سلطانی میں سری رنگا پٹن کے مسند قضات پر جلوہ افروز ہوے۔ آپ اپنے وقت کے یکتائے روزگار عالم مانے جاتے تھے۔ آپ کی تصنیف کردہ فارسی کتابوں میں "زادالمجاہدین" اور "جواہر القرآن"

مشہور ہیں۔ اور آپ نے "خلاصہ سلطانی" (احکام النساء) دکنی نثر میں مرتب کی تھی جس میں خواتین کے فقہی مسائل کی وضاحتیں موجود ہیں۔

شیخ میاں فضل اللہ فقیرؔ

آپ گنجام کے باشندے تھے۔ فقیرؔ تخلص سے مشہور تھے۔ آپ "چہار کرسی طریقت" (بزبانِ دکنی) کے مصنف ہیں۔ اس کا ایک نسخہ ادارۂ ادبیات اردو، حیدر آباد میں محفوظ ہے۔

میر حسن علی کرمانی

آپ عربی اور فارسی زبان کے جیّد عالم تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید عبدالقادر کرمانی تھا۔ آپ بھی گنجام کے متوطن تھے۔ کرمانی نواب حیدر علی خان کی ملازمت میں داخل ہوئے اور میر منشی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ حضرت ٹیپو سلطان نے آپ کو اپنے دورِ حکومت میں اپنا مصاحب بنایا تھا۔ آپ نے نواب حیدر علیخاں اور ٹیپو سلطان کے تفصیلی حالات نشانِ حیدری کے نام سے بزبان فارسی قلم بند کئے۔ یہ کتاب سلطنتِ خداداد کی تاریخ کے لیے ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے نواب حیدر علی اور سلطان شہید کے عہد کے کارناموں اور فتوحات وغیرہ کے متعلق کوئی اور کتاب موجود نہیں تھی۔ کرمانی کی دیگر فارسی کتابوں میں "تذکرہ البلاد والحکام"، "سوانح بابا فخر الدین" اور "بدیع المعانی" قابلِ ذکر ہیں۔ تذکرہ البلاد والحکام کے مخطوطے کتب خانہ سالار جنگ (شعبہ مخطوطات) حیدر آباد اور انڈیا آفس لائبریری، لندن کی زینت ہیں۔ سوانح بابا فخر الدین اور بدیع المعانی کا تا حال کہیں بھی پتہ نہ چل سکا۔ صرف سی۔ اے۔ سٹوری نے ہی اپنی کتاب "پرشین لٹریچر" میں کیا ہے۔ جناب سلیم تمنائی نے اطلاع دی ہے کہ کرمانی کی مزید دو کتابیں "بحر فطرت" اور "تجنیس اللغات" ان کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا سن تحریر ۱۲۲۱ھ ہے۔ کرمانی کی مذکورہ بالا کتابوں کے دیباچوں سے ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعری میں حاکمؔ تخلص کرتے تھے۔ حالاں کہ جناب اکرام کاوش نے تذکرہ البلاد والحکام پر تبصرہ کرتے ہوئے روزنامہ "سالار" کے ادبی ایڈیشن میں لکھا ہے کہ کرمانی کا تخلص حاکمؔ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ علاوہ ازیں مولوی محمد خان نے اپنے مقالہ بعنوان "میسور میں اردو" میں کرمانی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ٹیپو سلطان شہید کی شہادت پر لکھا گیا مرثیہ نقل کیا ہے، جس میں کرمانی کا تخلص حاکمؔ درج ہے۔ اس مرثیہ کا آخری شعر مندرجہ ذیل ہے ؎

بس اے حاکمؔ تو اس الم کے طفیل
سینہ وشوں میں نام آور رہے

کرمانی کی رحلتِ سلطان پر کہی ہوئی فارسی تاریخیں آج بھی گنبد شہید کی سنگین دیواروں پر کندہ ہیں۔

سید عارف اللہ شاہ قادری

آپ کے والد کا نام سید محمد بن سید حافظ تھا۔ آپ کے آبا و اجداد بیجاپور کے متوطن تھے۔ آپ سید صدر الدین قادری

نل منگلی ابن میراں شاہ ولی اللہ آرکاٹی کے خلیفہ تھے۔ انھیں کے خاندان کی ایک لڑکی سے آپ کی شادی ہوی۔ عارف شاہ نے ۱۲۲۴ھ میں مثنوی "حقوق المسلمین" اور ۱۲۳۰ھ میں "مطلوب المریدین" تصنیف کی۔ آپ کی دیگر مثنویوں میں "عقائد نامہ"، "میلاد نامہ"، "وفات نامہ" قابلِ ذکر ہیں۔ فارسی نثر میں آپ نے "انشاءِ زاد المبتدی" تحریر کی جو مکاتیب پر مشتمل ہے۔

خیر اللہ شاہ قادری عرف محمد شریف

آپ اردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ کا تخلص خادم تھا۔ شہر گنجام کے متوطن تھے۔

حسین بن قادر

آپ سلطان کے عہد کے نامور شاعر تھے۔ آپ کے مرشد کا اسم گرامی حضرت سید حسن تھا۔ انھوں نے مذہبی عقائد پر مشتمل ایک فارسی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس کو حضرت ٹیپو سلطان کی خدمت میں پیش کیا جس کو حضرت ٹیپو سلطان نے قبول کرتے ہوے اس پر اپنے دستخط مع تاریخ ثبت کر دیے۔ یہ محرم ۱۱ ر ۱۱۸۰ھ کا واقعہ ہے۔

محمد علی مہکری خانہ زاد

آپ محمد سعید عاصی نل منگلی کے فرزند کلاں تھے۔ سلطنت خداداد میں بحیثیت گورنر آپ کا تقرر بارہ محل، کالی کوٹ، کوتھی، ہنگلور وغیرہ علاقوں میں ہوا تھا۔ حضرت ٹیپو سلطان نے آپ کو فلک شکوہ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ آپ اس دور کے بہترین شعرا میں سے تھے۔ 1806ء میں آپ کا کلام "گنجِ شائیگاں" چھپ چکا تھا۔ آپ کی وفات بھی اسی سن میں ہوی اور آپ کا مزار مبارک ٹمکور میں ہے۔

منشی غلام حسین منجم

آپ دربار سلطان شہید کے نامور منجم اور شاعر تھے۔ آپ کا تخلص عاصی تھا۔ علم ریاضی، علم ہندسہ، علم حساب، علم نجوم، علم مناظر، علم جبر و مقابلہ، علم جر ثقیل، علم طب، علم انشاء اور علم قانون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فارسی کے ایسے محقق تھے کہ اہل زبان کو بھی آپ کا لوہا ماننا پڑتا تھا۔ بڑے طباع تھے۔ ان کے رقعات فارسی زبان میں موجود ہیں۔ ان رقعات کی عبارت مسجع، مقفّیٰ اور فصیح و بلیغ ہے آپ کا وصال ۱۲۸۰ھ میں میسور میں ہوا۔ آپ کی دیگر کتابوں میں "استیفا" اور "تکمیل الصرف" کا پتہ چلتا ہے۔

مرزا زین العابدین عابد

آپ مرزا عسکر کے فرزند تھے۔ جو عہد ٹیپو سلطان میں منصب صدوری پر فائز تھے۔ آپ کی ولادت ۱۷۸۰ء میں ہوی۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے وقت آپ کی عمر صرف انیس ۱۹ سال تھی۔ سلطان نے آپ

کو غنی کچہری کا بخشی مقرر کیا تھا۔ اس کمسنی میں آپ کا تقرر آپ کی بہترین صلاحیتوں کا غماز تھا۔ آپ کی مثنویوں میں " نقشِ مراد" ۱۸۰۳ء " مثنوی" جوش و خروش" ۱۸۳۰ء بے حد مشہور ہیں۔ آپ نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی تھی۔ آپ کی وفات ۱۸۵۱ء میں ہوئی۔

سلطنتِ خداداد کا عہد جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے بہت زیادہ طویل نہیں تھا۔ لیکن صرف اڑتیس 38 سال کے مختصر عرصہ میں اس سلطنت کے حکمرانوں نے کبھی چین کے لمحے نصیب نہیں ہوئے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب کہ ایک طرف سلطنت مغلیہ موت کی آخری سانسیں لے رہی تھی تو دوسری طرف انگریز، فرانسیسی، پرتگالی اور ڈچ اقوام کے غیر ملکی تاجروں نے اپنے قدم ہندوستان کے مختلف مقامات میں جمانے شروع کر دیے تھے۔ سلطنتِ خداداد کے حکمرانوں کا مسئلہ یہ تھا کہ انھیں صرف مادرِ وطن کی حفاظت کا فرض نبھانا تھا، بلکہ ہندوستان کے کسی بھی گوشہ میں کوئی بھی غیر ملکی اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش اور اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے کی جدوجہد تیز کرنے لگتا تو ان حکمرانوں کی غیرت کے کان کھڑے ہو جاتے۔ مستقبل کی دور دور کی راہوں کو وہ دیکھ لیتے، دشمنوں کی سازشوں کا پتہ بآسانی لگا لیتے اور کسی بھی مکر و فریب کاری کو شناخت کر لینے کی خوبی بدرجۂ اتم ہندوستان بھر کے کسی بھی حکمران میں موجود نہیں تھی۔ لہٰذا سلطنتِ خداداد کے جواں ہمت، جواں سال حکمران سلطان ٹیپو کی ذمہ داری ہو جاتی تھی کہ وہ ان تمام آنے والی فتنہ سامانیوں کو پوری طرح فرو کر دے۔ چوں کہ سلطنت خداداد کے اطراف و اکناف کی ریاستیں اس قدر دور اندیش نہ تھیں۔ انھیں یہ غلط فہمی ہونے لگی کہ خدانخواستہ ضرب ٹیپو سے ان کی ساکھ ختم نہ ہو جائے گی۔ اسی لیے انھوں نے ٹیپو سلطان کا ساتھ دینے کے بجائے غیروں کے اشاروں پر کام کرنے کو مصلحتِ وقت سمجھ لیا اور قدم قدم پر اولوالعزم حکمرانوں کی راہوں میں کانٹے بچھانے لگے۔

یہی وہ تاریخی پس منظر تھا جس کی وجہ سے ٹیپو سلطان کو ایک لمحہ کے لیے ذہنی طمانیت و یکسوئی نصیب نہ ہوئی۔ باوجود ان تمام موانعات و مشکلات کے ٹیپو سلطان نے اپنے عہد میں اتنا کچھ کر دکھایا کہ زمانہ کی عقل حیران رہ گئی۔ شاید ہی کسی وقت اتنی خوش نصیبی کا موقعہ انھیں ملا ہو۔ صنعت و زراعت، تعلیم و تربیت اور زندگی کے ہر شعبہ میں ٹیپو سلطان نے نہ صرف اپنی باخبری کا ثبوت دیا بلکہ اس کی ترقی و ترویج کے لیے حتی المقدور، جان توڑ کوشش کی۔ ان تمام شعبوں میں علم و ادب کا شعبہ بہت نمایاں اور انتہائی روشن نظر آتا ہے۔ حالاں کہ سلطنت کی زبان فارسی تھی لیکن عوامی زبان اردو ہونے کی وجہ سے دونوں زبانوں کو برابر کے حقوق دیتے ہوئے ٹیپو سلطان نے ہر طرح سے ان کی اشاعت و ترویج کے مواقع فراہم کئے۔ کیا ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند سے بھی ماہرِ تعلیم اور اہلِ قلم حضرات کو دعوت دے کر بلایا گیا اور ان کی صلاحیت اور بہترین مشوروں سے کما حقہٗ فائدہ اٹھایا گیا۔ جگہ جگہ مدارس اور جامعات کا بھی قیام عمل میں آیا۔ عوام کی نہ صرف دنیاوی ضروریات بلکہ دینی تقاضوں کو بھی مدِ نظر رکھ کر ان کی

(بقیہ مضمون صفحہ 92 پر)

صد پند سودمند

لقمانِ حکیم برائے تربیتِ فرزندِ پروردۂ باناز و نعم

لقمان حکیم کی سو فائدہ مند نصیحتیں برائے تربیت فرزند ایسا لڑکا جو ناز و نعم میں پرورش پایا ہو

مترجم الطاف حسین خان ۔ ایم فل (فارسی) عثمانیہ یونیورسٹی ۔ حیدرآباد

۱	اول آن کہ اے جانِ پدر خدائے عزوجل را بشناس۔	اے باپ کی جان اللہ عزوجل کو پہچان۔
۲	ہرچہ از پند و نصیحت گوئی نخست بران کار کن۔	جو نصیحت کی جائے اس پر پہلے عمل کر۔
۳	سخن باندازۂ خویش گوئی۔	اپنے اندازہ کے مطابق کر (جس قدر معلوم ہو وہی کہی جائے۔)
۴	قدر مردم بدان۔	لوگوں کی قدر کر۔
۵	حق ہمہ کس را بشناس۔	ہر شخص کے حق کو پہچان۔
۶	راز خود را نگاہ دار۔	اپنے راز کی حفاظت کر۔
۷	یار را وقت سختی بیازمائی۔	مشکل میں دوست کو آزما۔
۸	دوست را بسود و زیان امتحان کن۔	دوست کا امتحان لے فائدہ اور نقصان کے وقت۔
۹	از مردم آبلہ و نادان بگریز۔	بے وقوف اور نادان آدمی سے گریز کر۔
۱۰	دوستِ زیرک و دانا گزین۔	سمجھ دار اور دانا آدمی کی دوستی اختیار کر۔
۱۱	در کارِ خیر جد و جہد نمائی۔	کارِ خیر میں جد و جہد کر۔

۱۲	ہر زنان اعتماد مکن۔	عورتوں پر اعتماد نہ کر۔
۱۳	تدبیر با مردِ مصلح و دانا کن۔	اصلاح کرنے والے اور دانا آدمی سے معاملات کی تدبیر کر۔
۱۴	سخنت بحجت گوئی۔	دلیل کے ساتھ بات کر۔
۱۵	جوانی را غنیمت دان	جوانی کو غنیمت سمجھ۔
۱۶	ہنگامِ جوانی کار دو جہانی راست کن۔	جوانی ہی میں دونوں جہان کے کاموں کو درست کرلے۔
۱۷	یاران و دوستان را عزیز دار۔	یاروں اور دوستوں کو عزیز رکھ۔
۱۸	با دوست و دشمن ابرو کشادہ دار۔	دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آ۔
۱۹		
۱۹	مادر و پدر را غنیمت دان۔	ماں باپ کو نعمت سمجھ۔
۲۰	استاد را بہترین پدر شمر۔	استاد کو بہترین والد شمار کر۔
۲۱	خرچ باندازۂ دخل کن۔	جتنی آمدنی ہو اتنا ہی خرچ کر۔ (جتنی چادر ہو اتنا ہی پیر پھیلا۔)
۲۲		
۲۲	در ہمہ کار میانہ رو باش۔	ہر کام میں میانہ روی اختیار کر۔
۲۳	جوانمردی پیشہ کن۔	جوانمردی کو بطور پیشہ (ہنر) اختیار کر۔
۲۴	خدمتِ مہمان بواجبے ادا کن۔	مہمان کی خدمت پورے اہتمام کے ساتھ ادا کر۔
۲۵	درخانۂ کہ درآئی چشم و زبان را نگاہدار۔	کسی بھی گھر میں داخل ہو تو آنکھوں اور زبان کی حفاظت کر۔
۲۶	جامہ و تن پاکدار۔	لباس اور جسم کو پاک رکھ۔
۲۷	باجماعت یار باش۔	جماعت کی دوستی اختیار کر۔
۲۸	فرزند را علم و ادب بیاموز۔	اولاد کو علم سکھا۔
۲۹	اگر ممکن باشد تیر انداختن و سواری بیاموز۔	اگر ممکن ہو سکے تو تیر چلانا اور گھوڑا سواری سکھا۔
۳۰	از کفش و موزہ کہ پوشے ابتداز پائے راست	جوتا اور پاتابے پہنتے وقت سیدھے پاؤں

	کن و بدر آوردن از پائے چپ گیر۔	سے ابتدا کرو اور نکالتے وقت بائیں پاؤں سے۔
۳۱	باہر کس کار باندازہ او کن۔	ہر آدمی سے اس کے اندازہ کے مطابق کام لے۔
۳۲	بشب چوں سخن گوئی آہستہ و نرم گوئی او بروز چو گوئی بھر سو نگاہ کن۔	جب تم رات میں بات کرو تو آہستہ اور نرمی کے ساتھ بات کرو اور دن میں اگر بات کرو تو ہر طرف دیکھ لو۔
۳۳	کم خوردن و خفتن و گفتن عادت انداز۔	کم کھانا اور کم سونے اور کم بات کرنے کی عادت بنالو۔
۳۴	از ہر چہ بخود نہ پسندی بدیگراں میپسند۔	ہر وہ چیز جو اپنے لیے پسند نہ کرے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند مت کر۔
۳۵	کارہا بادانش و تدبیر کن۔	کاموں کو سمجھداری اور تدبیر سے کر۔
۳۶	ناآموختہ استادی مکن۔	بغیر پڑھے کے استادی مت کر۔
۳۷	بازن و کودک راز نگوئی۔	عورت اور بچے سے راز مت کہہ۔
۳۸	برخیر کساں دل منہ۔	لوگوں کی نیکی اور بھلائی پر دل مت رکھ۔ (مراد لوگوں کی دولت پر نظر مت رکھ۔)
۳۹	از بد اصلاں چشم وفا مدار۔	بد اصل (بدنسل) سے وفا کی امید مت رکھ۔
۴۰	بی اندیشہ در کار مشو۔	بغیر فکر کئے کام میں مت لگو (کام کرو تو سوچ سمجھ کر کرو۔
۴۱	ناکردہ کردہ مشمر۔	جو کام نہیں ہوا ہے اسے ہو گیا مت شمار کر۔
۴۲	کار امروز بفردا میفگن۔	آج کا کام کل پر نہ ڈال۔
۴۳	با بزرگتر از خود مزاح مکن۔	اپنے سے بڑوں سے مذاق مت کر۔
۴۴	با مردم بزرگ سخن دراز مگوئی۔	بزرگوں کے ساتھ لمبی گفتگو نہ کرو۔
۴۵	عوام الناس را گستاخ مباز۔	عوام الناس کو گستاخ مت بناؤ۔
۴۶	حاجت مند را نومید مکن۔	ضرورت مند کو ناامید مت کر۔
۴۷	از جنگ گذشتہ یاد مکن۔	گذشتہ لڑائیوں کو یاد مت کرو۔
۴۸	خیر کساں بخیر خود میامیز۔	لوگوں کے روپے پیسے کو اپنے روپے پیسے میں مت ملاؤ

۴۹	امال خود را بدوست و دشمن خود منمائی۔	اپنے مال کو اپنے دوست و دشمن کو مت بتاؤ۔
۵۰	خویشاوندے از خویشاوندان مبرد۔	رشتہ داروں سے رشتہ داری مت کاٹ۔ (قطع مت کر۔ اپنوں سے اپنائیت قطع مت کر۔)
۵۱	کسان را کہ نیک باشد بغیبت یاد مکن۔	لوگوں کو جو نیک ہوں غیبت سے یاد مت کر
۵۲	بخود منگر۔	اپنے آپ کو نہ دیکھ۔
۵۳	جماعت کہ ایستادہ باشد تو نیز موافقت ہمہ کن۔	ایک بڑی جماعت (جو ایک مقصد لے کر) کھڑی ہوئی ہو تو ان سب کی موافقت کر۔
۵۴	انگشتاں بہمہ مگذران۔	کسی کے معاملہ میں مداخلت مت کر۔ اپنی انگلیوں کو دوسروں سے نہ کٹواؤ۔
۵۵	در پیش مردم خلال دندان مکن۔	کسی آدمی کے سامنے دانت خلال مت کر۔
۵۶	آب دہن و بینی بآواز بلند مینداز۔	تھوک اور رینٹ کو بلند آواز کے ساتھ مت پھینک
۵۷	در فاژہ دست بر دہن۔	جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ۔
۵۸	بروی مردم کاہلی مکشر۔	لوگوں کے سامنے سستی مت توڑ۔
۵۹	انگشت در بینی مکن۔	ناک میں انگلی مت ڈال۔
۶۰	سخن ہزل آمیختہ مگو می۔	مسخرہ پن والی گفتگو نہ کر۔
۶۱	مردم را پیش مردم خجل مکن۔	لوگوں کو لوگوں کے سامنے شرمندہ مت کر۔
۶۲	غمازی بچشم و آبرو مکن۔	آنکھ اور بھو سے اشارہ مت کر۔
۶۳	سخن گفتہ دیگر بار مخواہ۔	کہی ہوئی بات کو دوبارہ نا چاہ۔ (نہ کہہ)
۶۴	از سخن کہ خندہ آید حذر کن۔	جس بات کو سن کر لوگ ہنسیں اس سے پرہیز کر۔
۶۵	ثنائے خود و اہل خود پیش کسی مگوی۔	اپنی تعریف اور اپنے اہل و عیال کی تعریف لوگوں کے سامنے مت کر۔
۶۶	خود را چون زنان میارا می۔	اپنے آپ کو عورتوں کی طرح آراستہ مت کر۔
۶۷	ہرگز بمراد فرزندان مباش۔	اولاد کے ہر خواہش کی تکمیل مت کر۔
۶۸	زبانِ نگہدار۔	زبان کی حفاظت کر۔

۶۹	دروقت سخن دست مجنبان۔	بات کرتے وقت ہاتھ مت ہلا۔
۷۰	حرمت ہرکس را پاس دار۔	ہر شخص کے احترام کا پاس ولحاظ رکھ۔
۷۱	بہ بدآمد کسان ہمداستان مشو۔	کسی کی برائی کرنے والے کا معاون مت بن
۷۲	مردہ را بہ بدی یاد مکن کہ سودی ندارد۔	گزرے ہوئے لوگوں کو (جو انتقال کر چکے) برائی سے یاد نہ کرو کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔
۷۳	ناتوانی جنگ وخصومت مساز۔	جتنا تجھ سے ہو سکتا ہے جنگ (لڑائی) خصومت (دشمنی) سے پرہیز کر۔
۷۴	قوت آزمائے مباش۔	لوگوں سے قوت آزمانے والا نہ ہو۔
۷۵	آزمودہ کس را جز بصلاح گمان مبر۔	ایک آزمائے ہوئے شخص سے متعلق اچھا ہی گمان رکھ۔
۷۶	نان خود بر سفرۂ دیگراں مخور۔	اپنا رزق دوسروں کے دسترخوان پر نہ کھا۔
۷۷	درکارہا تعجیل مکن۔	کاموں میں عجلت مت کر۔
۷۸	برائے خود را در رنج میفگن۔	دنیا کے واسطے اپنے آپ کو تکلیف میں مت ڈال۔
۷۹	ہر کہ خود را بشناسد او را بشناس۔	جو اپنے آپ کو پہچانتا ہے اس کو پہچانو۔
۸۰	درحالت غضب سخن فہمیدہ گوئی۔	غصہ کی حالت میں سمجھ میں آنے والی گفتگو کرو۔
۸۱	آستین آب بینی پاک مکن۔	آستین سے ناک صاف مت کر۔
۸۲	بوقتِ برآمدن آفتاب مخسپ۔	سورج نکلتے وقت مت سو۔
۸۳	پیش مردم مخور۔	لوگوں کے سامنے مت کھاؤ۔
۸۴	از بزرگان براہ پیش مرو۔	بزرگوں کے سامنے سے مت جاؤ۔ (گزرنا)
۸۵	درمیانِ سخنِ مردم میا۔	لوگوں کی باتوں کے درمیان مت جاؤ۔
۸۶	پیش سر بزانو منہ۔	گھٹنوں میں پیشانی ڈال کر مت بیٹھ۔
۸۷	چپ وراست منگر بلکہ نظر بسوی زمین بدار۔	نظریں سیدھی بائیں جانب مت ڈال بلکہ زمین کی طرف رکھ یعنی نیچی رکھ۔
۸۸	اگر توای برستور برہنہ سوار مشو۔	اگر تجھ سے ہو سکے تو گھوڑے کی برہنہ پیٹھ پر سوار نہ ہو

۸۹	پیش مہمان بر کسی خشم مکن ۔	مہمان کے سامنے کسی پر غصہ مت کر۔
۹۰	مہمان را کار مفرمائی ۔	مہمان سے کوئی کام نہ لیں ۔
۹۱	با دیوانہ و مست سخن مگوئی ۔	دیوانے یا شرابی سے بات مت کرو۔
۹۲	با فارغان و اوباشان برسر محلہ ہا نشستین ۔	بے کار اور اوباش لوگوں کے ساتھ محلوں میں مت بیٹھو۔
۹۳	بہر سودی و زیان آبروی خود مریز ۔	فائدہ اور نقصان کے لیے اپنی آبروریزی مت کر۔ (اپنی عزت نہ گنواؤ)
۹۴	فضول و متکبر مباش ۔	بے کار رہنے والا اور تکبر کرنے والا نہ ہو۔
۹۵	خصومت مردم بخویش مگیر ۔	کسی اور کا غصہ اپنے رشتہ داروں پر نہ نکال۔
۹۶	از جنگ و فتنہ برکران باش ۔	جنگ اور فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کر۔
۹۷	بے کار د و انگشتری و درم مباش ۔	غیر ضروری طور پر انگوٹھی اور درم کی فکر میں مت رہ۔
۹۸	مراعات کن چندان کہ خود را خوار نسازی ۔	مراعات اس حد تک کر کہ تو خوار و ذلیل نہ ہونے ہونے پائے ۔
۹۹	فروتن باش ۔	انکساری اختیار کر۔
۱۰۰	زندگانی کن بخدای تعالیٰ بصدق ۔	اپنی زندگی گزار اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سچائی سے
	بنفس بقہر ۔	اور اپنے نفس کے لیے قہر کے ساتھ۔
	با خلق بانصاف ۔	اور مخلوق کے لیے انصاف کے ساتھ۔
	بہ بزرگان بخدمت ۔	بزرگوں کے ساتھ خدمت کے ذریعہ۔
	بخردان بشفقت ۔	چھوٹوں کے لیے شفقت کے ساتھ۔
	بدرویشان بسخاوت ۔	غریبوں فقیروں کے لیے سخاوت کے ساتھ۔
	بدوستان و یاران بہ نصیحت ۔	دوستوں و یاروں کے لیے نصیحت کے ساتھ۔
	بدشمنان بحلم ۔	دشمنوں کے لیے حلم (بردباری) کے ساتھ۔
	بجاہلان بخاموشی ۔	جاہلوں کے ساتھ خاموشی کے ذریعہ۔
	بعالمان بتواضع ۔	عالموں کے ساتھ تواضع اختیار کر۔

باین طریق بسر بر مال کسی طمع کن۔

وچون پیش آید منع مکن
لیکن چوں پیش آید جمع مکن

وگفت سہ ہزار کلمہ در نصیحت نوشتہ ام

سہ کلمہ ازان برگزیدہ ام۔ دو از آن یاد دار و یک را فراموش گردان۔

یعنی خدائے تعالیٰ و مرگ را یاد دار و نیکی کردن فراموش کن۔ و نیز فرمودہ اند کہ خاموشی ہفت خاصیت دارد زینت است۔

بی پیرایہ، ہیبت[2] بے سلطنت، عبادت[3] بے محنت حصار[4] بے دیوار۔ بے نیاز[5] بے عذر۔ فراغ از کرام کاتبین[6]۔ پوشیدن عیب ہا

بیت ؎

بطبعم ہیچ مضمون بہ زلب بستن نمی آید
خموشی معینی دارد کہ در گفتن نمی آید

فرد ؎

سینہ ہا را خامشی گنجینۂ گوہر کند
یاد دارم از صدف این نکتہ سربستہ را

نقل است کہ از وی پرسیدند معنیٔ بلوغ چیست؟
فرمود دو معنی دارد یکی آن کہ از مرد منی بیرون آمد دوم آن کہ
مرد از منی برون آید

تو اس طریقہ سے زندگی گزار کہ کسی کے مال پر تو طمع نہ کرے۔

اگر کوئی پیش کرے تو منع نہ کرو
اور کوئی پیش کرے تو جمع مت کرو

لقمان حکیم فرماتے ہیں میں نے نصیحت میں تین ہزار 3000 کلمے لکھے ہیں۔

ان میں سے تین ۳ کلمے کو میں نے اختیار کیا۔ ان میں سے دو کلموں کو یاد رکھ اور ایک کلمہ کو بھول جا۔

یعنی اللہ تعالےٰ اور موت کو یاد رکھ اور کسی کے ساتھ تو نیکی کی ہے اُسے بھول جا۔ اور بولنے والے یہ بھی فرماتے ہیں کہ خاموشی میں سات خاصیتیں ہیں (خصوصیات) سجاوٹ ہے مگر بے پیرایہ ہیبت پیدا کرتی ہے اگرچہ کہ خاموشی اختیار کرنے والا سلطنت کا مالک نہیں ہے بغیر محنت کے عبادت ہے بغیر دیوار کے حصار ہے۔ بے نیازی ہے بغیر عذر (بہانے کے۔ کرام کاتبین کے سوال وجواب سے بھی فراغت کا باعث ہے۔ عیبوں کو چھپانے والی ہے۔

میرے خیال میں کوئی مضمون زباں بندی سے بہتر نہیں آرہا ہے یعنی نہیں ہے۔ خاموشی اختیار کرنا ایسا مددگار ہے جس کی تعریف میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

سینوں کو خاموشی جواہرات کا خزانہ کر دیتی ہے اس قیمتی بات کو (نکتۂ سربستہ) میں نے سیپی سے یاد رکھا

بیان کرتے ہیں کہ لقمان حکیم سے لوگوں نے پوچھا بلوغ کی معنی کیا ہیں تو انھوں نے فرمایا اس کے دو معنی ہیں ۱۔ یہ کہ کسی انسان سے مادۂ (مادۂ منویہ) باہر آئے۔

اور دوسرا یہ کہ منی سے بچہ پیدا ہو۔



سریہ جات نبوی

محمد شریف برکاتی ۔ آمبور

غزوہ وہ لڑائی اور جنگ جس میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم خود نفس بہ نفیس شریک ہوئے اور سپہ سالاری کی۔

سریہ وہ لڑائی اور جنگ جس میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم نے شرکت نہیں فرمائی ۔ بلکہ اپنی طرف سے کسی صحابی کو امیر لشکر بنا کر پرچم دے کر بھیجا ہو۔

اللہ رب العزت نے سب سے پہلے حضور اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم کے نورِ مبین کو پیدا فرمایا ، پھر اس نور سے عرش ، کرسی ، فرشتے ، جنت ، دوزخ ، ہوا ، آگ ، پانی اور زمین ، آسمان ، چرندے ، پرندے ، پہاڑ اور پوری کائنات کو خلق فرمایا ۔ مٹی سے حضرت آدمؑ کو ان کی پسلی سے بی بی حواؑ کو پیدا فرمایا ۔ انھیں جنت میں رکھا ۔ ایک غلطی جو ابلیس کے بہکاوے میں آکر کی ، انھیں جنت سے نکالا اور زمین پر بھیج دیا ۔ آدم علیہ السلام کی نسل زمین پر پھیلتی گئی ۔ اس کے ساتھ ساتھ بدی ، بت پرستی ، نافرمانی بہت زور سے پھیلنے لگی ۔ انہی آدم زادوں سے نیک ۔ اور صالح بندے بھی وجود میں آئے ۔ اللہ نے انھیں شریعت ، کتاب ، صحیفے دے کر بدکرداروں بت پرستوں ، نافرمانوں کی ہدایت کے لیے نبی ، رسول ، پیغمبر بنا کر بھیجا انھوں نے آدم زادوں میں وحدانیت ، فرماں برداری اور نیکی کی اشاعت کی ۔ جب گناہ حد سے بڑھنے لگے ، نافرمانی اور بت پرستی کا زور ہونے لگا تو بارش اور طوفان کے ذریعہ ڈرایا ، کبھی زمین کے تختے الٹ دیے ، کبھی آگ برسائی ، کبھی پتھر برسائے ، کبھی پرندوں کے ذریعہ عذاب بھیجا ۔ لیکن نیکی ، فرماں برداری اور وحدانیت کا پھیلاؤ اتنا نہ ہوا ۔ جتنا شرک ، کفر ، نافرمانی اور بدکاری کا ہوا ۔

بدکاری ، کفر اور شرک کا دور دورہ تھا ۔ آدم زاد اپنے وعدۂ فردا سے روگرداں ہوتے گئے ، جہالت ظلمت اور بدی کی گھٹائیں چاروں طرف اپنی حدوں کو پار کر رہے تھے ، رحمتِ باری کو جوش آیا اور مکہ معظمہ میں عبد المطلب کے بیٹے ،

(حضرت عبداللہ اور بی بی آمنہ) سے ایک آدم زاد محمدؐ نامی پیدا ہوئے جو رحمۃ للعالمین بن کر سارے عالم کے لیے باران رحمت لے آئے۔ چالیس برس کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں وحدانیت، نیکی اور فرماں برداری کی اشاعت کی۔ اپنوں نے غیروں نے خوب ستایا، ڈرایا، دھمکایا، عورت کا، مال کا، دولت مندی اور سرداری کا لالچ دیا۔ آپؐ اسلام کی اشاعت سے باز نہ آئے۔ آخر سب نے مل کر آپؐ کو جان سے مار دینے کا فیصلہ کیا اور رات گھر کو گھیر لیا۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو اس کی خبر دے کر ہجرت کر جانے کا فرمان دیا۔ آپؐ گھر سے نکلے، دشمنوں کی نظروں کے سامنے سے گزر اپنے دوست صدیق اکبرؓ کے ساتھ مدینۂ منوّرہ کو ہجرت کر گئے۔ مدینہ کے قریب مقام قبا میں مسجد کی تعمیر ہوئی اور مسلمانوں نے اعلانیہ نماز ادا کی۔ چودہ دن کے بعد مدینہ کو روانہ ہوئے۔ جمعہ کا روز تھا۔ مقام رانوا میں نماز جمعہ ادا کی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اونٹنی نے جس مقام پر بیٹھا وہی آپؐ کا مسکن ہوا۔ اسی جگہ کو دس دینار میں خریدا گیا۔ مسجد نبوی اور آپؐ کا مکان بنا۔

مدینہ اور اطراف مدینہ میں یہودی، نصرانی اور بت پرستوں کی آبادیاں تھیں۔ ان سے معاہدے کئے گئے۔ یہاں پہنچنے کے بعد اسلام کو تقویت ملتی گئی۔ قبائل اور دوسرے لوگ آتے گئے اور مسلمان ہوتے گئے۔ جہاد کی آیت کے نزول کے ساتھ اشاعت اسلام اور قوتِ اسلام بڑھنے لگے۔ قبائل عرب، یہود و نصاریٰ نے بدعہدی کی۔ منافقین کی ریشہ دوانیوں نے مسلمانوں کو اپنی اسلامی حمیت انسانی کے اظہار کے مواقع فراہم کئے۔ اس لیے سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سرزنش کے لیے فوجی قوت کو استعمال کرنا پڑا۔ کسی لڑائی میں آپؐ خود سپہ سالاری کی اور کبھی اپنے صحابہ میں کسی ایک کو امیر بنا کر پرچم دے کر چند افراد کے ساتھ ان کی گوشمالی کے لیے بھیجا اور یہ سریہ کہلایا۔ ہجرت کے پہلے سال سے گیارھویں سال تک آپؐ نے ایسے لشکر بھیجے۔ ان کا مختصر سا حال پیش خدمت ہے۔

ہجرت کا پہلا سال

۱۔ عبیدہؓ بن حارث کو ساٹھ صحابہؓ کے ساتھ ابوسفیان کی سرزنش کے لیے بھیجا۔ وہ بچ کر چلا گیا۔

۲۔ سعد بن ابی وقاصؓ کو بیس صحابہؓ کے ساتھ قریش کے قافلہ کی سرزنش کے لیے بھیجا۔ پانچویں دن وہ خرار پہنچے۔ قافلہ ان کے آنے سے پہلے فرار ہوگیا۔

ہجرت کا دوسرا سال

عبداللہ بن جحش آٹھ آدمیوں کے ساتھ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ نامی مقام پر قریش کے قافلہ کے انتظار کے لیے بھیجا۔ نجران کے مقام پر سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کا اونٹ گم ہوگیا۔ اس کی تلاش میں اٹھائیسویں رجب کو اس مقام پر پہنچے تو قریش کے قافلہ کو جاتے دیکھا۔ صلاح اور مشورہ ہو رہا تھا کہ واقد بن عبداللہ نے تیر چھوڑا جو سردار قافلہ عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ مارا گیا۔ دو شخص گرفتار ہوئے۔ قافلہ کے مال و اسباب پر قبضہ

کر خمس نکال کر مالِ غنیمت تقسیم ہوا۔ جب مدینہ پہنچے تو حضورؐ اکرم خفگی ظاہر کی۔ آخر شعبان میں آیت کے نزول کے بعد خمس اور قیدیوں کو قبول فرمایا۔

ہجرت کا تیسرا سال کوئی سریہ نہیں بھیجا گیا۔

ہجرت کا چوتھا سال حضور اکرمؐ کو معلوم ہوا کہ طلیحہ اور سلمہ خویلد کے بیٹے جنگ کے لیے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں تو محرم کی پہلی تاریخ کو ابوسلمہ بن عبدالاسد کے ہمراہ ڈیڑھ سو۱۵۰ صحابہؓ کو روانہ فرمایا۔ حسب الارشاد نزدیک کے راستے سے جا کر ان کو زیر کیا۔ تین۳ آدمی قید ہوئے باقی بھاگ گئے۔

۲ پانچ محرم کو عبداللہ ابن انیس کو عرنا روانہ فرمایا۔ تاکہ خالد بن ہذلی کے بیٹے سفیان کو قتل کرے۔ حضورؐ نے بتلایا کہ سفیان کو دیکھ کر عبداللہ ابن انیس گھبرا جائے گا۔ عبداللہؓ کی باتیں سُن کر سفیان نے اپنے ہاں مہمان رکھا۔ عبداللہ نے موقعہ ملتے ہی سفیان کا سر کاٹا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوے۔

۳ صفر کے مہینے میں عضل اور قارہ کے قبیلے کی گزارش پہ عاصم بن ثابت کو نو۹ صحابہؓ کو اُن کی دینی تعلیم کے لیے بھیجا۔ ہذیل قبیلے کے سو تیرانداز انھیں ایک غار پناہ گزیں پایا۔ سات صحابہ شہید ہوے۔ دو۲ صحابہ کو مکہ لے کر فروخت کر دیا۔ عاصم نے دعا کی کہ اس کی کافروں کے ہاتھ نہ لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ عاصم کی شہادت کی خبر سنائی اور ان کے جسم کی حفاظت شہد کی مکھیاں بھیج کر فرمایا۔

۴ منذر بن عمر کے ساتھ ستر صحابہ کو نجد کی طرف بھیجا۔ عبدالبراء نے مسلمان نہ ہو کر درخواست کی تھی۔ مکہ اور عسفان کے درمیان بیر معونہ کے مقام پہ رُکے۔ حرام بن ملحان کو نامہ دے کر عامر بن طفیل عامری کے پاس بھیجا۔ اس نے انھیں شہید کر دیا۔ اپنی قوم کو حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دو۔ پھر عصبہ اور رحل کے قبیلے والوں نے مل کر سب کو قتل کر دیا۔ صرف کعب بن زید بخاری زخمی ہو کر بچ گئے۔ عبدالبراء کی شرارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ منذر بن محمد بھی شہید ہوے۔ عمرو بن امیہ ضمری بچتے بچاتے قرقرہ پہنچے ایک مہینے تک نماز میں حضورؐ رحل، ذکوان اور بنی لحیان اور عصبہ کے قبیلوں کے لیے بددعا کرتے رہے۔ اسی سریہ میں حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے شہادت پائی ان کی لاش کو فرشتوں نے دفن کیا۔

ہجرت کا پانچواں سال کوئی سریہ نہیں بھیجا گیا۔

ہجرت کا چھٹواں سال محمد بن مسلمہ کو تیس۳۰ سواروں کے ہمراہ یکم محرم کو بنی ابوبکر بن کلاب کے قبیلے قرطا کو سزا دینے کے لیے روانہ فرمایا یہ لشکر رات کو سفر کرتا، دن میں قیام کرتا۔ ان تک پہنچ کر جنگ کی۔ کچھ قتل ہوے۔ اور کچھ بھاگ گئے۔ ڈیڑھ سو۱۵۰ اونٹ

اور تین ہزار بکریاں کے ساتھ مدینہ واپس آے ۔

۲ ماہ ربیع الآخر میں ابو عبیدہ بن الجراح کے ماتحت چالیس[۴۰] مجاہدین دوسری بار ذی القصد روانہ فرمایا ۔ شب خوں مارا ۔ کفار بھاگ نکلے ۔ مال واسباب اور جانوروں کے ساتھ مدینہ آے ۔

۳ اسی مہینے میں زید بن حارث کو بنو سلیم جو جموم میں رہتے تھے روانہ فرمایا ۔ کفار بھاگ نکلے ۔ عورتوں اور جانوروں کے ساتھ مدینہ آے ۔

۴ جمادی الاول میں زید بن حارث اور ستر سواروں کو عیض روانہ فرمایا ۔ قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کیا ۔ تمام مال واسباب ، بہت سارو پیہ اور چند افراد کو قید کر کے واپس آے ۔

۵ اسی ماہ میں زید بن حارثہ کی سرکردگی میں پندرہ آدمیوں کو بنی ثعلبۂ جو مدینہ سے چھتیس[۳۶] میل کی دوری پر رہتے تھے ، پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا ۔ طرف نام چشمہ کے قریب کفار پر حملہ کر کے مار بھگایا ۔ ا

۶ اور اسی ماہ میں زید بن حارثہ کو وادی القریٰ حسمی کو روانہ فرمایا ۔ سبب یہ تھا کہ حضور اکرمؐ نے وحیہ بن خلیفہ کو قیصر روم کے پاس بھیجا تھا ۔ وہ واپسی میں حسمی مقام پر آئے تو بنی جذام نے وحیہ کے پاس جو خلعت اور انعام تھا ، پورے لباس کے ساتھ لوٹ لیا ۔ صرف ایک کپڑا بدن پر رہنے دیا ۔ بنی خبیب نے اطلاع پا کر لوٹ کا مال وحیہ کو واپس دلایا ۔ وحیہ مدینہ پہنچ کر حضورؐ کو خبر دی ۔ پانچسو مسلمانوں کے ہمراہ بنی جذام کو سزا دینے کے لیے بھیجا ۔ حسمی پہنچ کر شب خوں مارا ۔ چند مارے گئے ۔ باقی سب بھاگ گئے سو عورتیں ، ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریوں کے ساتھ مدینہ آے ۔ بنی جذام کے چند لوگ حاضر خدمت ہو کر ایمان لے آے ۔ حضورؐ نے ان کا مال واسباب واپس لوٹا دیا ۔

۷ ماہ شعبان میں رسول اللہ صلے علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنے دست مبارک سے پگڑی باندھی اور بنی کلب کے قبیلہ کی طرف دومۃ الجندل روانہ فرماتے ہوے ارشاد فرمایا : قبیلہ والوں کے سامنے دعوت اسلام رکھو ۔ قبیلے والے اسلام لے آئیں تو قبیلہ کے نصرانی سردار [illegible] کلبی کی بیٹی سے نکاح کر لو ۔ عبدالرحمٰن بن عوف تین دن اس قبیلے میں رہے ۔ سردار کے ساتھ اکثر لوگ [illegible] افراد [illegible] دینا پسند کیا ۔ سردار کی بیٹی تماضر کو اپنے نکاح میں لا کر مدینہ وا[illegible]

۸ اسی مہینے میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی سرکردگی میں
تین سو صحابہ کو فدک روانہ فرمایا۔ بنی سعد جو مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی مدد کے لیے تیاری کر رہے تھے۔
آپ صبح پہنچ کر ان کے چند جانوروں کو ہلاک کیا۔ بہت سے بھاگ گئے۔ پانچ سو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور
مال غنیمت کے ساتھ مدینہ آئے۔

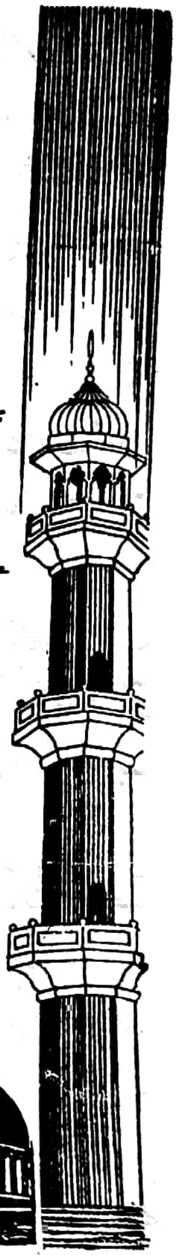
۹ رمضان میں زید بن حارثہ جو زخموں سے شفایاب
ہو گئے تھے۔ انھیں دوبارہ وادی القریٰ بھیجا۔ رات کو چلتے دن میں ٹھہرتے۔ وہاں پہنچے۔ بنی فزارہ کا محاصرہ کیا۔ قرفہ
نام کی ایک بوڑھی عورت جو حضورؐ کی ہجو کیا کرتی تھی گرفتار ہوئی۔ اسے قتل کیا اور اس کی لڑکی کو قید کر کے مدینہ لے آئے

۱۰ اسی ماہ آپؐ نے عبداللہ بن عتیک اور چار صحابہ
کو ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ عبداللہ کسی ترکیب سے قلعہ کے اندر پہنچے۔ قلعہ کی چابیاں رکھنے کی جگہ
دیکھ لی۔ سب کے سو جانے کے بعد چابیاں اٹھا لیں۔ ابو رافع کے گھر پہنچے۔ اندھیرا تھا۔ ابو رافع کو آواز دی۔ جواب
ملنے پر آواز کی طرف بڑھے، اُس نے پھر آواز دی تو بڑھ کر وار کیا۔ واپسی میں گر پڑے۔ پاؤں ٹوٹ گیا۔ قلعہ کے باہر ایک جگہ
بیٹھ گئے۔ صبح قلعہ کے اندر سے ماتم کی آواز آئی۔ آواز سن کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے۔ وہاں سے نکلے۔ مدینہ
پہنچ کر حضور اکرم صلے اللہ وآلہ وسلم کو ابو رافع کی موت کی خبر سنائی۔

۱۱ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ ابو رافع
کے قتل کے بعد یہودیوں نے اسیر بن رازم کو سردار بنالیا ہے اور اسیر بن رازم جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے اور بنی غطفان کو
مدد کرنے پر آمادہ کر رہا ہے تو آپؐ نے عبداللہ بن رواحہ اور دو صحابہ کو خبر کی سچائی معلوم کرنے بھیجا۔ عبداللہ بن رواحہ نے خبر
کے سچ ہونے کی اطلاع دی۔ حضور اکرمؐ نے تیس صحابہ کو ساتھ کر کے رازم کو پیغام دیا کہ اگر وہ اطاعت کرے تو خیبر کا
حاکم بنا دیا جائے گا۔ اس نے حامی بھر لی اور تیس یہودیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ قرقرہ پہنچ کر راز ساتھ آنے پر نادم ہوا اور
عبداللہ کی تلوار پر ہاتھ ڈالا، دوسری مرتبہ بھی ہاتھ ڈالا۔ تو عبداللہ نے اسے قتل کیا اور اس کے سب ساتھیوں کو مار ڈالا۔ مگر ایک یہودی
بچ کر بھاگ نکلا۔

۱۲ اسی مہینے میں عرنیہ قبیلے کے چند افراد مدینہ آکر اسلام لے آئے
ہوا موافق نہ تھی بیمار ہو گئے۔ آپؐ نے واپسی کی اجازت دے کر ارشاد فرمایا کہ اونٹنیوں کا دودھ پیو۔ حضورؐ کے اونٹ مدینہ کے باہر چرتے
تھے۔ انھوں نے ان کا دودھ پیا اور بیماری دفع ہوئی تو چرواہوں کو گرفتار کر کے ان کی آنکھوں میں سلائی پھرا کر اندھا کر دیا اور
اونٹوں کو لے بھاگے۔ حضور اکرمؐ نے کرز بن جابر کی سرکردگی میں بیس صحابہ کو بھیجا انھیں گرفتار کر لانے کے لیے۔ انھوں ان سب
قید کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ان کی آنکھوں میں سلائی پھیری ہاتھ پاؤں کاٹے اور حرے کی جانب پھینک دیا وہ سب
اسی حالت میں مر گئے۔

(بقیہ ص 155 پر ملاحظہ ہو)



تذکرۂ

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ گلبرگہ شریف

محمد شفاعت احمد سلیم۔ اردو منشی، وی۔آر۔ ہائی سکول نیلور (آندھرا پردیش)

نیست کعبہ در دکن جز درگہ گیسو دراز
بادشاہ دین و دنیا تا ابد بندہ نواز　　(اورنگ زیب عالمگیر)

آپ کا اسم گرامی سید محمد حسینی تھا۔ کنیت ابوالفتح تھی۔ القاب: صدرالدین الولی الاکبر الصادق، گیسودراز، بندہ نواز، شہباز، بلند پرواز، محرم راز و نیاز۔

پیدائش ۴ رجب المرجب ۷۲۱ھ مطابق ۳۔دسمبر 1321ء۔ مقام ولادت دہلی۔

والد بزرگوار سید یوسف حسینی المعروف بہ راجہ قتال رحمۃ اللہ علیہ۔ (چونکہ آپ نے اپنے نفس کے ساتھ پورا پورا جہاد کیا تھا۔ اس لیے آپ کا نام راجو قتال دکن میں مشہور ہو گیا)

آپ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور فیض یافتہ تھے۔ اور حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے فیوض سے بھی مالامال تھے



سلسلۂ نسب : نسب مبارک ۲۲ واسطوں سے امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔

لقب گیسو دراز شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے۔ کہ آپ کو سید گیسودراز کہتے تھے۔ اس لقب سے مشہور ہونے کی وجہ جو سُنی گئی وہ یہ ہے کہ ایک روز آپ دوسرے مریدوں کے ساتھ شیخ نصیر الدین محمودؒ کی پالکی اٹھائے ہوئے تھے۔ اٹھاتے وقت سید کے گیسو بسبب درازی پالکی کے پائے میں الجھ گئے۔ آپ نے بوجہ ادب و استغراق عشق و محبت

گیسو نکالنے کی کوشش نہیں فرمائی اور اسی حالت میں کافی مسافت طے فرمائی۔ بعد میں شیخ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور آپ کی عقیدت و صداقت اور حسنِ صفت کو سراہا اور اسی حال میں یہ بیت ارشاد فرمایا: ؎

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

حضرت من اللہ کی تصنیف "تبصرۃ الخوارقات" میں درج ہے کہ: "ایک وقت حضرت آستانہ پیرومرشد پر دیر سے منتظر تھے۔ کافی دیر کے بعد پیرومرشد نے طلب فرمایا۔ خادم باہر آیا اور سید محمد نام لے کر پکارنے لگا اتفاق سے اس دن سید محمد نامی تین اشخاص وہاں منتظر تھے۔ تمام اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے خادم گھبرا گیا اور یہ کیفیت پیرومرشد سے بیان کی تو پیرومرشد نے حکم دیا کہ سید محمد گیسو دراز کو بلاؤ۔ اس وقت سے آپ گیسو دراز مشہور ہو گئے۔"

آپ کے اجداد ساداتِ خراسان سے تھے۔ آپ کے جدِ محترم ہرات سے دہلی آئے تھے۔ روایت ہے کہ ماضی میں بعض سادات کرام لمبے بالوں کی وجہ سے اپنی شناخت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ سید محمد حسینیؒ کا تعلق بھی خاندانِ ساداتِ گیسو دراز اں سے ہونے کے باعث نہ صرف یہ کہ خود آپ کے بال لمبے تھے بلکہ آپ کا لقب بھی گیسو دراز تھا۔ جو مشہور اور مقبول خلائق ہوا۔

"روحِ تصوف" میں لکھا ہے "اس زمانہ میں سادات کی نشانی تھی کہ وہ سر کے بالوں کو بڑھایا کرتے آپ کی کاکلیں چونکہ خوب دراز تھیں اس لیے گیسو دراز کے نام سے مشہور ہو گئے اور یہ لفظ آپ کے نام کا جزو بن گیا۔

لقب بندہ نواز حضرت گیسو دراز کی عادت تھی کہ آپ اپنے آرام سے زیادہ دوسروں کی راحت کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ جو تحفہ بھی آپ کو عطا ہوتا ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیتے تھے اسی وجہ سے پیر نصیر الدین چراغ دہلوی نے آپ کو لقب بندہ نواز سے سرفراز فرمایا۔ (حضرت سید شاہ خسرو حسینیؒ)

"حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے جدِ اعلیٰ ابوالحسن جندی علاؤ الدین مسعود شاہ کے عہدِ حکومت میں دہلی چلے آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی تھی۔ تاریخ حبیبی کے مطابق آپ کے آباؤ اجداد خراسان سے ہندوستان آئے تھے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز سرکار کا گھرانا ابتداء ہی سے فیضانِ سلسلۂ چشتیہ کا نشان تھا۔ جس وقت محمد بن تغلق نے دارالخلافہ کو دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تو علماء، عمائدین اور مشائخین نے بھی دولت آباد کا رخ کیا۔ اس طرح چار سال کی عمر میں حضرت بندہ نواز اپنے والدین کے ساتھ دیوگیر (دولت آباد) آئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم خلد آباد میں اپنے والد بزرگوار اور نانا اور اس دور کے باکمال اساتذہ سے پائی۔ بقول عبدالمجید صدیقی: "شیخ بابو نامی ایک بزرگ نے انھیں اپنے مکتب میں پڑھایا اور حدیث و فقہ کے ابتدائی درس دیے تھے۔" اس کے بعد اپنے

والدگرامی شاہ راجو قتال سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا۔ کم عمر ہی سے آپ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ سات سال کی عمر میں آپؒ نے قرآن مجید حفظ فرمایا تھا۔ سولہ سال کی عمر تک حضرت بندہ نواز علیہ الرحمہ نے علوم و فنون کی بے شمار منزلیں طے کر لیے تھے۔"

(ڈاکٹر محمد عبدالحمید اکبر)

آپ کے والد بزرگوار سید یوسف حسینی المعروف شاہ راجو قتالؒ نے 1330ء میں رحلت پائی اس کے پانچ سال بعد حضرت بندہ نواز اپنی والدۂ محترمہ اور برادر بزرگ سید چندن حسینی کے ہمراہ دہلی واپس آئے۔ 1336ء میں آپ اپنے بھائی صاحب کے ساتھ پیر کامل حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ ۱۶ رجب المرجب ۷۳۶ھ کو آپ نے حضرت چراغ دہلی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ اس کے بعد مجاہدہ، ریاضت، ذکر، مراقبہ اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہے۔ پیر و مرشد کی توجہ اور عنایت خاص کی وجہ سے سلوک کی منزلیں طے کرلیں گھر کی سکونت ترک کر کے خطیرہ شیر خان میں قیام کیا۔

" نگاہِ پیر نے یکبارگی وہ اثر کیا کہ بصد ہزار اشتیاق حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ خانقاہ خواجگان کے روح پرور ماحول، صاحبانِ دل کا حلقہ اور پیر کامل کی صحبت نے آتش عشق الٰہی کو ایسا بھڑکایا کہ سوائے عبادت و ریاضت، مجاہدہ و مشقت، قیام و سجود، تسبیح و تحمید، تزکیہ و تصفیہ کے کوئی اور شغل نہ رہا۔ مرشد کی خدمت میں ہمہ تن مصروف، شیخ کے چہرے کو تکتے رہنا اور تجلیات حسن سے نظروں کی جلا کا سامان کرلینا معمول تھا۔"

(ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی)

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی ارادت نے خوب رنگ دکھایا۔ رات دن کی خدمت رنگ لائی۔ پیر کی تمام تر توجہات منعطف ہوگئیں جس کے نتیجہ میں ہندوستانِ خواجگان چشت کی مسند ارشاد، سلسلہ کی نعمتیں، فیضانِ طریق روحانی سلطنت سب کچھ حضرت بندہ نواز کے ہاتھ آ گئے۔

" مجھے ستر سال بعد ایک لڑکے نے شائق بنادیا اور واقعات سابق کو یاد دلادیا ہے۔"

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ اپنے نوعمر مرید سید محمد حسینی بندہ نواز، گیسو دراز کے ذوق عبادت، ریاضت، مشقت اور مجاہدات کے بارے میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بروز چہارشنبہ ۷۵۷ھ مطابق 1356ء کو حضرت پیر کامل نصیر الدین چراغ دہلی نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اسی سال ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ کو حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ حضرت چراغ دہلی کے وصال کے تیسرے دن حضرت خواجہ محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز کو خلیفۂ خاص کی حیثیت سے خانقاہ چشتیہ نصیریہ میں سجادہ نشین بنایا گیا۔ حضرت گیسو دراز بندہ نواز علیہ الرحمہ اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلی کے سجادۂ ولایت پر رونق افروز ہونے کے بعد چوالیس ۴۴ سال دہلی میں رشد و ہدایت، بندگان

خدا کی رہبری کا کام انجام دیتے رہے ۔

چالیس۴۰ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمہ نے اپنی والدہ ماجدہ کے حکم و اصرار پر بی بی رضا خاتون صاحبہ سے شادی فرمائی ۔ جن سے دو۲ صاحبزادے اور تین۳ صاحبزادیاں ہوئیں ۔ بڑے فرزند سید محمد اکبر حسینیؒ ایک برگزیدہ صوفی اور عالم ربانی تھے ۔ دوسرے صاحبزادے سید یوسف حسینی عرف سید محمد اصغر حسینی بھی زیورِ علم و عرفان سے آراستہ تھے ۔

۸۰۱ھ میں تیمور لنگ نے دہلی پر حملہ کیا تو حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمہ نے اپنے خاندان اور دیگر متولین کے ہمراہ ۷ ربیع الاول ۸۰۱ھ مطابق 27 نومبر 1398ء کو دہلی سے رختِ سفر باندھا ۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک اسی۸۰ برس کی تھی ۔ (سیرِ محمدی) کے مصنف محمد علی سامانی بھی حضرت کے ہمرکاب تھے ۔ حضرت بندہ نواز بہادر پور میں نو۹ دن قیام کے بعد گوالیر ، بہاندیر ، ایرچہ ، چھتڑہ ، چندیری ، بڑودہ سے ہوتے ہوئے کھمبایت پہنچے اور قیام فرمایا اور سلوک و تصوف کی ترویج میں مصروف ہوگئے ۔ تقریباً ۸۰۴ھ میں آپ حسن آباد گلبرگہ تشریف لائے اور جامع مسجد کے قریب اپنے مریدوں کے ساتھ فروکش ہوئے ۔ آپ کی خانقاہ قلعہ گلبرگہ کی مغربی جانب آج بھی موجود ہے ۔ جہاں آپ نے کچھ عرصہ قیام فرمایا تھا ۔ بادشاہ سے کچھ رنجشوں کی بناء پر آپ نے اپنی خانقاہ تبدیل فرمائی اور اس مقام کو اپنی رہائش گاہ بنائی جہاں آپؒ کی آرام گاہ ہے ۔

حضرت بندہ نواز نے جب گلبرگہ کو اپنی آمد سے زینت بخشی اس زمانہ میں بہمنی سلطنت کا آٹھواں فیروز شاہ بہمنی سربراہ سلطنت تھا ۔ فیروز شاہ حضرت بندہ نوازؒ کا معتقد تھا ۔ سیّد علی طبا طبائی لکھتے ہیں : " جب بندہ نوازؒ سید محمد گیسو دراز گلبرگہ آئے تو سلطان فیروز نے فضلا کی ایک جماعت کو ان کی خدمت میں بھیجا ۔ جس نے انھیں یعنی خواجہ صاحب کو تمام علوم ظاہری و باطنی ، کشف و کرامات اور مقامات میں مرتبۂ کمال پر پایا اور جو دیکھا سلطان کی خدمت میں عرض کیا ۔ اس وجہ سے سلطان کی عقیدت میں اور اضافہ ہوا اور وہ تعظیم و تکریم میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی ۔"

فیروز شاہ بہمنی نے حضرت بندہ نوازؒ سے ملاقات کرکے درخواست کی کہ حضرت گلبرگہ ہی میں قیام فرمائیں تاکہ یہاں کے باشندے فیوض و برکات سے مستفیض ہوسکیں ۔ فیروز شاہ حضرت بندہ نواز کی عظمت و بزرگی سے حد درجہ متاثر تھا ۔ آپ کے حلقۂ عقیدت مندان میں شامل ہوگیا تھا ۔ بعد میں تخت نشینی کے سلسلہ میں اختلاف ہوگیا ۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اپنے قیام گلبرگہ کے دوران اہلِ دکن کے قلوب کو انوارِ الٰہی اور دولتِ عشقِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے معمور اور عامۃ الناس کے دکھ درد کا مداوا ، اصلاحِ نفوس ، تعلیم و تدریس ، کشف و کرامات

اور تصرفات باطنی سے معنون کیا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کا تعلق اہل سنّت جماعت سے تھا۔ آپ حنفی مسلک کے پیرو تھے۔ "تاریخ حبیبی" کے مطابق آپ فرماتے تھے فقیہ، صوفی و سیّد سنّی کم ہیں مجھ میں یہ چاروں صفات موجود ہیں۔ یعنی میں فقیہ بھی ہوں اور صوفی بھی سیّد بھی ہوں اور سنّی بھی اور یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے کہ میرا عقیدہ وہی ہے جو اہل سنّت جماعت کا عقیدہ ہے۔

حضرت گیسودراز نہ صرف صوفی باکمال تھے بلکہ جیّد عالم بھی تھے۔ علوم قرآن، حدیث، فقہ، کلام اور تصوف میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ جیسے عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت وغیرہ۔ شیخ اشرف جہانگیر سمنانی لکھتے ہیں: "جب حضرت گیسودراز سے شرف ملاقات ہوی تو آپ سے مقدار حقائق و معارف مجھے حاصل ہوی کسی دوسرے شیخ سے نہیں ہوی۔"

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی" اخبار الاخیار" میں فرماتے ہیں "آپ مشائخ چشت کے درمیان ایک خاص مشرب رکھتے تھے۔ اور اسرار حقیقت میں آپ کا ایک مخصوص طریقہ تھا۔ آپ کو علوم پر اتنا عبور تھا کہ بوقت واحد چار سے پانچ تصانیف املا کرواتے اور پھر نہ اس کو سنتے اور نہ نظر ثانی کرتے۔"

محمد علی سامانی نے "مخدوم دین و دنیا" سے حضرت گیسودراز کی تاریخ اخذ کی ہے۔ چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں میں حضرت بندہ نواز کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے اسی وجہ سے انہیں "سلطان القلم" کا لقب عطا کیا گیا۔ غالباً حضرت چراغ دہلوی علیہ الرحمہ کو ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے انھوں نے حضرت خواجہ بندہ نواز کو تصنیف و تالیف کی ہدایت کرتے ہوے فرمایا تھا۔ "مرا بہ تو کار است۔" یعنی مجھے تم سے کام لینا ہے۔ پیر و مرشد کی یہی دعا تھی کہ آپ نے اپنی عمر مبارک کے مطابق (۱۰۵) کتابیں قلمبند کروائیں۔

حضرت سلیمان ندوی نے بھی آپ کو "سلطان القلم" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ عزیز اللہ سرمست لکھتے ہیں کہ "چشتیہ طریقے کے بزرگوں میں حضرت سید التابعین خواجہ حسن بصریؒ سے لے کر حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی تک کسی نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں کی۔ حالاں کہ ان میں سے ہر بزرگ علوم ظاہری میں بھی محققین و مجتہدین کا درجہ رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت سید محمد حسینی گیسودراز بندہ نواز ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس جانب توجہ دی اور بڑی بڑی کتابیں، چھوٹے چھوٹے رسائل بہ کثرت تصنیف کئے۔ اولیاءِ کرام صوفیاے عظام کوئی کام بغیر ارشادات اور حکم غیبی کے نہیں کیا کرتے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کا تصنیف و تالیف کا کام بھی اسی قبل کا تھا۔ لہٰذا مشیت ایزدی کو بھی یہی منظور تھا کہ تصوف و عرفان کے نازک، پیچیدہ مسائل پر سے پردہ حضرت خواجۂ دکن سید تا بندہ نواز گیسودرازؒ کے قلم فیض ترجمان کے ذریعہ اٹھایا جاے۔ یہ موتی آپ کے

ابرنیساں برسانے والے قلم کے ذریعہ ہی بکھرے جائیں۔ حضرت بندہ نواز کی عمر مبارک ۱۰۵ سال کی تھی۔ اور آپ نے دنیا کی تین مقبول عام زبانوں عربی، فارسی اور اردو میں جملہ ۱۰۵ ہی تصانیف کا گراں قدر سلسلہ چھوڑا ہے۔ اسی لیے دنیائے علم وادب نے آپ کو" سلطان القلم" تسلیم کرلیا ہے"۔

"سیر محمدی" میں لکھا ہے کہ: "جب حضرت گیسو دراز نے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہری کی تعلیم اب چھوڑ دوں اور علم باطن کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہوں۔ لیکن مرشد نے فرمایا: ہدایہ، بزوری، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو۔ تم سے ایک کام لینا ہے۔ مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور اُنیس (۱۹) سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے"۔

مرشد کا یہ ارشاد مبارک دنیا والوں کو اس وقت سمجھ میں آیا جب حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل اور تصنیف وتالیف کے مظاہرے سامنے آئے "حضرت خواجہ گیسو دراز کثیر التصانیف تھے۔ ایک روایت کے مطابق ۱۰۵ تصانیف ہیں"۔

"تبصرہ الخوارقات" نے ۱۲۵ لکھا ہے۔ "سیر محمدی" میں ۳۶ تصانیف کی فہرست ملتی ہے اور "تاریخ حبیبی" میں ۴۵۔ آپ کی تصانیف علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم کلام، علم تصوف سے تعلق رکھتی ہیں۔

حضرت سید شاہ خسرو حسینی

حضرت خواجہ بندہ نواز اردو زبان کے اولین نثر نگار ہیں۔ بقول عزیز اللہ سرمست: "اردو کے لیے یہ فال بڑی نیک رہی ہے کہ آج سے تقریباً ۶۰۰ سال قبل اس کی ادبی نثر کی ابتدا خواجۂ دکن حضرت سیدنا بندہ نواز جیسی مطہر اور مقدس ہستی کے مبارک ہاتھوں ہوی۔ یہ آپ ہی جیسے ولی کامل کے پاک انفاس کی برکت کا نتیجہ رہا ہے یہ زبان خوب پھلی پھولی اور آج اسے دنیا کی زبانوں میں اسے تیسرا مقام حاصل ہے"۔

اس جگہ یہ حضرت بندہ نواز کی ایک تصنیف" اسمار الاسرار" کا بہت ہی مختصر جائزہ لیتے ہوے میں آگے بڑھ رہا ہوں۔

اسمار الاسرار

یہ حضرت سیدنا بندہ نواز کی بلند پایہ کتاب ہے۔ جس میں بقول حضرت عبد الحق محدث دہلوی: ے

حقائق ومعارف بزبان برمزد وایما والفاظ اشارات بیان کردہ

فن تصوف اور سلوک ومعارف پر ہندستان میں اس کتاب سے بہتر اور اعلی ترین تصنیف آج تک نہیں لکھی گئی۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح قرآن حکیم میں ۱۱۴ سورتیں ہیں اسی طرح بہ اتباع قرآن پاک

"اسمار الاسرار" بھی ۱۱۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کی کئی شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن بہترین اور لاجواب شرح "تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ" ہے۔ جس کو حضرت خواجہ بندہ نواز سرکار کی اجازت سے آپکے صاحبزادے اکبر حضرت سید محمد اکبر حسینی نے تحریر فرمایا ہے۔

حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز بندہ نواز بھی تھے۔ حضرت بندگی مخدوم سیدنا بندہ نواز گیسو دراز نے اردو میں بھی شاعری فرمائی ہے۔ آپ نے کبھی شہباز، کبھی بندہ اور کبھی محمد تخلص اختیار فرمایا ہے۔

پروفیسر نصیر الدین ہاشمی اپنی معرکۃ الآراء تحقیقی کتاب "دکن میں اردو" میں تحریر فرمایا ہے کہ موجودہ تحقیقات کے لحاظ سے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (متوفی گلبرگہ ۸۲۵ھ) دکن کے اولین اردو شعراء شمار کیے جاتے ہیں۔"

عزیز اللہ سرمست ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "حضرت بندہ نواز کبھی کبھی بے ساختہ غزل اور رباعیاں بھی کہہ دیتے جن کو ایک دیوان میں جمع کر دیا گیا ہے اور اس کا نام "انیس العشاق" رکھا گیا ہے یہ دیوان جملہ ۳۷ غزلیں، ۱۲۶ اشعار کی ایک مثنوی اور ۹ رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ اس دیوان کو سیدنا بندہ نواز کے فرزند اصغر حضرت سید اصغر حسینی نے آپ کے ایک مرید باصفا کے ہاتھوں مرتب کروایا اور اس میں صرف وہی رباعیاں، غزلیات شامل کی گئی ہیں جو حضرت محمد اصغر حسینی کے پاس محفوظ رہ گئیں تھیں حالاں کہ حضرت مخدوم بندہ نواز کی بہت سی ایسی رباعیاں، غزلیں اور متعدد اشعار آپ کی دیگر تصانیف میں پائے جاتے ہیں جو اس دیوان میں شامل نہیں کئے گئے۔

حضرت شیخ سعدی کے بعد سے شعرا یہ التزام رکھتے آئے ہیں کہ وہ اپنا تخلص غزل کے آخری شعر میں ادا کرتے ہیں لیکن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے یہ التزام باقی نہیں رکھا اور نہ ہی اپنا کوئی خاص تخلص معین کیا۔ القاب اور کنیت کے ساتھ آپ کا پورا نام صدر الدین ابو الفتح محمد حسینی گیسو دراز ہے۔ ان میں جو مناسبت ہوتی غزلوں کے لفظوں میں آپنے استعمال کیا ہے۔ اور ایک غزل کے مقطع میں تو یہ سب الفاظ آپ نے جمع کر دیے ہیں: ؎

اے ابو الفتح محمد صدر الدین گیسو دراز مختصر کن چند فانی قصہ خود گرو آر

حضرت سیدنا بندہ نواز نے اپنا اور اپنے پیر و مرشد کا پورا نام نظم میں کس انداز سے لایا ہے ملاحظہ کیجیے ؎

خواجہ نصیر الدین جن سائیاں پیوند پاے جیو کا گھونگھٹ کھول ریا مکھ آپ دکھاے
آکے سید محمد حسینی پیو سنگ کہانہ جاۓ

حضرت خواجہ بندہ نواز کی دکنی نظم سے ایک بند نمونے کے بطور پیش کر رہا ہوں۔ ملاحظہ ہو: ؎

پانی میں نمک ڈال مزا دیکھنا دِسے
جب گھل گیا نمک تو نمک ٹولتا کسے
یوں کھوئی خودی اپنی خُدا سات محمدؐ
جب گھل گئی خودی تو خُدا بن نہ کوئی دسے

حضرت خواجہ بندہ نواز نے اصلاح معاشرہ کے لیے راگ راگنیوں کے علاوہ لوریوں اور چکّی ناموں کی صورت میں بھی عشق حقیقی اور عرفان کے مسائل پیش کئے ہیں۔ یہ لوریاں اور چکّی کے گیت آج بھی دکنی خواتین کو ازبر ہیں۔ بارہ بند پر مشتمل آپ کی نظم "چکّی نامہ" کا مخطوطہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو، حیدر آباد میں موجود ہے۔

تعلیمات

حضرت خواجہ گیسو دراز کی تعلیمات میں پیر و مرشد کی بہت اہمیت ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ: "مرید اپنے پیر کے دل میں خدا کا نظارہ کرتا ہے اور پیر اپنے مرید کے دل میں خود کو دیکھتا ہے۔

عشقِ الٰہی کا تصوّر آپ کے مسلک کی بنیاد تھی۔ چنانچہ حضرت بندہ نواز فرماتے ہیں۔ کہ: "تخلیق کی وجہ اور اس کا راز عشق اور معرفت ہے۔ اگر عشق نہ ہوتا تو فلک نہ گھومتا، اگر عشق نہ ہوتا تو دریا میں شوریدگی نہ ہوتی، اگر عشق نہ ہوتا تو بارش نہ برستی، اگر عشق نہ ہوتا تو سبزہ نہ اگتا، اگر عشق نہ ہوتا تو حیوان نہ زیادہ ہوتے، اگر عشق نہ ہوتا تو انسان عہد بلاغت کو نہ پہنچتا، اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی اللہ کی پرستش نہ کرتا اور اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی جمال الٰہی نہ دیکھتا۔"

محمد ہاشم علی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ حضرت سید محمد الحسینی گیسو دراز بندہ نواز کے مسلک عشق و محبت کے تعلق سے سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ کا قول ہے کہ: "عقل انسان کے لیے ایک بیش قدر چیز ہے مگر عشق وہ شئے ہے جو بڑے بڑے قلعے اور پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیاں آناً فاناً میں سیر کر دیتی ہے۔ عقل کہا کرتی ہے کہ خطرے میں مت پڑو مگر عشق کہتا ہے کہ تم پرواہ بھی مت کرو۔"

حضرت مخدوم ابوالفتح صدرالدین سید محمد حسینیؒ بندہ نواز گیسو دراز سلسلۂ چشتیہ کے ان خواجگان اعظم اور اولیاءِ کبار میں سے ہیں جن کے روحانی فیوض و برکات نہ صرف برصغیر میں بلکہ اقطاع عالم کے دُور دراز علاقوں تک جاری و ساری ہیں۔ بندگی مخدوم اپنے عہد کے جلیل القدر قطب کامل اور عارف واصل ہوئے ہیں۔ آپ کی حیثیت امامِ وقت اور مجتہد عصر کی تھی۔ آپ کو نہ صرف علوم حکمت اور علوم فلسفہ میں کمال تھا۔ بلکہ وہ اسرارِ حقیقت کے بھی محرم راز تھے۔ حضرت بندہ نواز آٹھویں و نویں صدی میں تصوّف اور روحانیت کے زبردست مبلغ رہے ہیں۔ آپ نے ملفوظات، مکتوبات، تصانیف، مواعظ اور نصائح کے ذریعہ

دنیائے اسلام میں روحانیت کو تازہ کیا۔ آپ کی روحانی تعلیم کا اصل سرچشمہ قرآن پاک احادیث صحیحہ ہے۔"

(وہاب عندلیب)

اسی لیے واحد اکمل نے آپ کی تعریف میں لکھا ہے۔ ؎

وارثِ خیرالوریٰ ہیں خیر کی تفسیر بھی
خواجگان چشت کے ہر خواب کی تعبیر بھی
آفتابِ علم و عرفاں، سیدِ عالی نسب
افتخار ملک و ملت، قوم کی تقدیر بھی

الغرض حضرت سید محمد حسینی خواجہ گیسودراز بندہ نواز علیہ الرحمہ نے ایک سو چار سال چار ماہ بارہ یوم کی عمر پائی اور ۱۶ ذی قعدہ ۸۲۵ھ مطابق 1422ء بروز چہار شنبہ اشراق و چاشت کے درمیان واصل بحق ہوئے۔

گنبد شریف

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ بندہ نواز کی گنبد شریف کی تعمیر کی ابتداء احمد شاہ ولی بہمنی نے کی جب وقت کام مکمل ہوگیا تو آپ کے پوتے حضرت سید قبول اللہ حسینی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے گنبد شریف کے کلس پر جھبیلہ چڑھایا۔ اتفاقاً خواجہ صاحب کا عرس ایک ماہ بعد تھا اسی وجہ سے اس تقریب کو روایتاً عرس کے ایک ماہ قبل برقرار رکھا گیا ہے۔" (حضرت سید شاہ خسرو حسینی)

حضرت سید محمد حسینیؒ بندہ نواز گیسودراز گزشتہ چھ صدیوں سے دکن والوں کے قلوب پر حکمراں ہیں۔ اپنی عمر کے آخری ۲۲ سال آپ نے گلبرگہ میں گزارے۔ اس دوران چھوٹا، بڑا، غریب، امیر، عامی و عالم اور راعی ہر ایک آپ کا والہ و شیدا تھا۔ اسی طرح آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی آپ کا مزار مبارک افضالِ الٰہی کا مہبط اور اہل محبت و عقیدت کی زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ ؎

کعبہ ہے دکن کا درگہ گیسو درازؒ
جھکتی ہے یہاں جبین محمود و ایاز
تا حشر ہیں بادشاہ دین و دُنیا
کونین کے سرتاج شہ بندہ نواز

(شمیم نیلوری)

"آپ اپنی تصنیف و تالیفات کے حوالہ سے بھی سرچشمہ فیوض و آگہی ہیں۔ علم و حکمت کا یہ دریائے رواں اپنے پاکیزہ افکارات روح پرور تحریروں، تحقیقی نگارشات اور متقدمین کی کتابوں کی شروحات کی صورت میں آج بھی اقطاعِ عالم میں تشنگانِ علوم و معارف کو سیراب کر رہا ہے۔"

(ڈاکٹر سید محمد حمید الدین شرفی)

حضرت خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز سلسلۂ چشتیہ کے اُن چھ اکابر بزرگان دین میں سے ایک ہیں جن سے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت اور سلسلۂ چشتیہ کی ترویج ہوی۔ اور گزشتہ چھ صدیوں سے سرزمین دکن آپ کی روحانی و علمی فیضان سے مستفیض ہو رہی ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی "تاریخ مشائخ چشت" میں فرماتے ہیں: "دکن میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام شیخ برہان الدین غریب اور حضرت سید محمود گیسو دراز اور اُن خلفاء نے انجام دیا۔ ان کی خانقاہیں جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کا مرکز تھیں۔ شاہ و گدا سب وہاں جمع ہوتے تھے"

سراپا بندۂ بندہ نوازم ۔۔۔ اسیر حلقۂ گیسو درازم
نخواہم عز و جاہِ بادشاہی ۔۔۔ کہ من بر نسبت پاکت بنازم
نیازم سر بزیر بارِ سلطاں! ۔۔۔ چو از فیضِ درِ تو سر فرازم
چہ غم دارم ز فکرِ دین و دُنیا ۔۔۔ چو باشی در دو عالم کارسازم
بہ حالِ زارِ قطب الدینؔ نگہے ۔۔۔ کہ من بندہ توئی بندہ نوازم

(حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری)

حدیث شریف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دوزخ دکھلائی گئی اور وہاں میں نے عورتوں کو کثرت سے پایا وجہ یہ ہے کہ وہ کفر کرتی ہیں، عرض کیا گیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں، فرمایا نہیں وہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں، اگر تو کسی عورت سے عمر بھر احسان اور نیکی کا سلوک کرے لیکن ایک بات خلاف طبع ہو جائے تو جھٹ کہہ دے گی میں نے تجھ سے کبھی آرام اور سکون نہیں پایا۔

(بخاری شریف۔ کتاب "الایمان")

درس قرآن

جو لوگ چاهتے هیں كه ایمان لانے والوں كے گروه میں فحش پهیلے وه دنیا اور آخرت میں دردناک سزا كے مستحق هیں، الله جانتا هے اورتم نهیں جانتے۔ اگر الله كافضل اور ا ن كا رحم وكرم تم پر نه هوتا اور یه بات نه هوتی كه الله برا شفیق و رحیم هے،(تو یه چیز جو ابهی تمهارے اندر پهیلائی گئی تهی بدترین نتائج دكها دیتی)

اے لوگوجو ایمان لائے هو، شیطان كے نقش قدم پر نه چلو۔ اس كی پیروی كوئی كرے گا تو وه تواسے فحش اور بدی هی كا حكم دے گا اگر الله كا فضل اور اس كا رحم و كرم تم پر نه هوتا تو تم میں سے كوئی شخص پاک نه هوسكتا۔ مگر الله هی جسے چاهتا هے پاک كردیتا هے، اور الله سننے والا اور جاننے والا هے۔

سورة النور: آیت: 19تا 21

غوث الآفاق حضرت سید شاہ کمال الدین حسن قادری کھیتلی

رحمۃ اللہ علیہ



مولوی محمد بشیر احمد لطیفی، نظامی، قادری مجددی

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وراثت کی دو قسم ہے۔ اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ
وراثت ظاہری (سنّت وفقہ) وراثتِ باطنی (تصوف وسلوک) وارثانِ فقہ وسنّت علمائے ظاہری کے نام سے موسوم ہوے اور وارثانِ تصوف صوفیاء کے نام سے موسوم ہوے۔ نیز تصفیۂ باطن کی مسند پر بیٹھنے والے اولیاء اللہ کہلائے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اپنی کتاب "فتوحات" میں لکھتے ہیں کہ: " وارثان انبیاء علماء اولیاء اللہ ہیں۔ اولیاء اللہ تو باطنی حالات اور عمیق احکامات کے پاسبان اور نگران ہوتے ہیں جو عوام کے فہم سے بالاتر ہیں اور علماے شریعت کے ظاہری احکام کے محافظ ہوتے ہیں۔ جو بذریعہ افہام وتفہیم سمجھ میں آسکتے ہیں، مگر کبھی کبھی انہیں علماء میں سے بعض ایسے نکل آتے ہیں، جو انبیاء کرام کی وراثتِ باطنی کے بھی مالک ہوتے ہیں۔

چنانچہ سلف صالحین میں ایسے بے شمار عالی رتبہ حضرات تھے جو علماء بھی تھے اور اولیاء بھی۔ انہی صفات سے متصف کمالات کے شہنشاہ سلطان السالکین غوث الآفاق حضرت سید شاہ کمال الدین حسن قادری کھیتلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ مشرقی پنجاب کے علاقہ (کھیتل) میں گزرا۔ آپ اپنے زمانہ کے بڑے صاحبِ فیض وکرامت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا طریقہ صبر وشکر، زہد وتقویٰ اور عشق ومحبتِ الٰہی تھا۔ فقر وفاقہ بہت عزیز تھا اور آپ ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔

ہندوستان اور دور دراز علاقوں سے بے شمار لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے۔ اور فیوضاتِ ظاہری وباطنی سے مشرف ہوتے۔ ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کو آپ سے بہت فروغ ہوا۔ آپ قادری سلسلہ کے برگزیدہ بزرگ مانے جاتے ہیں۔ بے شمار لوگوں کو آپ سے فیض ونعمت حاصل ہوئے اور آپ کے مریدین اور خلفاء کے ذریعہ مخلوقِ خدا کو بے حد فیض پہنچا۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد کابلیؒ سرہندی نے آپ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی نسبت و فردیت حاصل کی اور خلافت پائی۔ حضرت مجدّد الف ثانی آپ کی دعا سے پیدا ہوئے۔ اور بعد میں وہ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں آپ کے پوتے حضرت شاہ سکندر کھیتلی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو کر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے حضرت مجدّد الف ثانی کو ان کے بچپن میں اپنی انگلی چسا کر فیضانِ روحانی سے نوازا تھا اور ان کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی خوش خبری بھی دی تھی۔ غرض آپ آسمانِ معرفت کے آفتاب تھے اور آپ کی ضیائے باطن سے ایک عالم منوّر ہوا اور آپ کے علمی و عرفانی فیضان سے برصغیر ہند و پاک کے عوام و خواص بلا لحاظ مذہب وملّت استفادہ کیا۔

آپ کی ولادتِ باسعادت بغداد شریف میں ۳ شوال المکرم ۸۹۵ھ بمطابق ۲۵ اگست 1489ء تھی اور جمعۃ المبارک روز مسعود تھا۔ آپ کے والدِ بزرگوار سیدنا شاہ حاجی عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور آپ کا شجرہ نسب بارھویں پشت میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جاملتا ہے۔

حضرت شاہ کمال کھیتلی نے حضرت شاہ فضیل قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ ہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ زندہ پیر کے نام سے مشہور ہیں۔ اور آپ رشتہ اور زنبہ کے لحاظ سے حضرت شاہ کمال کھیتلی قدس سرہٗ کے چچا بھی تھے۔

آپ عراق سے ملک ایران کے راستے مشہد، نجف اشرف، تبریز اور اصفہان سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں درۂ گومل کے راستہ سے داخل ہوئے۔ آپ ابراہیم لودھی کے آخری ایام یعنی ۹۲۸ھ مطابق 1522ء میں ارضِ ہند پر وارد ہوئے۔ اول اول ٹھٹھہ میں قیام فرمایا۔ یہ مقام کراچی اور حیدرآباد کے درمیان واقع ہے۔ ابھی آپ کو ایسی جگہ کی تلاش تھی، جہاں بیٹھ کر آپ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کام کرتے۔ چنانچہ آپ نے سرزمین پایل (سرہند شریف) کو آبِ وحدت سے سیراب کرتے ہوئے کھیتل شریف کی سرزمین پر نزول اجلال فرمایا۔ اور اس سرزمین نے بھی کشادہ پیشانی اور خندہ لبی سے استقبال کیا۔

"زبدۃ المقامات" میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ فوجی وردی میں ملبوس گھوڑے پر سوار حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہٗ کے ہاں بغرض ملاقات تشریف لے گئے۔ شیخ کے دروازہ کے سامنے ایک سرائے تھی۔ سرائے والے کی بیوی سے کہا کہ، ہمارے گھوڑے کی نگرانی کرنا۔ اس نے جواب دیا کہ شیخ کی زیارت کو ہر روز سینکڑوں آتے ہیں کس کس کے گھوڑے کی نگرانی کروں؟ حضرت نے اس کے جسم پر ایک کوڑا رسید کیا وہ بے ہوش ہوگئی۔ حضرت شیخ موصوف سے ملے۔ شیخ جلال الدین سے ایک دقیق مسئلہ کی وضاحت چاہی بات چیت کے بعد حضرت اٹھ کھڑے ہوئے۔ سرائے میں تشریف لائے تو وہ عورت حضرت کے پاؤں چومنے

لگی۔ لوگوں نے کہا: "یہ وہی تو ہیں جنھوں نے تجھے کوڑا رسید کیا تھا۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں شاید معلوم نہیں کہ یہ کون صاحب ہیں! کوڑا لگتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں آسمان پر ہوں اور فرشتوں کی تہلیل و تحمید سُن رہی ہوں۔"

الغرض آپ کی ذات بابرکات سے بے شمار کرامات ظہور ہوئیں اور آپ کی اس ایک کرامت سے یہ ثابت ہوگیا کہ ایک ولی اللہ کی خدمت کرنے والے کو کیا درجہ اور کیا قربتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

کھیتل شریف میں آپ باغ ہمایون میں رونق افروز ہوئے۔ اس باغ سے اس قدر انس ہوا کہ ۲۹ جمادی الآخر ۹۸۱ھ 26 اکتوبر 1573ء پیر کے دن یہیں وصال فرمایا۔ "مسالک السالکین" کے مولوی محمد عبدالستار سسرامی نے حسبِ ذیل قطعہ میں فیض کمال سے تاریخِ وصال نکالی ہے: ؎

حضرت شاہ کمال کھیتلی — چون ز دنیا یافت باحق وصال
بہر تاریخِ وصال آن جناب — آمد از ہاتف ندا فیض کمال

"زبدۃ المقامات" کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت اقدس کے وصال کا واقعہ نہایت حیرت انگیز لیکن بصیرت افروز ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اقدس عموماً حجرے میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اور ریاضت و عبادت اور مراقبہ میں اس قدر مشغول رہتے کہ چھ چھ مہینے حجرے سے باہر تشریف نہ لاتے ۲۹ جمادی الآخر ۹۸۱ھ کو حضرت کے بڑے صاحبزادے کو شک ہوا۔ لہٰذا وہ لوٹے اور چند اصحاب کو ہمراہ لے آئے اور دروازہ آثار نبض دیکھنے پر معلوم ہوا کہ روح جسدِ ظاہری سے پرواز کرکے محبوبِ حقیقی سے جاملی ہے۔ ایک کہرام مچ گیا۔ کفن دفن کا بندوبست کیا گیا۔ غسل دینے لگے تو حضرت نے جنبش کی۔ غسّال پر ہیبت طاری ہوگئی۔ وہ بے ہوش ہوا ہی چاہتا تھا کہ حضرت نے سنبھالا دیا اور دریافت فرمایا۔ کہ ہمارے وصال کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی ہے؟ غسّال سے اثبات میں جواب دیا تو آپ فرمایا: اچھا ہم جاتے ہیں۔ یہ کہا اور دم سادھ لیا اور روح قفسِ عنصری پرواز کرگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت کے جنازہ میں نقباء، نجباء، اوتاد، اغواث، ابدال، اقطاب اور اولیاء عنہم عصر، جنّات، رجال الغیب تک شامل ہوئے اس کے علاوہ لاکھوں افراد نے شرکت کی اور جمِ غفیر میں حضرت کا جنازہ بدھ کدر نامی تالاب کے کنارے لایا گیا اور جسدِ اطہر کو شریعت کے مطابق دفن کردیا گیا۔

ایک صاحبِ حال فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس کے وصال کے روز میں نے دیکھا کہ اولیاء اللہ کے گروہ کسی خاص مقام کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے؟ ایک مردِ خدا نے نہایت عجلت میں بتایا کہ غوث الآفاق نے آج پردہ کیا ہے۔ میں نے اپنے ایک پیر بھائی کو جو پرواز [بقیہ صـ 95 پر ملاحظہ ہو]

شمالی ارکاٹ کے اردو شعر و ادب کا پس منظر

ڈاکٹر جاویدہ حبیب ایم اے، ایم فل (اردو) پی ایچ ڈی، ایم اے، (عربی)

تمل ناڈو میں اردو تاریخ پر ایک سے زیادہ مستقل کتابیں چھپ چکی ہیں۔ جن میں نصیر الدین ہاشمی کی "مدراس میں اردو"، ڈاکٹر افضل الدین اقبال کی "مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما" اور علیم صبا نویدی کی "تمل ناڈو میں اردو" اور "تمل ناڈو کے مشاہیر ادب" قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تصنیف "تاریخِ ادبِ اردو" میں بھی تمل ناڈو کی ادبی تاریخ کے کچھ باب مل جاتے ہیں۔ ان مستقل کتابوں کے علاوہ بیسوں مضامین یہاں کے شعر و ادب پر بھی ممبئی سے نکلنے والے سہ ماہی رسالہ "نوائے ادب"، حیدر آباد کے ماہنامہ "سب رس" اور دہلی کے پندرہ روزہ "ہماری زبان" میں چھپ چکے ہیں۔ حالیہ دور میں راہی فدائی اور علیم صبا نویدی کے بیسوں مضامین تمل ناڈو کے علاقائی شعر و ادب پر شائع ہو چکے ہیں۔ ان مقالوں اور مطبوعہ کتابوں کی روشنی میں تمل ناڈو کی اردو ادب کی تاریخ نہ صرف بڑی حد تک سامنے آ چکی ہے بلکہ اس علاقہ میں اردو زبان و ادب کے آغاز کا بھی تعین ہو چکا ہے۔

شمال میں اردو زبان کی تشکیل مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے ہی ہونے لگی تھی۔ لیکن اپنی واضح شکل حضرت امیر خسرو کے زمانے میں بنا لی ہے اور دہلی کے عوام و خواص میں اس کی بول چال عام ہونے لگتی ہے۔ اس کے فوراً بعد ملک کافور کا حملہ جنوب کے اس علاقہ پر جو آج کل تمل ناڈو کے نام سے موسوم ہے اردو کو یہاں لے آتا ہے۔ لیکن یہ علاقہ بنیادی طور پر ڈراویڈی زبان کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس نئی زبان سے متاثر نہیں ہوتا۔ محمد بن تغلق کے دوبارہ تسلط کا اثر بھی تقریباً صفر کے برابر ہے۔ لیکن عادل شاہی اور قطب شاہی حکومتوں کے زیرِ اثر آنے کے بعد حالات کچھ بدل جاتے ہیں۔ بیجاپوری کرناٹک اور حیدر آبادی کرناٹک کے تحت بالاگھاٹ اور پائین گھاٹ کے بڑے حصے ان دونوں حکومتوں کے زیرِ اثر آ جاتے ہیں۔ پھر اورنگ زیب جب دکن کو فتح کر کے دہلی حکومت میں شامل کر لیتا ہے تو تمل ناڈو کے اس حصہ پر اسلامی اثرات اور تیز ہو جاتے ہیں اور اس کے

بعد 1698ء سے اس علاقہ پر صوبۂ کرناٹک کے نام سے باقاعدہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوجاتی ہے جس کا سلسلہ 1855ء تک پہنچ کر ختم ہوجاتا ہے۔ 1855ء کے بعد اس علاقہ پر انگریز قابض ہوجاتے ہیں۔

محمد بن تغلق نے جنوب میں دولت آباد کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ دہلی کی بڑی آبادی اس مقام پر منتقل ہوگئی تھی اور اس آبادی کے وسیلے سے جنوب میں اردو کے قدم جمنے لگے تھے۔ اگرچہ تغلق بہت جلد دہلی واپس ہوگیا مگر اس کی لائی ہوئی زبان جنوب میں ہی رہ گئی۔ پھر بہمنی دورِ حکومت اور اس کے بعد عادل شاہی اور قطب شاہی دورِ حکومت میں اس کے قدم بڑی مضبوطی کے ساتھ جم گئے۔ اسی دوران یہ دکن سے مزید جنوب کی طرف سفر کرتی ہے۔

تمل ناڈو کی سرزمین پر اردو زبان کے آثار عادل شاہی اور قطب شاہی دور سے کچھ پہلے ہی نظر آنے لگے تھے۔ مگر باقاعدہ ادبی روپ میں اردو اوائلِ دسویں صدی ہجری سے ملتی ہے۔ اور اولین شاعروں اور نثرنگاروں میں شاہ سلطان ثانی کا نام ملتا ہے۔ شاہ سلطان کا تعلق شمالی آرکاٹ سے تھا۔ شاعری اور نثر دونوں میں تصانیف چھوڑی ہیں

اولاً سید شاہ ابوالحسن قربی کا نام آتا ہے۔

حضرت شاہ سلطان ثانی کے بعد کئی نام سامنے آتے ہیں جن میں شاہ عالم شغلی، شاہ مرتضیٰ گمانی، شاہ صادق آرکاٹی وغیرہ نے اس سلسلہ کو تسلسل کے ساتھ آگے بڑھایا۔ یہ زمانہ نواب ذوالفقار خان سے نواب سعادت اللہ خان تک پھیلا ہوا ہے۔ نوابِ محمد علی خان والاجاہ کے بعد اس ادبی سلسلہ کو بڑھانے والوں میں کئی اہم نام سامنے آتے ہیں۔ جن میں ولی ویلوری، شاہ تراب ترناملی

مولا قربی سے آرکاٹ کے علاقہ میں جس کا ایک حصہ ویلور بھی ہے۔ اردو شاعری نئی زندگی پاتی ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اردو شعر و شاعری کا ماحول اس علاقہ میں انھیں کا پیدا کردہ ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے ولی ویلوری پیدا ہوچکے تھے۔ لیکن ولی کی شاعری کا زمانہ سدھوٹ میں گزرا جس کی وجہ سے وہ ویلور کے ماحول کو متاثر کر پائے تھے۔ قربی ویلوری کے بعد یہ روایت ان کے فرزند ذوقی ویلوری اور ان کے ایک عزیز شاگرد باقر آگاہ ویلوری کے ہاتھ منتقل ہوجاتی ہے۔ ذوقی ویلور ہی میں رہے۔ لیکن ان کی توجہ اردو پر کم اور فارسی پر زیادہ رہی۔ باقر آگاہ کی زندگی کا ابتدائی حصہ ویلور میں گزرا اور وہ قربی سے فیض پاتے رہے۔ آگے چل کر کچھ مدت تک انھیں ترچناپلی میں بھی قیام کرنا پڑا اور جب ان کی شاعری کے شباب کا زمانہ آیا وہ مدراس منتقل ہوگئے۔ اگرچہ وہ آخر زمانہ تک مدراس ہی میں رہے لیکن ان کی شاعرانہ صلاحیت اور تحصیل فن سرزمینِ ویلور شمالی آرکاٹ کی دین ہے اسی لیے ان کا ویلوری کہلوانا حق بجانب ہے۔ ولی ویلوری کی طرح باقر آگاہ نے بھی مثنوی کو ہی قابلِ توجہ سمجھا۔ مثنوی ان کے ہاں اپنے دامن کو وسیع کرلیتی ہے ان کے ہاں مثنوی کے موضوعات میں مذہبی شخصیات سے لے کر .... عشقیہ داستانوں تک شامل ہیں۔ غزل کو

انھوں نے وہ مرتبہ نہیں دیا جو مثنوی کو دیا۔ لیکن اس صنف میں بھی ایک دیوان چھوڑا ہے۔

شاہ تراب چشتی اسی دور کے شاعر ہیں جن کی پیدائش ضلع آرکاٹ ہی کے ایک اور شہر ترنامل میں ہوئی۔ ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں "من سمجھاون" بہت مشہور و مقبول ہوئی۔ تصنیف اور فلسفہ ان کے کلام میں رچا ہوا ہے۔ ان کا دور نواب محمد علی خان والاجاہ کا عہدِ حکومت تھا۔ جو شعر و ادب کی ترقی و ترویج اور شاہی سرپرستی کے لیے مشہور رہے۔ ان کے بعد نواب عمدۃ الامراء ممتاز کا مختصر سا زمانہ بھی شعر و ادب کی سرپرستی سے محروم نہیں رہا۔ خود ممتاز ایک اچھے شاعر تھے۔ ان کے جانشین نواب عظیم الدولہ کا عہد قدرے طویل یعنی تقریباً بیس ۲۰ برسوں پر محیط ہے۔ یہی وہ دور تھا جس میں باقر آگاہ، غوثی آرکاٹی اور غلام محی الدین معجز، حکیم عثمان خان سرور کی شاعری کے چرچے سنائی دیتے ہیں۔ باقر آگاہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ غوثی آرکاٹی کی تصانیف میں "قصص الانبیاء" عرف "ریاضِ مسعود" بہت مشہور مثنوی ہے۔ معجز جو مدراس کے استاد شاعر گزرے ہیں آرکاٹ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ اور آرکاٹ ہی میں تعلیم و تربیت پائی۔ نواب امیر الامراء کی دعوت پر مدراس آئے تو یہیں کے ہو رہے۔ باقر آگاہ سے شرفِ تلمذ تھا۔ ان کا ایک دیوان اردو میں ہے۔

اگلے دور میں دو نام ایسے نظر آتے ہیں۔ جن کے ذکر کے بغیر تمل ناڈو میں اردو ادب کی تاریخ نامکمل رہے گی یہ نام ہیں محمد غوث شرف الملک اور مستقیم جنگ نامی۔ شرف الملک نے نثر کو اپنے قلم کا میدان بنایا۔ "ترجمہ گیدانی" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ مستقیم جنگ لقب تھا۔ اعز الدین کا۔ کبھی نامی تخلص کرتے تھے اور کبھی مستقیم اگرچہ ان کا خاندان گوپاموکا تھا لیکن نامی مدراس میں پیدا ہوئے تھے اور باقر آگاہ سے شاگردی حاصل کی تھی۔ ان کی اردو مثنویوں میں" نو بہارِ عشق" اور "بہارستانِ عشق" بہت مشہور ہیں۔

یہاں یہ بات صاف کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شمالی آرکاٹ کی ادبی تاریخ لکھتے وقت اس صوبہ مدراس یا تمل ناڈو کے دوسرے ضلعوں سے الگ رکھنا مشکل ہے۔ کیوں کہ تمل ناڈو کا صوبہ ایک مکمل اکائی ہے۔ شہر مدراس یا آرکاٹ یا ترچنا پلی وغیرہ شہر یا اضلاع اس کے حصے ہیں اور ایک شہر یا ضلع کے شاعر و ادیب حسبِ ضرورت دوسرے شہر یا ضلع میں متواتر منتقل ہوتے رہے ہیں۔ ایسے میں کبھی شہر مدراس کے شعراء آرکاٹ میں منتقل ہوتے ہیں اور آرکاٹ کے شعراء مدراس میں منتقل ہوتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کی ترقی و ترویج کے سلسلہ میں شہروں یا ضلعوں کو الگ الگ اکائی کے طور پر برتنے سے حالات اپنی سالم شکل میں سامنے آ نہیں سکتے اس لیے یہاں ایک صوبہ کو بطور اکائی لیا جائے گا۔

مدراس میں مولوی محمد غوث شرف الملک کا خاندان آگے چل کر اردو کی خدمات میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ باقر آگاہ نے جس تحریک کی بنیاد رکھی تھی کہ آج عربی و فارسی سے زیادہ اردو میں کتابیں تصنیف کرنے کی

ضرورت ہے۔اسے شرف الملک کے فرزند مولوی صبغۃ اللہ اور قاضی بدرالدولہ نے آگے بڑھایا اور نہ صرف اردو میں متعدد کتابیں لکھیں بلکہ اہم عربی و فارسی کتابوں کا آسان اردو میں ترجمہ بھی کیا۔اسی خاندان کے جو دوسرے صاحبِ قلم حضرات گزرے ہیں ان میں مولوی عبدالقادر، شمس العلماء قاضی عبیداللہ کا ذکر ضروری ہے۔اس خاندان میں غلام محی الدین عاجز آرکاٹی کے علاوہ جتنے بھی اہلِ قلم گزرے ہیں نثر کے مردِ میدان تھے۔اس خاندان کی خدمات "قرآنیات"، "علمِ حدیث"، "سیرت"، "علمِ کلام فقہ" جیسے موضوعات پر نہایت وسیع رہی ہیں۔

لطیف آرکاٹی مرزا غالب کے ہم عصر اور آرکاٹ کے قابلِ قدر شاعر تھے۔ان کا دیوان ان کی موت کے بہت بعد شائع ہوا۔ان کے کلام کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال کی منجھی ہوئی زبان کا اثر بڑی تیزی کے ساتھ دکنی پر ہونے لگا تھا۔لطیف آرکاٹی کے کلام کی منجھی ہوئی اور دکنی اثرات سے پاک زبان اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر تک بھی ٹمل ناڈو میں اردو کے مراکز شہر ویلور اور ترچناپلی ہی تھے لیکن انیسویں صدی ختم ہوتے ہوتے اردو ادب کے قدم شمالی آرکاٹ میں آمبور، وانم باڑی اور ترپاتور، ویلور، پلی گنڈہ گڑ یاتم، وشارم اور پیرنام بٹ جیسے مقامات تک بھی پھیلنے لگے تھے۔چناں چہ ان مقامات پر مولانا حبیب اللہ ندوی، مولوی جعفر حسین صدیقی، مولوی عبدالجبار باقوی، مولانا فدوی باقوی، مولانا اماتی پلیگنڈوی، مولانا فہیم آمبوری، علامہ شاکر نائطی، شاکر وانم باڑی، بادشاہ وانم باڑی، مولانا اثیم ترپاتوری، حکیم آسی ترپاتوری، اور دانش فرازی، کاوش بدری، مولانا اسمٰعیل نعمی مولانا سالک نائطی، یعقوب اسلم، مولانا راہی فدائی، ساحل رشید، سہیل راشد، مولانا انوار اللہ، مولانا بشیر الحق قریشی، ڈاکٹر عثمان باشاہ قادری، اکبر زاہد، سراج زیبائی کے نام ملتے ہیں۔ان حضرات میں اچھے شاعر ہی نہیں بلکہ بلند پایہ ادیب محقق اور نقاد بھی ہیں۔ان میں بعض شاعروں نے اپنے اساتذہ کے آگے زانوے ادب تہہ کیا تھا۔ان کے فیض سے یہ سارے شہر شعر و ادب کے گہوارے بن گئے اور ان مقامات پر ایک ایسا شعری و ادبی ماحول بن گیا جس کی خوشبوؤں سے آج بھی قوسِ قزح کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔

بحیثیتِ مجموعی شمالی آرکاٹ میں اردو شاعری کی نہ صرف نشو و نما ہوئی بلکہ اس نے ارتقائی سفر بھی طے کیا ہے اور اپنے روشن کارناموں سے یہ علاقے اردو ادب کی تاریخ میں ایک الگ اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

○ وہ آدمی // زیادہ خطرناک // بن کر دھوکہ
دشمن سے بھی // ہے جو دوست // دے



انار ایک مفید میوہ

ڈاکٹر محمد نعمان باشاہ۔ بی۔یو۔ایم۔ایس، ادیبِ فاضل (مدراس یونیورسٹی)

اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اس میں موجود ساری چیزیں انسان کے استعمال کے لیے پیدا کی ہے۔ اور انسانوں کو یہ صلاحیت و قابلیت بھی دے دی ہے کہ وہ چیزوں میں پائی جانے والے فائدے اور نقصانات کو جانے اور پہچانے اور جو چیزیں اس کی زندگی کے لیے فائدہ مند ہیں ان کو اپنے تصرف میں لائے اور ان سے فائدہ اٹھائے۔

انسان کی زندگی اور اس کی صحت اور تندرستی کا دارو مدار بڑی حد تک اس کی غذاؤں پر ہے جن کو وہ رات دن استعمال کرتا ہے اور یہ مختلف غذائیں اپنے اندر مختلف تاثرات اور مختلف فوائد رکھتی ہیں۔ یہ غذائیں جہاں انسان کے بدن کی نشو و نما اور صحت میں مفید کردار ادا کرتی ہیں وہاں انسان کے بدن میں پیدا ہونے والی بیماریوں کو بھی ختم کر دیتی ہیں۔ اسی طرح میوے بھی انسان کے بدن کی نشو و نما اور صحت میں مفید کردار ادا کرتے ہیں اور انسان کے بدن میں پیدا ہونے والی بیماریوں کو بھی ختم کر دیتے ہیں۔ یہ میوے میوے بھی ہیں غذا بھی ہیں اور دوا بھی ہیں۔ مختلف پھلوں کے مختلف تاثیرات اور مختلف فوائد ہیں اور یہ موسم کے اعتبار سے لوگوں کے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے فائدہ مند بھی ہیں اور نقصان دہ بھی ہیں۔ اس لیے پھلوں اور میوؤں کو استعمال کرتے وقت ان کی خاصیتوں، فائدوں اور نقصانات کو جان لینا نہایت ضروری ہے۔ ایک پھل ایک صفراوی مزاج والے شخص کو فائدہ دیتا ہے تو وہی پھل بلغمی مزاج والے شخص کو نقصان پہنچاتا ہے۔

پھل اور میوے اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور یہ نعمت دنیا کے سارے ملکوں میں عام ہے۔ اور یہ نعمت اتنی وسیع اور متنوع ہے کہ پھلوں کے انواع و اقسام کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ مختلف پھل مختلف تاثیرات اور فائدے رکھتے ہیں۔ اور ان کی افادیت میں شہروں کی آب و ہوا اور موسم کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ملک میں پائے جانے والے بعض پھل اور میوے دوسرے ملک کے بعض باشندوں کے لیے چنداں سود مند نہیں ہوتے اور ان کی افادیت اور مضرت میں ملک کے باشندوں کے مختلف مزاج اور طبیعت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

انسان کی صحت اور تندرستی کے لیے غلّہ و اناج کی طرح میوے بھی ایک ضروری چیز ہے اور بعض حالات

میں میوے ہی غلّہ واناج کا کام کرتے ہیں اور بسا اوقات دوا کا کام بھی کرتے ہیں اور مختلف بیماریوں کو زائل کر دیتے ہیں۔

بعض پھل اور میوے ایسے ہیں جو دنیا کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض چند ہی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے تو بعض کی پیداوار قلیل ہوتی ہے۔ بعض پھلوں کی پیداوار سال کے بارہ مہینوں میں ہوتی رہتی ہے۔ بعض کی پیداوار موسم کے محدود زمانے میں ہوتی ہے۔ دنیا میں پائے جانے والے میووں اور پھلوں میں ایک مشہور و معروف اور قدیم پھل انار بھی ہے۔ عربی زبان میں میووں کو فاکھۃ کہا جاتا ہے اور انار کو رمان کہا جاتا ہے۔ انار کی اہمیت و عظمت کے لیے یہی ایک بات کیا کم ہے کہ وہ جنّت کا پھل ہے اور اللہ تعالےٰ نے سورۃ رحمٰن میں انار کو اپنی نعمتوں میں سے ایک نعمت کہا ہے:

فیھما فاکھۃ ونخل ورمان ۝ فبای الاء ربکما تکذبان

جنّت کے باغوں میں میوے، کھجور اور انار ہیں۔ اے انسانو اور جنّو! اپنے ربّ کی کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔

انگریزی زبان میں انار کو POMEGRANATE کہتے ہیں۔ سائنس کی زبان میں PUNICAGRANATUM کہا جاتا ہے۔ جامع اردو انسائیکلو پیڈیا کی صراحت کے مطابق انار کو پونیکیسی خاندان PUNICACEAE FAMILY کا پودا ہے۔ ابتداء میں اس کی پیداوار ایران میں ہوی۔

انار ایک ایسا پھل ہے جس کو اکثر لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ٹمل ناڈو، آندھرا، مہاراشٹر وغیرہ اس کی اچھی خاصی پیداوار ہوتی ہے۔ اس کی باغبانی ایک نفع بخش تجارت ہے۔ بیرونی ممالک میں افغانستان پاکستان اور ایران میں بھی اس کی باغبانی عام ہے۔ انار کے درخت بیس۲۰ فیٹ اونچے ہوتے ہیں اور ان کا تنا چھوٹا ہوتا ہے۔ اور اس کی چھال پیلی اور بھورے رنگ کی ہوتی ہے۔ اور اس کے پتّے دراز اور نوکیلے اور کسی قدر پیلاپن لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ انار کے اوپر سخت دبیز چھلکا ہوتا ہے۔ اور اس کے اندر ہلکے اور پتلے سے غلاف میں دانے ہوتے ہیں یہ دانے سفید اور سرخ دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ ان دانوں میں گٹھلی ہوتی ہے اور گٹھلی نہیں بھی ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے دانہ دار انار اور بے دانہ انار کہا جاتا ہے۔ بعض انار کے دانے بڑے بڑے ہوتے ہیں اور بعض کے دانے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ جس انار کا دانہ بڑا ہو وہ بہتر سمجھا جاتا ہے انار میں شیریں بھی ہوتے ہیں، ترش بھی ہوتے ہیں۔ شیریں اور بے دانہ انار بہت لذیذ اور رس بھرے ہوتے ہیں۔ انار کے درخت بیج کے ذریعہ اگائے جاتے ہیں۔ تاہم اس کی شاخوں کو موسم بہار میں لگا دیا جائے تو ان میں جڑیں نکل آتی ہیں۔ انار کا درخت تقریباً دو۲ دہوں تک پھل دیتا ہے۔ انار جلد خراب نہیں ہوتا۔ اس کا چھلکا مضبوط رہنے کے سبب دُور دراز ملکوں میں بھیجا جاتا ہے۔

طبّی حیثیت سے انار ایک مفید میوہ ہے۔ اس کا مزاج پہلے درجہ میں اعتدال کے ساتھ سرد و تر

ہے۔ ہندوستانی طریقہ پر علاج کرنے والے اطباء کا خیال ہے کہ

- شیریں انار دل اور جگر کو تقویت پہنچاتا ہے۔
- مادۂ منویہ کو پیدا کرتا ہے۔
- قوت باہ میں اضافہ کرتا ہے۔
- بلغم کو دور کرتا ہے
- اور بھوک بڑھاتا ہے۔

حکیم احتشام الحق قریشی نے اپنی کتاب "علاج بذریعہ غذا" میں انار کے طبّی فوائد بیان کیا ہے۔ جن کا مختصر خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

- انار اپنی لطیف حرارت یا رطوبت کی وجہ سے ملیّنِ شکم ہے
- اور ارضیت کی کمی کے سبب لطیف ہے۔ گرام مزاج والے آدمی کے فم معدہ کی جلا کرتا ہے۔
- بخارات جو خفقان پیدا ہونے کا موجب ہیں، زائل کرتا ہے۔
- دل اور جگر کو قوت دیتا ہے۔
- استسقاء (ASCITIS) اور یرقان (JAUNDICE) اور تلّی (SPLEEN) اور دردِ سینہ اور اور گرم کھانسی کے لیے مفید ہے۔
- صالح خون پیدا کرتا ہے۔
- اس کے استعمال سے گرام مزاج والوں میں لغوظ (عضو تناسل کا کھڑا ہونا، استادگی، انتشاء) بڑھاتا ہے
- آواز کو صاف کرتا ہے۔
- لاغر بدن والوں کو فربہ کرتا ہے۔
- جن لوگوں کو پیشاب کم آتا ہو یا تکلیف و جلن سے آتا ہو، ان کو پیشاب لاتا ہے۔
- سینہ اور حلق کی خشونت اور سختی و تلخی کو دفع کر کے نرمی پیدا کرتا ہے۔
- انار کا کثرت استعمال کبھی کبھی بعض لوگوں کو کسی درجہ میں نقصان بھی پہنچاتا ہے جب کہ وہ انار دانہ دار ہو۔ اس سے غذا میں فساد پیدا ہوتا ہے اور معدہ ڈھیلا ہوتا ہے۔ اگر بے دانہ استعمال کیا جائے تو وہ معدے کے موافق ہے۔
- انار کو ہمیشہ استعمال کرنے سے رنگ کی سفیدی اور زردی دور ہو جاتی ہے اور جن لوگوں کے ہونٹ معدہ کی کمزوری اور سردی کی وجہ سے سفید ہوتے ہیں ان کی سفیدی دور ہو جاتی ہے۔ جگر کی ریاح کو تحلیل کرتا ہے۔

- اگرانار کے دانوں کا پانی ایک بوتل میں بھر کر دھوپ میں یہاں تک رکھیں کہ گاڑھا ہو جائے، پھر آنکھوں میں لگائیں تو روشنی بڑھ جاتی ہے۔ بینائی کو قوت دیتا ہے اور یہ جتنا پرانا ہو بہتر ہے۔
- انار اگر غذا سے پہلے کھایا جائے تو بہتر ہے، مگر جب دست آرہے ہوں تو پہلے نہ کھائیں۔ یا متلی یا قے معلوم ہوتی ہو۔
- اگر گرم مزاج والا غذا کے بعد انار کھائے تو معدے سے غذا جلد نیچے اتر جاتی ہے۔
- اس کے دانوں کا پانی منہ میں رکھنے سے اور اس کے غرغرہ کرنے سے منوان اور حلق کا ورم جاتا رہتا ہے۔
- نہار منہ اس کا پانی پینے سے معدے کی حرارت ختم ہو جاتی ہے۔

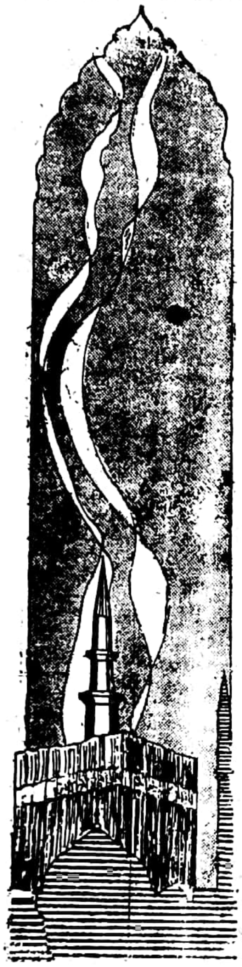
حاصل کلام!

سیاق میں انار کے بعض فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے استعمال کے وقت آدمی کو چاہیے کہ اپنی طبیعت اور مزاج کے پیش نظر رکھے، تاکہ مزاج کی وجہ سے جن نقصانات کا اندیشہ ہے ان سے حفاظت ہو سکے اور اس کے فوائد سے بہرور ہو سکے اور اس کے استعمال کے وقت انار کے مزاج کو بھی اپنے پیشِ نظر رکھے کہ وہ پہلے درجہ میں اعتدال کے ساتھ سرد و تر ہے۔

جدید تحقیقات سے انار کے کیمیائی اجزاء معلوم ہوئے ہیں کہ اس میں وٹامن سی، وٹامن بی، کاربو ہائیڈریٹس، نائٹرک ایسڈ، فاسفورس، پیوٹی سین سلفیٹ، پولی ٹیرین، یمناس، اس کے علاوہ انار کے چھلکے میں یہ اجزاء اینٹی اسکارٹیک میٹر پائے جاتے ہیں •••

(بقیہ مضمون "سریہ جات نبویؐ" ص134)

۱۱۔ ابوسفیان نے ایک شخص کو خرچ دے کر مدینہ بھیجا کہ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کردے۔ حضورؐ نے اُسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص بُری نیت سے آیا ہے۔ تلاشی کے دوران اس کے پاس سے خنجر نکلا پوچھ تاچھ میں اس نے پورا واقعہ سچ سچ بتا دیا۔ اُسے چھوڑ دیا گیا۔ وہ ایمان لے آیا۔ حضور اکرمؐ نے عمرو بن امیہ ضمری اور سلمہ بن اسلم کو مکہ بھیجا اور فرمایا موقعہ ملا تو ابوسفیان کو قتل کردو۔ دونوں مکہ گئے۔ عمرو بن امیہ ضمری رات کو کعبہ کے طواف کو گئے۔ معاویہ نے انھیں دیکھا اور شور مچا کر لوگوں کو بلایا۔ عمرو اور سلمہ مکہ سے بھاگ نکلے۔ راستہ میں تین کافروں کو قتل کردیا۔ مدینہ پہنچ کر حضورؐ کو واقعہ سنایا تو آپؐ نے تبسم فرمایا۔ ❖



خدا کی بندگی اور عبادت

خواجہ محمد بیابانی نوری قادری و چشتی۔ اننت پور

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین ورحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واہل بیتہٖ واولیاء امتہٖ اجمعین۔ امابعد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید وفرقان حمید میں جنّاتوں اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد اس آیتِ کریمہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے: وما خلقت الجنّ والانس الا لیعبدون۔ یعنی نہیں پیدا کیا جنّاتوں کو اور انسانوں کو مگر عبادت کے لیے۔

جس کی تفسیر سید المفسرین حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے الا لیعرفون سے کی ہے (یعنی معرفت خدا کے ساتھ عبادت کرنے کے لیے۔) چنانچہ حضرت سید میر حیات قدس سرہٗ نے بھی "مصباح الحیات" میں دکنی زبان میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ؎

کہا حق نے دے کر ہمیں بندگی — پچھانو مجھے اور کرو بندگی

خدا نے مجھے جب پچھانو کہا — تو سیکھنا عقاید کا لازم ہوا

عقاید کے تیں جس کو ئیں یاد ہے — جہنم میں گھر اس کا آباد ہے

لہٰذا ہمیں معرفتِ خداوندی کے لیے کوشاں رہنا ناگزیر ہے۔ کیوں کہ جو اس ذاتِ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرے گا تو پھر وہ اس کی عبادت کیسے کر پائے گا۔ اہل سنّت والجماعت کے عقائد بھی خوب سیکھنا اور اس پر قائم رہنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ گمرہی میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ مرتے دم تک ایمان پر ثابت قدم رہنا اور با ایمان اس دنیا سے جانا ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں کہ عارف کی تین۳ نمایاں خصوصیات ہیں:

پہلی خصوصیت یہ کہ اس کے سینے میں جب شمع معرفت فروزاں ہوتی ہے تو وہ پرہیزگاری کے چراغ کو بجھا

نہیں دیتی۔ دوسری خصوصیت یہ کہ وہ کسی ایسے باطنی علم کا قائل نہیں ہوتا جو اُسے ظاہری احکامِ شریعت کی پابندی سے روکے اور تیسری خصوصیت یہ کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے انعامات و اکرامات کی کثرت اُسے حرام چیزوں کے قریب بھی جانے نہیں دیتی۔

حضرت شیخ ابوالنصر سراج قدس اللہ سرہٗ نے اپنی کتاب "کتاب اللمع فی التصوف" میں معرفت سے متعلق بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔ ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ "معرفت آتش شوق اور وجد ہے۔ جب کہ ایمان نور اور عطا و بخشش ہے۔ مومن اور عارف میں یہ فرق ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف اللہ کی آنکھ سے دوسرا فرق یہ ہے کہ مومن صاحبِ قلب ہوتا ہے اور عارف قلب نہیں رکھتا۔ قلبِ مومن ذکر اللہ سے مطمئن ہو جاتا ہے اور عارف کو سوائے محبوبِ ازلی کے قرار نہیں۔ گویا ذکرِ حبیب میں محو ہے تو دوسرا رُخِ یار کے مشاہدے سے شادکام۔
(از کتاب اللمع)

برادرانِ طریقت کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو جو صوفیائے کرام میں بہت مشہور ہے: "من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ" مدِّ نظر رکھ کر معرفتِ الٰہی حاصل کرنے میں خوب کوشش کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے یہ نعمت عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین بجاہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم۔

اس ضمن میں حضرت سید شاہ کمال الدین حسینی قادری و چشتی جامی دکن قدس اللہ سرہٗ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں تو مناسب رہے گا۔ ؎

خود شناسی کا گر ہنر ہوتا — خود شناسی سے بہرور ہونا
معرفت کی ہوا میں اُڑنے کو — عینیت غیریت دو پر ہونا
خود بخود نیں خدا رسی ممکن — پیر شاہ میر راہبر ہونا

لہٰذا خوب جان لینا چاہیے کہ بندہ علم و عرفان کے حصول میں مسلسل جد و جہد جاری رکھے تا کہ وہ اللہ کا کامل اور مقرب بندہ بن جائے۔ محققوں کا قول ہے کہ اللہ رب العزت کے خزانہ میں عبودیت سے بہتر کوئی خلعت ہوتا تو سرورِ کون و مکان صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام قاب قوسین او ادنیٰ میں عطا ہوتا۔ اللہ کے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے: کہ "میں نہیں چاہتا کہ میں بادشاہ اور نبی بنوں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک بندہ اور نبی بنوں"۔ اس طرح بندگی کو دونوں جہان کی بادشاہی پر ترجیح دی۔ نتیجتاً اس مقام سے پرے پہنچے جہاں جبرئیل علیہ السلام جو چھ ہزار پر پرواز رکھنے والے کے وہم و گمان تک بھی رسائی نہیں ہو سکی۔ اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یا رسول اللہ! اگر میں سرمو بھی آگے قدم رکھوں تو جل جاؤں گا۔ ؎

اگر اک سرموئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم!!!

چناں چہ واقعہ معراج اس حقیقت کا بین ثبوت ہے۔ قولہ تعالیٰ: سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا۔ (یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے ایک رات اپنے بندے کو سیر کرائی۔)

چوں کہ عبودیت کا تعلق دل سے ہے جو معرفتِ الٰہی کا خزانہ ہے۔ حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ نے بہت خوب فرمایا ہے: ؎

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے | میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت کو ترے حرفِ دوئی کا نہ آ سکے | آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار | اپنے تئیں بھلا دے اگر بھلا سکے

خلاصہ مطلب یہی ہے کہ انسان کی نجات اور ترقیٔ درجات بندگی کرنے پر موقوف ہے جو اہلِ دل ہیں ان کے قدم بندگی میں بہت راسخ اور مضبوط ہوتے ہیں۔ دونوں جہاں میں ان کے دل کو قرار اور آرام نہیں ملتا جیسا کہ بزرگوں کا قول ہے: اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ۔ (اولیاء اللہ کے دل کے لیے آرام حرام ہے۔) چنانچہ حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی بہت خوب فرمایا ہے: ؎

آدمی خود پسند نہ ہونا | دامِ ہستی میں بند نہ ہونا
کسب کرنا فروتنی چوں زر | سرو سا سر بلند نہ ہونا

اور کسی دوسرے شاعر نے بھی خوب کہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: ؎

جب مٹ گئے خودی سے تو ہستی نظر پڑی | ویران جب آپ ہو گئے بستی نظر پڑی
دیکھا تو خاکسار ہی عالی مقام ہیں | جوں جوں بلند ہم ہوئے پستی نظر پڑی

پہلے یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بندگی ہے کیا۔ اللہ رب العزت جس کام کے کرنے کا حکم دے اس کے کرنے کے لیے بے چین رہے اور جس حال میں رکھے خوش رہے شکوہ و شکایت زبان پر نہ لائے اور اللہ کی مرضی پر راضی رہے۔

؎ شکوہ تقدیر کا اچھا نہ شکایت اچھی | یار جس حال میں رکھے وہی حالت اچھی

اگر زہر دیں تو شربت سمجھ کر پی لیں اور چوں چرا نہ کریں۔ درحقیقت بندہ وہی ہے جو اپنے اغراض سے پاک ہو۔ بتِ نفس پندار سے آزاد ہو جائے۔ ذاتِ الٰہی کو معبود و موجود سمجھے اور عبادت خلوص و محبت سے کرے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لے کر جذب میں یہ کہنے لگیں کہ آج پانی سے میں دوزخ کو بجھا دینا چاہتی ہوں۔ اور آگ سے جنّت کو جلا دینا چاہتی ہوں تو وہاں کے موجود حضرات نے پوچھا کہ یہ کس لیے ایسا کرنا چاہتی ہیں تو جواب دیا کہ لوگ اللہ کی عبادت جنّت کے لیے کرتے ہیں یا دوزخ سے ڈر کر کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں درمیان سے ہٹا دیے جائیں تو خالص خدا کے لیے عبادت کرنے لگیں گے۔

کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

اہل دیر و حرم رہ گئے　　　تیرے دیوانے کم رہ گئے

رند جنّت سے جا بھی چکے　　　زاہدِ محترم رہ گئے

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ نے ایک مکتوب میں ایک حکایت نقل کی ہے۔ لکھا ہے کہ پچھلی امت میں ایک شخص نے سالہا سال عبادت و ریاضت میں اپنی عمر کو گزارا تھا۔ اس وقت کے پیغمبر کے پاس وحی آئی کہ اس عابد کو سنا دیجیے اس قدر تکلیف و عبادت و ریاضت میں کیوں اٹھا رہا ہے۔ اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ یہ بات جب اس عابد کو سنائی گئی تو وہ مارے خوشی کے جھومنے لگا۔ لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہو گئے کہ جہنم ٹھکانہ مل جانے کی خبر بذریعہ وحی پا کر یہ خوشی سے کیوں جھوم رہا ہے۔ لوگوں کے پوچھنے پر اس عابد نے جواب دیا کہ جہنم میں تو جگہ ملی ہے۔ ایک ٹھکانہ تو مجھے میرے رب نے دیا ہے یہ کتنی خوش نصیبی کی بات ہے۔ اس لیے بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ انسان جب تک اپنے کو فاسق اور فاجر اور گنہگاروں میں شمار نہ کرلے گا اور بے قدری کی ترازو میں نہ تولے گا اس وقت تک اس کی بندگی درست نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بندے کو جس حال میں رکھے خوش رہنا اور راضی رہنا چاہیے اور وہ جو بھی فیصلہ کرے کسی قسم کا اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ یہی حقیقی بندگی کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں میں جب بندہ کامیاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے بہت خوش ہو جاتا ہے اور راضی ہو جاتا ہے اور اس بندے کو ہر جگہ خوش و خرم رکھتا ہے اور خصوصی انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔

بندگی کی حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: ”اے غلام! تیری اللہ کی بندگی کہاں ہے۔ تو حقیقی بندگی اور سچی غلامی حاصل کر اور اپنے تمام کاموں میں کفایت اختیار کر اور خدا ہی کو کافی سمجھ۔ تو اپنے مالک سے بھاگا ہوا غلام ہے۔ اسی کی طرف واپس ہو اور اسی کی طرف سر جھکا دے۔ پست ہو جا۔ اس کے حکم کی بجاآوری کے ساتھ اور اس کی منع کئے ہوئے کام سے باز رہنے کے ساتھ اور اس کے مقدرات پر صبر و موافقت کے ساتھ تواضع کر۔ جب یہ کمال تجھے حاصل ہو جائے گا۔ تب تیری بندگی اور غلامی تیرے آقا کے لیے پوری ہو جائے گی اور اس کی طرف سے تجھے کفایت نصیب ہوگی۔ ارشاد باری ہے: ”کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کفایت کرنے والا نہیں،، جب اللہ تعالیٰ کے لیے تیری غلامی درست ہو جائے گی۔ وہ تجھے اپنا محبوب بنالے گا اور اپنی محبت تیرے قلب میں مضبوط کر دے گا اور اس کے سبب سے بغیر مشقت و بغیر جستجو کے تجھے اپنا مونس بنالے گا اور تجھے اس کے غیر کی صحبت اچھی معلوم نہ ہوگی۔ پس تو اللہ سے تمام حالتوں میں راضی ہو جائے گا،،

یہاں یہ بات بھی خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ عبادت کے لیے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ کیوں کہ اصل رہنما علم ہی ہے۔ آقائے کائنات فخر موجودات احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

کہ علم امام ہے عمل کا اور عمل اس کے تابع ہے ۔ اور دوسری جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ عالم کا سونا بہتر ہے جاہل کی نماز کے پڑھنے سے کہ جاہل بے علم ہونے کی وجہ سے فساد زیادہ کرتا ہے باعتبار اصلاح کے ۔ بے علم شخص جو عمل کرتا ہے اور عبادت کرتا ہے قیامت کے دن اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اس لیے سلف صالحین طلب علم میں بہت جدوجہد کرتے تھے اور جانتے تھے کہ مدار کار عبودیت علم ہی پر ہے ۔ سید عالم نبی مکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ۔ یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے ۔" اس علم سے مراد معرفت اور قربِ الٰہی ہے ۔ سو اس علم کے جو فرائض کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے ۔(مسائل فقیہہ) کے باقی علوم ظاہریہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ لہٰذا پروردگار عالم کی خوشنودی ورضا اسی میں ہے کہ بندہ مقام قرب کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا رہے اور مراتب و درجات کی طلب کا تصور نہ کرے"۔ (رازاسرار) اور حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ نے" سرالاسرار" میں تحریر فرمایا ہے کہ علم چار ہیں:

۱۔ علم شریعت۔ ۲۔ علمِ طریقت۔ ۳۔ علمِ حقیقت۔ ۴۔ علمِ معرفت۔

اس ضمن میں کامل عبادت ادا کرنے کا طریقہ حضرت سید میر حیات قدس سرہٗ نے" مصباح الحیات" میں دکنی اشعار میں کیا خوب بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: ؎

ہے شریعت میں عبادت تن کے ساتھ ہے طریقت میں عبادت من کے ساتھ
درحقیقت ہے عبادت جان سے معرفت میں دید ہے سبحان سے
تو ملا اس چار کو یک شان میں راز اس کا میں کہوں رکھ جان میں
تو کرے گا اس بدن سے جب نماز ذکر حق میں دل کے رکھ تو با نیاز
دید میں سبحان کے رکھ جان کو ہے سوا اللہ نیں سو ہوں میں جان دو
یوں ملایا چار کو ایک جا سدا تو کیا چاروں عبادت کو ادا
جو کرے اس چار سے یک کو خلل ! نیں ہے کامل وہ ہے ناقص پُر دغل

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جب جبرئیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آکر بڑے ادب سے دوزانو ہو کر دینِ متین کے تین اصولوں یعنی اسلام، ایمان اور احسان سے متعلق سوال کیا تو آقائے نامدار صلی اللہ وآلہٖ وسلم نے ان کے جوابات دیے ۔ اسلام تو ظاہر ہے اور ایمان وہ ہے جو ظاہری بھی ہو اور باطنی بھی مگر احسان حقیقت ظاہر و باطن کو کہتے ہیں ۔ اور صوفیائے کرام کی اصطلاح میں یہی معرفت ہے ۔ جیسا کہ احسان کے متعلق ہادیٔ برحق صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیث جبرئیلؑ میں ارشاد فرمایا ہے؛ کہ " احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو

وہ یعنی اللہ جل شانہٗ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ یعنی جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ یعنی اللہ کے رسول جو حکم دیں اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ لہٰذا یہ خوب جان لینا چاہیے اور اس پر کامل یقین رکھنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع محبت وخلوص کے ساتھ ظاہراً و باطناً کرنا ہی بندگی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہی مردوں کی شمشیریں

اس مضمون کو یہیں پر ختم کرتے ہوئے برادرانِ طریقت کی خدمت میں مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ اولیائے کرام کی تعلیمات جو کتب تصوّف میں موجود ہیں ان کا خوب مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری زندگی بندگی میں بسر ہو جائے گی۔ جیسا کہ مولانا رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

جامیؔ دکن قدس سرہٗ کے دیوان "مخزن العرفان" میں حضرت سید شاہ کمال قادری وچشتی جامیؔ دکن قدس سرہٗ کے دیوان "مخزن العرفان" سے ایک صوفیانہ غزل منتخب کرکے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ امید کہ ناظرین اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ غزل ملاحظہ فرمائیے:

بوصف ضدیت جو غیر شئے کو عین نہ جانے
خدا کی معرفت کا راز وہ نادان کیا جانے

تری ہجراں میں وصل اور وصل میں ہجراں کو پاتا ہوں
جو ہو خود سے فنا تجھ سے بقا یہ مدعا جانے

ہوئے پرہیز سے دو چند اور صد چند درماں سے
یہ بیماری کی بیچارہ فلاطون کیا دوا جانے

نہ نکلا دیدۂ عرفاں سے جس کی پردۂ غفلت
ترا دیدار وہ کیا دیکھ جانے کیا دکھا جانے

حقیقی عینیت اور غیریت سمجھ بوجھ کر خود کو
کوئی ملحد خدا جانے کوئی مشرک جدا جانے

نہ ہوئے بے خودی اور باخدائی پیرہن حاصل
بغیر از کیف کوئی مستی کی کیفیت کو کیا جانے

کہاں ہے مدعی کو حال خالی قال سے حاصل
جو گزری رات پروانے پہ کیا مرغ صبا جانے

قصور عقل ہے جاناں کہ زاہد حور کی خاطر
ترے کوچہ سے کر کر کوچ جنّت کو چلا جانے

کہاں جانے کمالؔ اللہ کی بندہ نمائی کو
مگر شہہمیر سا کوئی بندۂ اللہ نما جانے

حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ والرضوان نے پہلے شعر میں یعنی مطلع ہی میں علم معرفت کا ایک اہم مسئلہ

حل کر لینے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں، عینیت اور غیریت میں ضدیت ہے۔ جو بھی شئے ہے البتہ وہ خدا سے غیر ہے لیکن شئے کے ساتھ نسبت عینیت حقیقی بھی ثابت ہے۔ لہٰذا عارف کو چاہیے کہ ضدیت کے باوجود غیر شئے کو عین بھی جاننا چاہیے۔ یعنی خدا سے شئے کو دونوں نسبتیں غیریت حقیقی اور عینیت حقیقی کی ثابت ہیں۔ اسی طرح بندے کی ذات میں اور رب کی ذات میں یہ دونوں نسبتیں ثابت ہیں۔ لہٰذا شئے کے ساتھ عینیت کی نسبت کی تحقیق کر کے نہ جانے تو وہ راہِ معرفت میں نادان ہے۔ ایسا نادان خدا کی معرفت کا راز کیا جان سکے گا مطلب یہ نہیں جان سکے گا۔ اہلِ معرفت کے نزدیک ایسا شخص نادان کہلاتا ہے۔

دوسرے شعر میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں تیرے ہجراں میں وصل کو پاتا ہوں اور وصل میں ہجراں کو پاتا ہوں کیونکہ مجھ میں تیرا ہی وجود ہے اور تیری ذات وجودِ مطلق سے میری ذات معدوم موجود نما ہوی ہے۔ میں اپنا پردہ آپ ہو کر ہجر کے غم میں تپتا ہوں۔ جب یہ پردہ کی طرف سے نظر ہٹا کر تیری عینیت حقیقی کی نسبت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو تیرے وصل کا مزہ پالیتا ہوں۔ اے پروردگار جب تک اپنے فضل و کرم سے میرے چہرے کا پردہ جو تیرے وصل کے لیے حجاب بن گیا ہے نہ اٹھائے گا میں ہجر کے غم میں ہی تڑپتا رہوں گا۔ اے اللہ خود سے فانی ہو کر تجھ سے باقی ہونے والا ہی اس حقیقت کو پا سکتا ہے اور اس مدعا کو جان سکتا ہے۔ یعنی سالکِ راہ طریقت فنافی اللہ کی منزل جب طے کر لیتا ہے تو بفضلہ تعالےٰ بقاباللہ کی نعمت سے وہ سرفراز ہو جاتا ہے۔ ایسے عارف پر ہجر اور وصل کی حقیقت خوب منکشف ہو جاتی ہے۔ چناں چہ مولانا رومی علیہ الرحمہ نے بھی کیا خوب فرمایا ہے: ؎

قطرۂ نوری سراپا نور باش بگذر از خود دائماً مسرور باش

تیسرے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یار کی محبت میں جو بیمار ہوا ہے اس کی بیماری پرہیز کرنے سے دوچند ہو جاتی ہے اور علاج کرنے سے سوحصہ بڑھ جاتی ہے: ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

چوں کہ یہ بیماری جسمانی نہیں۔ اس کی دوا بے چارہ افلاطون کو بھی نہیں معلوم اور وہ بھی ایسے مریض عشق کا علاج نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ مطلب پوشیدہ ہے کہ ایسے بیمار محبت کا علاج اپنے یار کا وصل ہی ہے۔

چوتھے شعر میں فرماتے ہیں کہ اے عارف جب تک تیری بصیرت سے غفلت کا پردہ نہ ہٹے تجھے چشم شہود حاصل نہ ہو جائے تو یار کا دیدار نہیں کر سکتا اور نہ دوسرے کرا سکتا ہے۔ اپنے یار کو جو شہ رگ سے بھی قریب ہے دکھانا یہ سب کے بس کی بات نہیں۔ یہ عارف کامل اور شیخ کامل ہی کا کام ہے۔

پانچویں شعر کا مطلب بالکل صاف ہے۔ جو اپنے میں اور رب میں عینیت حقیقی اور غیریتِ حقیقی کی نسبت کو ثابت نہیں کر سکتا اور اس کی تحقیق شیخ کامل سے نہیں کر لیتا۔ تو وہ محقق نہیں ہو سکتا اور راہ معرفت

میں کامیاب نہیں ہوتا۔ وہ یا تو اپنے آپ کو ہی خدا جان کر ملحد ہو جاتا ہے یا اپنے آپ کو خدا سے جُدا جان کر مشرک ہو جاتا ہے۔ صوفیائے کرام کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ خدا میں اور بندے میں نری عینیت کا جو قائل ہوتا ہے وہ ملحد ہے۔ اسی طرح خدا میں بندے میں نری غیریت کا جو قائل ہے وہ مشرک ہے۔ عینیت کے ساتھ غیریت اور غیریت کے ساتھ عینیت کو جمع کرنے والا ہی موحد ہے۔ (شیخ سے اس کی تحقیق خوب کرلیں)

چھٹے شعر کا مطلب بھی بہت آسان ہے۔ فرماتے ہیں کہ بے خودی اور باخدائی کا حال بھی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر پانا ضروری ہے۔ بندہ اپنے وجود سے موجود نہیں، بندے کو وجود نہیں ہے۔ ہاں ذات ہے جو معدوم ہے یعنی وجود نہ رکھنے والی ذات اللہ کے وجود سے موجود نما ہوی ہے اس لیے کہ اس کی خودی وہی خودی ہے۔ لہذا حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

پہلے تو فنا ہو جا پندار کی ہستی سے — من بعد بقا حاصل کر یار کی ہستی سے

بے خودی کی کیفیت طاری ہونے کے بعد ہی باخدائی کا حال طاری ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شیخ کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں ہے۔ اس حال کو پانے کے بعد جو کیف و سرور اور مستی طاری ہوتی ہے اس سے لطف اندوز ہونے والا ہی جانتا ہے۔ دوسرا کیا جانے۔ اس کیفیت کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ ایک ایسے شخص کو جس نے کبھی آم کھایا نہیں اس سے اگر کوئی کہے کہ آم بہت مزیدار اور میٹھا ہوتا ہے۔ آم کے لذّت کی کیفیت کو جتنا بھی الفاظ میں تعریف کر کے سمجھانے کی کوشش کریں وہ شخص سمجھ نہیں سکتا جب تک کہ وہ خود آم کھا کر اس کی لذت کی کیفیت کو نہ پالے۔

ساتویں شعر میں فرماتے ہیں کہ خالی قال سے یعنی باتوں سے حال حاصل نہیں ہوتا۔ ایسا مدعی جو صرف قال رکھتا ہو اور حال سے خالی ہو اس کا دعویٰ بیکار ہے۔ جس طرح پروانے پر جو رات گزری ہے۔ یعنی رات بھر شمع کے گرد چکر لگا کر جل بھن کر تڑپنے میں جو لذت پروانے نے پائی ہے اس کا حاصل سویرے اٹھ کر بانگ دینے والا مرغ کیا جان سکتا ہے! اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنے پیارے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس وسیلے سے قال کے ساتھ حال بھی عطا فرمائے۔

آٹھویں شعر میں فرماتے ہیں کہ جس کے عقل میں فتور ہے یعنی عقلِ سلیم نہ رکھنے والا زاہد اپنے قصورِ عقل سے بنا پر اے اللہ تیرے کوچہ سے جہاں لذتِ قرب و وصلِ بے انتہا حاصل ہوتی ہے اس مقام سے کوچ کر کے حور کی خاطر بہشت کو جانا چاہتا ہے۔ چوں کہ جنّت میں ہر خواہش پوری ہوتی ہے۔ زاہد وہاں کے عیش و آرام کی طلب میں خوش ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے زاہد! اللہ تعالےٰ کے قرب کی نعمت کو حاصل نہیں کرنا یہ تیری عقل کا قصور ہے۔

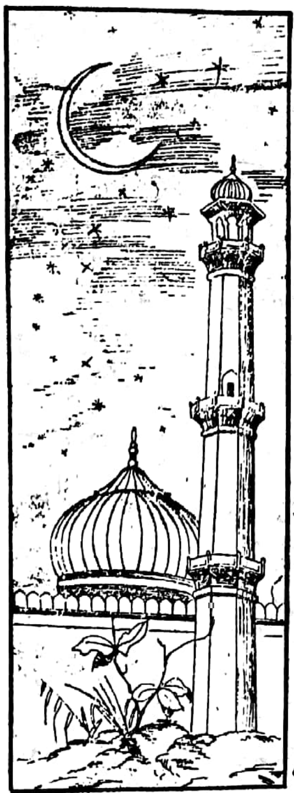
مقطع میں حضرت سید شاہ کمال قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اے کمال! اللہ تعالیٰ کی بندہ نمائی کو جاننا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے مگر شاہ میر قدس اللہ سرہٗ جیسا کوئی بندۂ اللہ نما ہی اللہ تعالےٰ کی بندہ نمائی . . . .

کی حقیقت سے آشنا ہوسکتا ہے۔ حضرت شاہ سید محمد حسینی قادری و چشتی المتخلص بہ میر جو مشاہیر اولیا قدس اللہ سرہٗ سے مشہور ہیں۔ جن کا مزار تلپول شریف میں ہے۔ اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ حضرت سید شاہ کمالؔ علیہ الرحمہ کے پیرو مرشد اور بڑے بھائی بھی ہیں۔ ان سے متعلق مقطع میں فرماتے ہیں کہ وہ بندہ اللہ نما ہیں۔ لہٰذا اللہ کی بندہ نمائی کی حقیقت کو خوب پالیا ہے۔ یہ بھی تصوف کا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے کہ بندہ جب قرب فرائض اور قرب نوافل کی نعمت حاصل کرلیتا ہے تو بندہ حقیقت میں بندہ ہی رہتا ہے لیکن اس کے کام اور سارے اعمال اور افعال خدا ہی کے ذریعہ اور وساطت سے ہونے لگتے ہیں۔ صوفیاے کرام کی اصطلاح میں اس کو قرب فرائض کہتے ہیں جو اپنے پروردگار کے فرائض کی ادائیگی میں مصروف و منہمک ہونے کا نتیجہ ہے۔ جب بندہ فرائض کے علاوہ نوافل میں مصروف ہوجاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو چاہنے لگتا ہے اور محب ہوجاتا ہے۔ اور یہ بندہ محبوب ہوجاتا ہے۔ اور خداے تعالےٰ کا ظہور اس کے تمام اعضاء اور جوارح میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ہمیشہ میرا بندہ فرائض کے علاوہ نوافل کی ادائیگی میں مصروف ہوکر میرا تقرب ڈھونڈتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں تو اس وقت اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ مطلب یہ کہ خدا کے لیے یہ بندہ بمنزلہ آلہ اور واسطہ ہوجاتا ہے اور اس کے سارے اعمال وافعال اس بندے کے ذریعہ ہونے لگتے ہیں۔ (یہ تشریح صوفیاے کرام کے نزدیک ہے۔) حضرت سید شاہ کمالؔ علیہ الرحمہ دوسری جگہ صوفیاے کرام کا ایک قاعدہ کلیہ ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: ؎

صوفیاء کا یاد رکھ قاعدہ کلیہ
خلق نہ ہوجاے حق اور عبد نہ ہوجاے رب

صوفیاے کرام کی تحقیق یہی ہے کہ بندہ جتنا بھی عروج کرے خدا نہیں بن جاتا اور خدا جتنا بھی نزول کرے بندہ نہیں بن جاتا ہے۔ یعنی بندہ بندہ ہی رہ جاتا ہے اگرچہ کہ وہ خدا نما ہوجاے اور خدا خدا ہی رہتا ہے اگرچہ کہ وہ بندہ نما ہوجاے۔ مثال کے طور پر لوہا آگ میں خوب جل کر شعلۂ آتش بن جاتا ہے تو وہ آگ نہیں بن گیا، لوہا ہی ہے اور آگ نما ہوا ہے جب ٹھنڈا ہوجاتا ہے تو وہ لوہے کا لوہا ہی ہے۔ اس مثال سے بھی پاک بندے میں اور رب میں جو نسبت اور حقیقت ہے وہ بہت اعلےٰ ہے۔ (اس کی تحقیق شیخ کامل سے کرلینا چاہیے۔

آخر میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اپنے پیارے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم کے صدقے اور آل واصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طفیل میں ہماری خطاؤں کو معاف فرماکر اس کے مقبول بندے بنالے آمین یارب العالمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ ❊



رؤیائے صالحہ
(اچھے خواب)

بی شیخ محبوب صاحب : اننت پور

خواب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ اچھے خواب۔ ۲۔ بُرے خواب۔ شہنشاہ دوجہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھا خواب خدا کی طرف سے اور بُرا شیطان کی جانب سے ہے پس جو شخص کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو صرف اس شخص سے بیان کرے جس سے اُسے محبت ہے اور جو شخص بُرا خواب دیکھے تو خدا کے ذریعہ اس کی برائی سے پناہ مانگے شیطان اور اس کے شر سے" اور تین بار تھتکار دے اور کسی سے اس خواب کو بیان نہ کرے۔ اس طرح وہ خواب اس کو ضرر نہ پہنچائے گا" (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواب اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں سورۃ الیوسف میں ارشاد فرماتا ہے:

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْہِ یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ○ ترجمہ: جب یوسف (علیہ السلام) نے باپ سے کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے۔ انھیں اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ آسمان سے گیارہ ستارے اترے اور ان کے ساتھ سورج اور چاند بھی ہیں۔ ان سب نے آپ کو سجدہ کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ خواب شب جمعہ کو دیکھا جو شب قدر بھی تھی۔ ستاروں کی تعبیر آپؑ کے گیارہ بھائی ہیں اور سورج آپ کے والد اور چاند آپ کی والدہ ہے۔ یہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں دیکھا۔ سالوں بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام تخت نشین ہوئے تو یہ خواب سچائی میں بدل گیا۔ اور آپؑ کے گیارہ بھائی والد اور والدہ نے سجدہ کیا۔ قرآن کریم کے اس واقعہ سے صاف ظاہر

ہوتا ہے کہ چند خواب سچے ہوتے ہیں اور انھیں رویائے صالحہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی خواب میں جنّت، دوزخ، فرشتے، اولیاء و صالحین، انبیاء علیہم السلام بالخصوص سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھے، اس کے علاوہ خانۂ کعبہ، مسجد نبویؐ، بیت المقدس جیسے متبرک مقامات یا پاکیزہ جیسے دودھ کا پینا یا شہد کا کھانا یا مستقبل میں ہونے والے واقعات کو خواب میں دیکھے اور بعد میں وہ ویسے ہی رونما ہو

بخاری اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں (۴۶) حصہ ہوتا ہے"۔ بقول محدّثین کرام حدیث میں چھیالیسواں ۴۶ کہنے کی وجہ یہ ہے پہلی وحی کے چھ مہینے (۶) بعد دوسری وحی نازل ہوی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی مدت ۲۳ سال ہے۔ چھ مہینے کا ایک یونٹ (UNIT) تصوّر کی جاے تو رسالت کے ۲۳ سال کے ۴۶ حصے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح اچھا خواب نبوت کا ۴۶ حصہ ہوتا ہے۔

اچھے خواب اصل میں خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ ایسے نفس کو دکھائی دیتے ہیں جو اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہو کر معرفتِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اور کل لغویات سے اعراض کرتا ہے۔ اور ظاہر و باطن پورے طور پر خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ سونے سے پہلے وضو کر لیتا ہے اور نیند غالب آنے تک خدا کا ذکر کرتا رہتا ہے اور جب سوجاتا ہے تو یہ شخص خواب میں فرشتوں، نہروں اور جنّت کو دیکھتا ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی پیغمبروں سے بھی ملاقات اور ہم کلامی سے مشرف ہوتا ہے اور جب اس مقام سے بھی ترقی کرتا ہے تو اللہ تعالے کا بے مثال اور تخیل کے مشاہدہ کرتا ہے۔ ایسے خواب دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

ہر عاشقِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ سیّد عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے۔ اس لیے کہ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا' اس نے (حقیقت میں) مجھ ہی کو دیکھا۔ اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا"۔ (بخاری و مسلم)" وہ جلد بیداری کی حالت میں مجھ کو دیکھے گا"۔ کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قرب حاصل ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا۔ جس نے مجھے یہاں خواب میں دیکھا، وہ قیامت میں ضرور مجھے دیکھے گا۔ اور میں قیامت میں دیکھنے والے کی شفاعت کروں گا۔ اور جس کی شفاعت کروں گا اللہ تعالے میرے ہاتھوں سے اس کو حوض کوثر سے پانی پلاے گا اور حوض کوثر سے پانی پینے والے پر آتش دوزخ حرام ہے۔

تاریخ اسلام میں اچھے خوابوں کی بڑی فہرست ہے دو خوابوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

خواب میں چادر عطا فرمانا

قصیدۂ بُردہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا گیا ہے۔ یہ مشہور قصیدہ ہے۔ اس قصیدہ کو حضرت بوصیری علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا۔ عربی نعت گو شعراء میں حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے بعد سب سے زیادہ شہرت حضرت بوصیری علیہ الرحمہ کو ہے۔ جن کا پورا نام شیخ الاسلام حضرت شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید بن حماد البوصیری علیہ الرحمہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت بوصیری علیہ الرحمہ فالج میں مبتلا ہوئے۔ جس کی وجہ سے جسم کا نچلا حصہ سُن اور بے حس ہوگیا۔ بہت سے حکیموں کو دکھایا گیا۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے مایوس ہوکر خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کے دل میں القاء کیا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت و مدح میں ایک قصیدہ نظم کریں۔ چناں چہ آپ نے یہ قصیدہ نظم کیا اور خدائے عفور الرحیم کے حضور میں اپنے مرض کے ازالہ کے لیے اس کا واحد وسیلہ قرار دے کر جمعہ کی ایک رات ایک تنہا مکان میں بہ خلوصِ عقیدت و بحضورِ قلب پڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ پر نیند کا غلبہ ہوگیا۔ خواب میں دیکھا کہ آپ یہ قصیدہ دربارِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم میں پڑھ رہے ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس کی سماعت سے محظوظ و مسرور ہو رہے ہیں۔ جب آپ اس بیت پر پہنچے: ؎

کَمْ اَبْرَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُہٗ
وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِّنْ رِبْقَۃِ اللَّمَمِ

(بارہا اچھے ہوگئے بیمار آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے۔ اور بہت سے محتاج رہا ہوگئے رشتۂ دیوانگی سے بطفیل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے)

تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بردۂ یمنی (یمنی چادر دھاری دار) عطا فرمائی۔ حضرت بوصیری علیہ الرحمہ بیدار ہوئے تو خود کو بالکل صحیح و تندرست پایا۔ گویا مرض لاحق نہیں ہوا تھا۔ جسم پر فی الواقع وہ دھاری دار مبارک چادر (عربی میں بُرْدَہ دھاری دار چادر کو کہتے ہیں) موجود تھی۔ حضرت شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ نے بارگاہِ خداوندی میں نمازِ شکرانہ ادا کیا جس نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آپ کو شفائے کاملہ عطا فرمائی۔

صبح علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کسی ضرورت سے بازار تشریف لے گئے تو راستے میں ایک درویش نے آپ کو سلام کیا اور قصیدہ کی نقل چاہی۔ علامہ نے فرمایا: میں حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔ آپ کو کس قصیدہ کی نقل چاہیے۔ درویش نے کہا: اُس قصیدہ کی جس کی ابتداء میں: ع

اَمِنْ تَذَکُّرِ جِیْرَانٍ بِذِیْ سَلَمٍ

(ترجمہ: کیا تجھے ذی سلم (ذی سلم مکہ اور مدینے کے درمیان ایک مقام کا نام ہے) کے ہمسائے یاد آگئے) حضرت بوصیری علیہ الرحمہ نے تعجب سے کہا: " واللہ! اب تک میرے اس قصیدے سے کوئی شخص مطلع نہیں۔ سچ بتائیے آپ نے کس سے سُنا؟" درویش نے کہا: " خدا کی قسم! میں نے اس کو گزشتہ رات آپ سے سُنا تھا" اور وہ رات کا خواب کا واقعہ من وعن بیان کر دیا۔ اور فرمایا کہ: " میں بھی اس وقت بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھا" علامہ بوصیری علیہ الرحمہ نے انھیں اس کی نقل دے دی۔

قصیدۂ بردہ دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ اشعار کی تعداد ۱۶۵ ہے۔ یہ متبرک قصیدہ ہزاروں لوگوں کی نوکِ زبان پر رہا ہے اور آج بھی زبانی یاد کیا جاتا ہے۔ طبقۂ صوفیاء اور مشائخ کے روزانہ کے وظائف شامل ہے۔ اس قصیدہ کو کثرت سے ورد کرنے والوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔

مسجد، مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کرنے کی تلقین

حضرت عبداللطیف بیجاپوری علیہ الرحمہ ۱۱۳۸ھ میں ویلور فروکش ہوے اور قلعہ ویلور کے شمالی سمت میں سکونت پذیر ہوے۔ اسی رات آپ کے خواب میں سید المرسلین حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: " اے نورِ عین! اسی جگہ قیام کرو۔ یہاں مسجد، یہاں مدرسہ اور یہاں خانقاہ تعمیر کرانا۔ تمہارے اولاد امجاد سے ہمیشہ اہلِ علم کو فیض پہنچے گا۔ اور اس جگہ سے اسلام کو زیادہ فروغ حاصل ہوگا۔" (مولانا ڈاکٹر بشیر الحق قریشی (حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی اور ادبی کارنامے ص ۱۵: ۲۰۰۴ء)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے حضرت عبداللطیف بیجاپوریؒ نے وہیں قیام فرمایا اور مسجد، مدرسہ اور خانقاہ تعمیر فرمایا۔ الحمد للہ! تین صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی مدرسۂ لطیفیہ ویلور دینی خدمات انجام دے رہا ہے اور اُن کی اولادِ امجاد سے اہلِ علم کو فیض پہنچ رہا ہے۔ صبح قیامت تک یہ معاملہ اسی طرح جاری وساری رہے گا۔ انشاءاللہ

دیدارِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کیسے ہو؟

حضرت شیخ ابوالمواہب شاذلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: " جو شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے ذکر کرتا رہے۔ ساداتِ اولیاء سے محبت رکھے۔ کیوں کہ وہ نفوسِ قدسیہ تمام لوگوں کے سردار ہیں۔ یہ جن سے ناراض ہوتے ہیں اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان سے ناراض ہوتے ہیں۔ (افضل الصلوٰۃ)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے گہری محبت، اتباعِ سنّت، ظاہری و باطنی گناہوں سے اجتناب اور بدرجۂ اتم زیارت کا شوق۔ جب یہ سب جمع ہوں تب کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس میں سبھی کا اتفاق ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا افضل ذکر درودِ پاک ہے۔ ہمارے اکابرین نے بھی درودِ پاک کا ورد ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ذریعہ بتایا۔

درودِ تاج

کو پڑھنے سے روح کو سرور، ایمان کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔

اس درود کو شب جمعہ کو بعد فراغتِ نمازِ عشاء، باوضو، جامہ پاک خوشبودار پہن کر ایک سو ستر (۱۷۰) بار پڑھ کر سورہے۔ گیارہ (۱۱) راتیں اسی طرح پڑھے۔ انشاء اللہ تعالےٰ شرفِ زیارت بابرکت حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوگا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

ترجمہ: اے اللہ! محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُمّی لقب پر رحمت نازل فرما۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ مفاخر الاسلام کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن ایک ہزار بار یہ درود پڑھے گا تو وہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کرے گا یا جنت میں اپنی منزل دیکھ لے گا۔ اگر پہلی بار میں مقصد پورا نہ ہوا تو دوسرے جمعہ کو بھی اس کو پڑھ لے۔ انشاء اللہ پانچ جمعوں تک اس کو سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے گی۔ (جذب القلوب)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں پتہ کس طرح چلے گا کہ ہم نے خواب میں سرکار صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خواب میں پتہ چلنے کی تین (۳) صورتیں ہیں:

۱۔ جس شخصیت کی خواب میں آپ زیارت کر رہے ہیں اُن کے بارے میں دل ہی میں القاء ہوتا ہے کہ یہ مدنی آقا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۲۔ کوئی دوسرا تعارف کرادے کہ یہ مدنی آقا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۳۔ خود سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اپنا تعارف کرادیں۔ (فیضانِ سنّت)

آخر میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جھوٹا خواب بیان کرنا بڑا جھوٹ ہے"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے جو انھوں نے نہ دیکھی ہو" (یعنی جھوٹا خواب بیان کرنا۔) (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچّا اور پکّا عاشقِ رسولؐ بنائے اور آقا صلے اللہ علیہ وسلم کے رُخِ زیبا کی زیارت کی تمنّا پیدا کرے اور آن کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم۔

آیت قرآن مجید

(ھُد ھُد نے خط ملکہ سبا کو پہنچایا) تو اس نے کہا کہ اے دربار والو! میرے پاس ایک خط پہنچا ہے جو واجب الاحترام ہے۔

پارہ (۱۹) سورۃ النمل آیت (۲۹)

حدیث مبارکہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

جب مرد اپنی بیوی کو جگاتا ہے اور پھر دونوں مل کر نماز پڑھتے ہیں (یعنی تہجد) تو وہ دونوں اللہ کا ذکر کرنے والوں میں لکھ لئے جاتے ہیں۔

بہ روایت حضرت ابو سعید خدریؓ (ابوداؤد)

- بے کار ہے وہ ملک جس میں امن نہیں!
- بے کار ہے وہ عدالت جس میں انصاف نہیں!
- بے کار ہے وہ رات جس میں عبادت نہیں!
- بے کار ہے وہ پردہ جس میں حیا نہیں!
- بے کار ہے وہ ہاتھ جس میں شفا نہیں!

مسائل رمضان

از: مولوی یم بی شیخ فضل الله لطیفی چنجی ایم۔اے
مدرس دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذادخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی روایة فتحت ابواب الجنه وغلقت ابواب جهنم وسلسلت الشیاطین وفی روایة فتحت ابواب الرحمة ۔یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔ کشادہ شدن درہائے آسمان کنایت ہست از پیاپے فرستادن رحمت وصعود اعمال بے مانع واجابت دعا وکشادہ شدن درہائے بہشت از بذل توفیق وحسن قبول وبستہ شدن درہائے روح دوزخ از تنزیہ نفوس روزہ داراں از آلودگی فواحش وتخلص از بواعث معاصی وقمع شہوات ودر زنجیر کردن شیاطین از بستہ شدن طرف معاصی ووساوس یعنی آسمان کے دروازے کھول دیے جانے کا مطلب ہے پے در پے رحمت کا بھیجا جانا اور بغیر کسی رکاوٹ کے بارگاہ الٰہی میں اعمال کا پہنچنا اور دعا کا قبول ہونا اور جنت کے دروازے کھول دیے جانے کا معنی ہے نیک اعمال کی توفیق اور حسن قبول عطا فرمانا اور دوزخ کے دروازے بند کئے جانے کا مطلب ہے روزہ داروں کے نفوس کو ممنوعات شرعیہ کی آلودگی سے پاک کرنا اور گناہوں پر ابھارنے والی چیزوں سے نجات پانا اور دل سے لذتوں کے حصول کی خواہشات کا توڑنا اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیے جانے کا معنی ہے برے خیالات کے راستوں کا بند ہو جانا۔

عن ابی هریره قال رسول الله ﷺ من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس الله حاجة فی ان یدع

طعامه و شرابه ۔یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (روزہ رکھ کر) بری بات کہنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کرے تو خدائے تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔

اس حدیث شریف کے تحت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ایں کنایت ست از عدم قبول یعنی مقصود از ایجاب صوم وشریعت آں ہمیں گرسنگی و تشنگی نیست بلکہ کسر شہوت واطفائے نائرہ نفسانیت است تا نفس از امارگی برآید ومطمئنہ گردد۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ روزہ قبول نہ ہوگا اس لئے کہ روزہ کے شروع اور واجب کرنے کا مقصد یہی بھوک اور پیاس نہیں ہے بلکہ لذتوں کی خواہشات کا توڑنا اور خود غرضی کی آگ کو بجھانا مقصود ہے تاکہ نفس خواہشات کی جانب راغب ہونے کی بجائے حکم الٰہی پر چلنے والا ہو جائے۔

عن انس بن مالک الکعبی قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ وضع عن المسافر شطر الصلوة والصوم عن المسافر وعن المرضع والحبلی ۔یعنی حضرت انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (شرعی) مسافر سے آدھی نماز معاف فرمادی (یعنی مسافر، چار رکعت والی فرض نماز دو پڑھے) دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت سے روزہ معاف کر دیا یعنی ان لوگوں کو اجازت ہے کہ اس وقت روزہ نہ رکھیں بعد میں قضا کر لیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ ''افطار بر ترمنبع وحبلی رابر تقدیرے است کہ اگر زیاں کند طفل را یا نفس ایشاں را۔ یعنی دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت صرف اس صورت میں ہے کہ بچہ کو یا خود اس کو روزہ سے نقصان پہنچے ورنہ رخصت نہیں ہے۔

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صام رمضان ایمانا و احتسا باغفر لہ ما تقدم من ذنبہ ومن قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ ومن قام لیلۃ القدر ایمانا و احسابا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ ۔یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی امید سے روزہ رکھے گا تو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے اور جو ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں قیام یعنی عبادت کرے گا تو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے اور جو ایمان کے ساتھ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے شب قدر میں قیام کرے گا اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا کان اول لیلۃ من شھر رمضان صفدت الشیاطین ومردۃ الجن وغلقت ابواب النار فلم یفتح منھا باب وفتحت ابواب الجنۃ فلم یغلق منھا باب وینادی منادیا باغی الخیر اقبل و باغی الشر اقصر وللہ عتقاء من النار وذلک کل لیلۃ ۔یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن قید کر دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے

ہیں (پھر رمضان بھر) ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں تو ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور منادی پکارتا ہے کہ اے خیر کے طلب کرنے والے متوجہ اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے برائی سے باز رہ اور اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے اور ہر رات ایسا ہوتا ہے۔

عن سلمان فارسی قال خطبنا رسول اللہ ﷺ فی اخر یوم من شعبان فقال یایھاالناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک شھر فیہ لیلة خیر من الف شھر جعل اللہ صیامہ فریضة وقیام لیلة یطوعا من تقرب فیہ بفضلة من الخیر کان کمن اذّی فریضة فیہ کان کمن اذّی سبعین فریضہ فیما سواہ وھو شھر الصبر والصبر ثوابہ الجنة وشھر المواساة وشھر یزد فیہ رزق المؤمن من فطر فیہ صائما کان لہ مغفرة لذنوبہ وعتق رقبة من النار وکان لہ مثل اجرہ من غیران ینتقص من اجرہ شئی قلنا یارسول اللہ لیس کلنا نجد مانفطر بہ الصائم فقال رسول اللہ ﷺ یعطی اللہ ھذا الثواب من فطرہ صائما علی مذقة لبن او تمرة اور شربة من ماء ومن اشبع صائما سقاہ اللہ من حوضی شربة لا یطماء حتی یدخل الجنة وھو شھر اولہ رحمة واسطہ مغفرة واخرہ عتق من النار ومن خفف عن مملوکہ فیہ غفر اللہ لہ واعتقہ من النار: یعنی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے شعبان کے آخر دن میں وعظ فرمایا، اے لوگو! تمہارے پاس عظمت والا برکت والا مہینہ آیا۔ وہ مہینہ جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے اور اس کی رات میں قیام کرنا (نماز پڑھنا) تطوع یعنی نفل قرار دیا ہے جو اس میں نیکی کا کوئی کام یعنی نفل عبادت کرے تو ایسا ہے جیسے اور مہینہ میں فرض ادا کیا، اور جس نے ایک فرض ادا کیا تو ایسا ہے جیسے اور دنوں میں ستر فرض ادا کئے، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ غم خواری کا مہینہ ہے اور اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے جو اس میں روزہ دار کو افطار کرائے اس کے گناہوں کے لئے مغفرت ہے اور اس کی گردن دوزخ سے آزاد کردی جائے گی اور اس میں افطار کرانے والے کو ویسا ہی ثواب ملے گا جیسا روزہ رکھنے والے کو ملے گا بغیر اس کے کہ اس کے ثواب میں کچھ کمی واقع ہو۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم میں کا ہر شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے روزہ افطار کرائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرائے۔ اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے سیراب کرے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور اس کا درمیانی حصہ مغفرت ہے اور اس کا آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے اور جو اپنے غلام پر اس مہینہ میں تخفیف کرے یعنی کام لینے میں کمی کردے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ انہ قال یغفر لامتہ فی اخر لیلة فی رمضان قیل یا رسول اللہ اھی لیلة القدر قال لاولکن العامل انما یوفی اجرہ اذاقضی عملہ ۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ

نے فرمایا کہ رمضان کی اخیر رات میں اس امت کی مغفرت ہوتی ہے۔عرض کیا گیا کیا وہ شب قدر ہے؟ فرمایا نہیں! لیکن کام کرنے والوں کو اس وقت مزدوری پوری دی جاتی ہے جب وہ کام پورا کرلے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من ذرعه القئ وهو صائم فليس عليه قضاء ومن استقاء عمدا فليقض یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو روزہ کی حالت میں خود بخود قے آجائے اس پر قضا واجب نہیں اور جو عمداً قئے کرے اس پر قضا واجب ہے۔

عن سلمة بن المحبق قال قال رسول الله ﷺ من كان له حمولة تاوی الی شبع فليصم رمضان حيث ادركه ۔یعنی حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس ایسی سواری ہو جو آرام سے منزل تک پہنچادے تو اس کو چاہئے کہ روزہ رکھے جہاں بھی رمضان آجائے۔

عن ابی ايوب الانصاری انه حدثه ان رسول الله ﷺ قال من صام رمضان ثم اتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر . یعنی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رمضان کا روزہ رکھا پھر اس کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے تو اس نے گویا ہمیشہ روزہ رکھا۔

عن ابی قتادة قال رسول الله ﷺ صيام يوم عرفة احتسب على الله ان يكفر السنة التی قبله والسنة التی بعده ۔یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ مجھے خدائے تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے کا گناہ دور کردے گا۔

عن حفصة قالت اربع لم تكن يدعهن النبی ﷺ صيام عاشوراء والعشر وثلثة ايام من كل شهر وركعتان قبل الفجر . یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ چار چیزیں ہیں جنہیں حضور ﷺ نہیں چھوڑتے تھے۔(۱) عاشورہ کا روزہ (۲) ذی الحجہ کے روزے (ایک سے نو تک) (۳) ہر مہینے کے تین روزے (تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا) (۴) دو رکعتیں فجر کی فرض سے پہلے (سنت نماز)۔

مسائل:

(۱) احتلام ہوجانے یا ہمبستری کرنے کے بعد غسل نہ کیا اور اسی حالت میں پورا دن گذار دیا تو وہ نمازوں کے چھوڑ دینے کے سبب سخت گنہ گار ہوگا مگر روزہ ادا ہوجائے گا، جیسا کہ بحرائق جلد دوم میں ہے **لو اصبح جنبا لا يضره كذافی المحيط** اور **فتاویٰ عالمگیری جلد اول میں ہے من اصبح جنبا او احتلم فی النهار ولم يضره.**

(۲) مریض کو مرض بڑھ جائے یا دیر اچھا ہونے یا تندرست کو بیمار ہوجانے کا گمان غالب ہو تو روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔غالب گمان کی تین صورتیں ہیں۔(۱) اس کی ظاہر نشانی پائی جاتی ہوں (۲) اس شخص کو ذاتی تجربہ ہو۔(۳) کسی مسلمان طبیب

حاذق مستور الحال یعنی غیر فاسق نے اس کی خبر دی ہو اور اگر نہ کوئی علامت ہو نہ تجربہ، نہ اس قسم کے طبیب نے اسے بتایا بلکہ کسی کافر یا فاسق یا بدمذہب ڈاکٹر کے کہنے سے روزہ توڑ دیا تو کفارہ لازم آئے گا۔(بہار شریعت)

(۳) جو شخص رمضان میں بلا عذر علانیہ قصداً کھائے پیے تو سلطان اسلام اسے قتل کردے(بہار شریعت)

(۴) معتکف کے سوا دوسروں کو مسجدوں میں افطار کرنا کھانا پینا جائز نہیں (فتاوی رضویہ)

نوٹ: دوسرے لوگ اگر مسجد میں افطار کرنا چاہیں تو اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں جائیں کچھ ذکر یا درود شریف پڑھیں پھر روزہ افطار کریں کھائیں اور پئیں۔ مگر اس صورت میں بھی مسجد کا احترام ضروری ہے۔آج کل اکثر مساجد میں افطار کے وقت مسجدوں کی بڑی بے حرمتی کرتے ہیں جو ناجائز اور حرام ہے۔امام صاحبان اور متولیان مسجد کو اس امر پر توجہ کرنا ضروری ہے ورنہ قیامت کے دن ان سے سخت باز پرس ہوگی۔

مسائل در صورت مکالمہ

سوال: وہ کون روزہ دار ہے کہ کھانے پینے کے باوجود اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ہے؟

جواب: جو روزہ دار کہ بھول کر کھائے پیے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ہے۔ **اذا اکل الصائم اوشرب اوجامع حال کونہ ناسیا فی الفرض والنفل قبل النیة اوربعد ھا علی الصحیح لم یفطر ملخصا.**

سوال: وہ کون سا روزہ دار ہے کہ ماہ رمضان میں بحالت روزہ جان بوجھ کر اپنی بیوی سے ہمبستری کی مگر اس پر روزہ کے توڑنے کا کفارہ نہیں؟

جواب: مسافر بغیر کچھ کھائے پیے زوال سے پہلے اپنے گھر پہونچا اور روزہ کی نیت کرلی پھر اسی حالت میں جان بوجھ کر ہمبستری کی تو اس پر روزہ توڑنے کا کفارہ نہیں۔اسی طرح پاگل کا جنوں زوال سے پہلے جاتا رہا تو اس نے روزہ کی نیت کی اور پھر جان بوجھ کر ہمبستری کی تو اس پر بھی کفارہ نہیں جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول میں ہے. **اذادخل المسافر مصره قبل الزوال ولم یتناول شیئا ونوی الصوم ثم جامع متعدا الاکفارة علیه وکذا اذا افاق المجنون قبل الزوال فنوی الصوم ثم جامع کذافی السراج الوھاج.**

سوال: کس صورت میں تھوک نگلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: دوسرے کا تھوک نگلنے سے یا اپنا ہی تھوک ہاتھ پر لینے کے بعد نگلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول میں ہے. **لوابتلع بزاق غیرہ فسد صومه کذافی المحیط وان ابتلع بزاق نفسه من یدہ فسد صومه**

سوال: کس صورت میں تھوک نگلنے سے روزہ فاسد ہونے کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے؟

جواب: اپنے محبوب کا تھوک نگلنے سے روزہ فاسد ہونے کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول میں ہے۔ لو ابتلع بزیق غیره فسد صومه بغير كفارة الااذا كان بزاق صديقه فحينئذ تلزمه الكفارة كذا في المحيط

سوال: وہ کون سی صورت ہے کہ رمضان کا روزہ نہ رکھنے پر نہ قضا ہے اور نہ فدیہ؟

جواب: مریض نے مرض کے سبب اور مسافر نے سفر کے سبب روزہ نہ رکھا، یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو گیا مگر مریض اچھا نہ ہوا اور مسافر مقیم نہ ہوا تو ان پر قضا واجب نہیں، اور اسی حالت میں مریض و مسافر مر گئے تو فدیہ بھی واجب نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول میں ہے لوفات صوم رمضان بعذر المرض او السفر واستدام المرض والسفر حتى مات لاقضاء عليه لكنه ان اوصى بان يطعم عنه صحت وصية وان لم تجب عليه

سوال: کس صورت میں بلا عذر شرعی قصداً اگر روزہ توڑنے میں کفارہ نہیں؟

جواب: رمضان شریف کے علاوہ کسی دوسرے روزہ کے توڑنے میں کفارہ نہیں اگر چہ بلا عذر شرعی اور قصداً ہو جیسا کہ قدوری میں ہے۔ ليس في افساد الصوم في غير رمضان كفارة

سوال: کس صورت میں روزہ رکھنا حرام ہے؟

جواب: جب کہ عورت حالت حیض یا نفاس میں ہو تو اس کو روزہ رکھنا حرام ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول میں ہے .محرم عليهما الصوم فتقضيانه هكذافي الكفاية.

سوال: مسلمان کو روزہ رکھنا کب جائز نہیں؟

جواب: عید، بقرعید اور ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳ تاریخ کو روزہ رکھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ مراقی الفلاح مع طحطاوی میں ہے قد صرح محرمة صوم العيدين وايام التشريق في البرهان.

دنیا کے اصل ترین عجائب

سید عبدالقادر جیلانی باشاہ ابن سید عبدالستار صاحب لطیفی ،نورانی مسجد پیش امام، گنتکل

انّ فی ذٰلِکَ لاٰ یَةً لِقَومٍ یَسمَعُونَ. وَاِنّ لَکُم فِی الانعَامِ لَعِبرَۃ (سورۃ نحل)

یہ قرآن کی سورۃ نحل کی آیتیں ہیں۔ جس کا ترجمہ سننے والوں کے لئے اس میں یقیناً نشانِ قدرت ہے، اور چوپائیوں میں بھی تم کو غور درکار ہے۔

نحمدہٗ ونصلی وسلم علی رسولہٖ الکریم والہ واصحبہ اجمعین. اما بعد

الحمدللہ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے، جس طرح پانی کو آسمان سے برسا کر زمین کو زندگی کا سبب بنایا، اسی طرح قرآن پاک کو آسمان سے نازل فرما کر جاہل مردہ دلوں کی زندگی کا ذریعہ قرار دیا، دل کے کانوں کو سننے والے زندہ ہو جائیں، انسان اپنے آپ میں غور کریں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ انسانوں کو چوپائیوں میں بھی تم کو غور درکار ہے۔ اللہ رب العزت انسانوں کو اشرف المخلوقات بنا کر پیدا فرمایا، انسان کو چاہئے کہ اسے اشرف بن کر دکھائے۔ اللہ نے سب مخلوق کو کچھ کچھ دیا، لیکن انسان کو سب کچھ دیا۔ پھر بھی انسان سب مخلوق میں کم زور مخلوق ہے۔ جب جانور بچہ جنتا ہے، جیسے ہی بچہ پیدا ہوتا ہے، بچہ خود بخود اٹھتا ہے اور تھوڑی ہی دیر میں چلنے لگتا ہے اور بھاگنے لگتا ہے۔ درخت پر بھی چڑھنے لگتا ہے اور پانی میں خود بہ خود تیرنے لگتا ہے۔ لیکن جب انسان پیدا ہوتا ہے، تو معصوم ہوتا ہے اور کمزور ہوتا ہے۔ سوائے رونے کے کچھ کر نہیں پاتا۔ جب تک اس کو پلایا نہیں جاتا، پیتا نہیں، جب تک اٹھایا نہیں جاتا، نہ اٹھتا، نہ چلتا اور نہ بھاگتا ہے۔ جب تک اس کو چلنا سکھایا نہیں جاتا، نہ چل سکتا ہے، جب تک اس کو بولنا سکھایا نہیں جاتا، نہ بول سکتا ہے۔ انسان کو جب تک کچھ سکھایا نہیں جاتا، کچھ سیکھ نہیں سکتا۔ کچھ کر نہیں سکتا ہے۔ اس لئے انسان سب مخلوق میں کمزور مخلوق ہے، پھر بھی دنیاں کی سب مخلوق ایک طرف، تو انسان کی مخلوق ایک طرف۔

غور کرتے چلئے: کوئی پرندہ اڑتا ہے، تو کوئی جانور چلتا ہے، کوئی جانور پیٹ سے رینگتا ہے۔ جب کھانے کی بات آتی ہے تو کوئی جانور سوکھا اناج چن کر کھاتا ہے، کوئی جانور سوکھا چارا کھاتا ہے، کوئی جانور کچا چارا کھاتا ہے۔ کوئی جانور کچا گوشت تو کوئی جانور مردار کھاتا ہے اور کوئی جانور گندی چیزیں جیسے گو اور گوبر کھاتا ہے، لیکن انسان کتنے سارے نعمتیں کھاتا ہے، اچھی اچھی غذائیں، پاک غذائیں اور الگ الگ رقم رقم کے چیز پکا کر ہر روز الگ الگ مزے کی چیزیں کھاتا ہے، جانوروں کے لئے پہننے کے لئے نہ کپڑے اور رہنے کے لئے نہ گھر۔ لیکن انسان کپڑے پہنتا ہے، اور رنگ برنگ کے اور دل کے ارمان پوری کر لیتا ہے اور بارش، ہوا، گرمی سے بچنے کے لئے اپنے سہولت کے مطابق گھر بنالیتا ہے، عیش اور مال کے ساتھ زندگی کر لیتا ہے۔ جانوروں کو تو انسان کی ضرورت نہیں، لیکن انسان جانوروں سے بہت فائدے اٹھاتا ہے ہے مثلاً جن جانوروں کو حلال قرار دیا اس جانوروں کا گوشت کھاتا ہے۔ ان کے چرم سے کپڑے بنالیتا ہے۔ ان کے بالوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان کی ہڈیوں کو بہت سے کاموں میں لاتا ہے۔

یہاں غور کرنے کا مقام ہے، جانور کھاتے ہیں تو چارہ اور گھانس، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں میں ایسا سارا انتظام کیا ہے۔ گھانس کھانے کے بعد وہ اس سے خون بھی بنتا ہے اور رگوں کے ذریعہ تھنوں میں پہنچ کر دودھ بھی بنتا ہے اور گوبر بھی بنتا ہے۔ لیکن خون کی بو، دودھ کی بو اور گوبر کی بو الگ الگ ہوتی ہے۔ اور پھر غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ شہد کی مکھی ہر پھول کا رس چوستی ہے، جب خارج کرتی ہے تو شہد کی روپ میں خارج کرتی ہے۔ اور یہ انسان کے لئے شفاء کی غذا بن جاتی ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت کا فرماں ہے۔ انسان کو ان جانوروں کی ادا اور کردار پر غور کریں۔ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے حکم خداوندی پر عمل پیراں ہیں۔ لیکن ایک انسان ہی اللہ کا ناشکر ہے۔ کہ سب کچھ نعمتیں پا کر بھی اسے جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اس مقصد کو بھول گیا ہے۔ تو اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان کو جس مقصد کے لئے بھیجا ہے، اس پر عمل نہ کیا تو انسان ان جانوروں سے بدتر ہے۔ آؤ ہم اسلامی عجیب حیرت انگیز جانوروں کی حالات معلوم کریں۔ سوالات پہلے لکھے گئے ہیں۔ سوال پڑھنے میں تعجب ہوتا ہے۔ اور اس کا جواب جاننے کے لئے دل بے قرار ہوتا ہے۔ جواب دیکھنے کے بعد غور وفکر کریں اور اپنی اپنی زندگیوں کو سنواریں۔ اور آخرت کی تیاری کرلیں۔

جانوروں سے متعلق سوالات

۱۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کس جاندار کو پیدا فرمایا۔ اور اس جاندار کا نام کیا ہے؟

۲۔ اس مچھلی کا کیا نام ہے، جس کی پشت پر زمین قائم ہے؟

۳۔ کیا یہ مچھلی کبھی زمین پر آئی ہے؟ اور کیوں آئی ہے؟

۴۔ حضرت آدمؑ جب جنت سے دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت زمین پر کون سے جانور تھے؟

۵۔ کتے کی پیدائش کس طرح ہوئی؟

۶۔ خنزیر کی پیدائش کس طرح ہوئی؟

۷۔ چوہے کی پیدائش کس طرح ہوئی؟

۸۔ بلی کی پیدائش کس طرح ہوئی؟

۹۔ وہ کونسا جانور ہے، جو ایک سال نر ہوتا ہے اور دوسرے سال مادہ بن جاتا ہے؟

۱۰۔ وہ کون سا جانور ہے جس کی تلی نہیں ہوتی؟

۱۱۔ وہ کون سا جانور ہے جس کا پتہ نہیں ہوتا؟

۱۲۔ وہ کون سا جانور ہے، جس کی جیپ (زبان) نہیں ہوتی؟

۱۳۔ وہ کون سا جانور ہے، جس کے کان نہیں ہوتے؟

۱۴۔ سب پرندے انڈے دیتے ہیں۔ لیکن وہ کون سا پرندہ ہے کہ بچے جنتا ہے؟

۱۵۔ سب پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں۔ لیکن وہ کون سا پرندہ ہے جو اپنی بازوؤں سے اڑتا ہے؟

۱۶۔ کتنے اور کون جانوروں کو حیض آتا ہے؟

۱۷۔ وہ کون سا جانور ہے، جب سوتا ہے تو ایک آنکھ کھلی رکھتا ہے اور ایک بند؟

۱۸۔ وہ کون سا جانور ہے جو خدا کی راہ میں دوبار قربان ہوا؟

۱۹۔ دنیا میں کس جانور کو سب سے پہلے بخار آیا؟

۲۰۔ سب جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔ لیکن وہ کون سا جانور ہے جس کا پیشاب پاک ہے؟

۲۱۔ وہ کون سا پرندہ ہے جو ہنستا ہے؟

۲۲۔ وہ کون سا جانور ہے جو غذا جمع کرنے کی فکر کرتا ہے؟

۲۳۔ مکھی کی عمر کتنی ہوتی ہے؟

۲۴۔ مکھڑی کے کتنے پیر اور کتنی آنکھیں ہوتی ہیں؟

۲۵۔ وہ کون سا پرندہ ہے جس کی مادہ کی چھاتی ہوتی ہے؟

۲۶۔ وہ کون سے جانور ہیں جو مر کر بھی حلال ہوتے ہیں؟

۲۷۔ وہ کون سی مچھلی ہے جو عرش اعظم سے بھی زیادہ فضیلت رکھتی ہے؟

۲۸۔ حضور اکرم ﷺ کا وہ کون سا گدھا تھا جس کی نسل سے ہر ایک گدھے کو انبیاء کرام کی سواری کا شرف حاصل ہوا؟

۲۹۔ حضور اکرم ﷺ کا وہ کون سا گدھا تھا جو صحابہ کرام کو بلا کر لانے کا کام کرتا تھا؟

۳۰۔ وہ کون سا جانور ہے جو اپنے منہ میں پانی لالا کر آتش نمرودی کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا؟

۷۔چوہے کی پیدائش کس طرح ہوئی؟

۸۔بلی کی پیدائش کس طرح ہوئی؟

۹۔وہ کونسا جانور ہے، جو ایک سال نر ہوتا ہے اور دوسرے سال مادہ بن جاتا ہے؟

۱۰۔وہ کون سا جانور ہے جس کی تلی نہیں ہوتی؟

۱۱۔وہ کون سا جانور ہے جس کا پتہ نہیں ہوتا؟

۱۲۔وہ کون سا جانور ہے، جس کی جیب (زبان) نہیں ہوتی؟

۱۳۔وہ کون سا جانور ہے، جس کے کان نہیں ہوتے؟

۱۴۔سب پرندے انڈے دیتے ہیں۔لیکن وہ کون سا پرندہ ہے کہ بچے جنتا ہے؟

۱۵۔سب پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں۔لیکن وہ کون سا پرندہ ہے جو اپنی بازوؤں سے اڑتا ہے؟

۱۶۔کتنے اور کون جانوروں کو حیض آتا ہے؟

۱۷۔وہ کون سا جانور ہے، جب سوتا ہے تو ایک آنکھ کھلی رکھتا ہے اور ایک بند؟

۱۸۔وہ کون سا جانور ہے جو خدا کی راہ میں دو بار قربان ہوا؟

۱۹۔دنیا میں کس جانور کو سب سے پہلے بخار آیا؟

۲۰۔سب جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔لیکن وہ کون سا جانور ہے جس کا پیشاب پاک ہے؟

۲۱۔وہ کون سا پرندہ ہے جو ہنستا ہے؟

۲۲۔وہ کون سا جانور ہے جو غذا جمع کرنے کی فکر کرتا ہے؟

۲۳۔مکھی کی عمر کتنی ہوتی ہے؟

۲۴۔مکڑی کے کتنے پیر اور کتنی آنکھیں ہوتی ہیں؟

۲۵۔وہ کون سا پرندہ ہے جس کی مادہ کی چھاتی ہوتی ہے؟

۲۶۔وہ کون سے جانور ہیں جو مر کر بھی حلال ہوتے ہیں؟

۲۷۔وہ کون سی مچھلی ہے جو عرش اعظم سے بھی زیادہ فضیلت رکھتی ہے؟

۲۸۔حضور اکرم ﷺ کا وہ کون سا گدھا تھا جس کی نسل سے ہر ایک گدھے کو انبیاء کرام کی سواری کا شرف حاصل ہوا؟

۲۹۔حضور اکرم ﷺ کا وہ کون سا گدھا تھا جو صحابہ کرام کو بلا کر لانے کا کام کرتا تھا؟

۳۰۔وہ کون سا جانور ہے جو اپنے منہ میں پانی لا لا کر آتش نمرودی کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا؟

۳۱۔وہ کون سا جانور ہے جو آتش نمرودی کی پھونک مار مار کر بھڑ کانے کی کوشش کرتا ہے؟

۳۲۔حضور اکرم ﷺ نے کتنے اور کن کن جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا؟

۳۳۔حضور اکرم ﷺ نے کن کن جانوروں کے بارے میں فرمایا کہ وہ فاسق ہیں۔حرم میں ہوں یا حرم سے باہر قتل کر دیئے جائیں؟

۳۴۔وہ کون سا پرندہ ہے جو بھوکا رہ کر زندہ رہتا ہے اور پیٹ بھر کر مر جاتا ہے؟

۳۵۔وہ کون سا کیڑا ہے جو خود اپنی ہلاکت کی جگہ پہنچ جاتا ہے؟

۳۶۔شہد کی مکھیوں کے سردار کا نام کیا ہوتا ہے؟

۳۷۔وہ کون سی مچھلی ہے جو چلتے جہاز کو روک دیتی ہے؟

۳۸۔کوئی بھی پرندہ زمین سے آسمان کی طرف کتنی بلندی تک جا سکتا ہے؟

۳۹۔وہ کون سا جانور ہے جس کا مغز نہیں ہوتا؟

۴۰۔ممال کی مکھی سے کیا پیدا ہوتا ہے؟

۴۱۔شہد کی مکھی سے نبی کریم ﷺ نے کیا کیا سوال کیا؟ اور کیا کیا جواب دیا؟

جوابات

۱۔سب سے پہلے جو جاندار کو پیدا فرمایا، اس مچھلی کا نام یہموت یالوتیا ہے، بعض نے تون بھی بتایا ہے (حیوالحیو او مدار جالنبوۃ جلد۱،ص:۱۳۰)

۲۔جس مچھلی کی پشت پر زمین قائم ہے، اس مچھلی کا نام یہموت یالوتیا یا تون بتایا گیا ہے۔(ابن کثیر ۲۹)

۳۔یہ مچھلی زمین پر ایک بار آئی تھی۔اس لئے آئی تھی کہ وہب بن منبہؒ سے روایت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں بے حساب بادشاہوں کو پیدا فرمایا، سب بادشاہ صرف انسانوں کے لئے، لیکن سلیمانؑ کو مشرق اور مغرب کے سارے جہاں کی سلطنت، انسان وشیاطین کے دیو اور جنات اور ہواؤں کے درندوں اور چرندوں کے ساری مخلوق کا بادشاہ بنایا۔تب سلیمانؑ نے خدائے تعالیٰ سے عرض کی، اے پاک پروردگار تو مجھے سارے مخلوقوں کا اور سارے جہاں کا بادشاہ بنایا، اور میری آرزو ہے کہ سب مخلوقوں کی ایک ہی وقت میں ایک دعوت دینا چاہتا ہوں، بارگاہ الٰہی سے ندا آئی، میں سب کی روزی پہنچاتا ہوں، میری موجودات مخلوقات بے انتہا ہیں، سب کو تم نہیں کھلاؤ گے۔تو سلیمانؑ نے عرض کیا، خداوندا تو نے مجھ کو بہت نعمت دی ہے، تیری عنایت سے سب کچھ ہے، اگر تیرا حکم ہو تو میں سب کو طعام تیار کرونگا، اور پھر اللہ نے اجازت دے دی، ایک مکان بڑا وسیع تھا، تمام دیوؤں کو حکم دیا، اس میدان کو صاف کرو، وہاں کی زمین کو بچھونا کیا گیا، اسے صاف کرنے کے لئے آٹھ مہینے لگے تھے اور مشرق ومغرب سے تمام کھانے پینے کا سامان تیار کر دیا۔اور بڑے بڑے سات لاکھ دیگ جو ستر گز لمبی اور چوڑی تھی لایا گیا۔اور ایک ایک لگن مثل تالاب کے دیوؤں اور جناتوں نے تیار کئے۔(یہ قصص

الانبیا سے لکھا ہے) تمام مخلوقوں کو ایک ہی وقت کھانے کے لئے دعوت کا اعلان کیا گیا۔ حضرت کا تخت زمین پر نہیں، زمین و آسمان میں معلق تھا، سب حالات دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت دعوت کے لئے یہ مچھلی زمین پر آئی، اور سلیمانؑ سے عرض کرنے لگی۔ اے سلیمانؑ یہ کیسی دعوت ہے، دوپہر ہو رہی ہے، مجھے بہت بھوک لگی ہے، میں بھوک سے تاب نہیں لاتی، اگر اجازت ہو تو میں اپنے حصہ کا کھانا کھالوں۔ تو سلیمانؑ نے کہا، اے مچھلی تھوڑی دیر رک تاکہ سب مخلوق کو ایک ہی مرتبہ کھاتے دیکھوں، یہ سن کر مچھلی نے کہا، میں بہت بھوکی ہوں، اول مجھے کھانا کھانے کی اجازت دے دو۔ سلیمانؑ نے مچھلی کو اجازت دے دی۔ جیسے ہی اجازت ملی، تمام مخلوقوں کے لئے جتنا کھانا پکایا تھا، سب کچھ اس مچھلی نے ایک ہی لقمہ میں کھالیا، اور کہا اے سلیمانؑ، یہ تیری کیسی دعوت ہے؟ جس سے میرا پیٹ نہیں بھرا ہے۔ یہ تو میرا صرف ایک لقمہ ہے، لیکن میرا پروردگار تو مجھے ہر روز ایسے تین لقمہ کھلاتا ہے، تو سلیمانؑ رونے لگے، اور سجدہ میں سر رکھ کر توبہ کیا اور کہا، اے میرے پروردگار، یہ تیرے لئے سزاوار ہے۔ یہ مچھلی سلیمانؑ کے دعوت میں ایک بار زمین پر آئی تھی۔ (قصص الانبیاء)

۴۔ جس وقت آدمؑ زمین پر تشریف لائے، اس وقت زمین پر دو ہی جانور تھے، خشکی پر ٹڈی، اور تری پر مچھلی (حیواۃ الحیوان۔ ص:۴۷۸)

۵۔ جب خدا نے حضرت آدمؑ کا پتلا تیار فرمایا تو فرشتے حضرت آدمؑ کے پتلے کی زیارت کرتے تھے، مگر شیطان لعین حسد کے آگ میں جل بھن کر گیا، اور ایک مرتبہ اس مردود نے بغض و کینہ میں آ کر حضرت آدمؑ کے پتلے پر تھوک دیا، یہ تھوک حضرت آدمؑ کے ناف مبارک کے مقام پر پڑا، خدائے تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ اس جگہ کی مٹی نکال دو، اور اس مٹی سے کتے کو یعنی (گیدم) کو بناؤ، اسی طرح سے کتے کی پیدائش ہوئی۔ اس لئے مٹی آدمؑ کی تھوک شیطان کا اور ہاتھ جبرئیلؑ کے ہیں۔ اس میں وہ خصلتیں ہیں کہ آدمؑ کی وفاداری، پلید اس لئے ہے کہ تھوک شیطان کا، اور وہ رات کو جاگتا اس لئے ہے کہ، کہ جبرائیل کا ہاتھ لگا ہے۔ (روح البیان جلد:۱ص:۸۶)

۶۔ خنزیر کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ، کشتی نوحؑ میں تمام جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو لوگ بدبو سے پریشان ہونے لگے، تو حضرت نوحؑ نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کی طرف وحی بھیجی کے ہاتھی کی دم کو ہلاؤ۔ آپ کے ہلاتے ہی اس سے دو خنزیر ایک نر اور ایک مادہ نکل آئے اور نجاست کھانے لگے۔ (ابن کثیر ۱۲ معارج النبوۃ ص:۵۷ رکن اول)

۷۔ چوہے کی پیدائش اس طرح سے ہوئی کہ ابلیس پر تبلیس نے جب خنزیر کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا ہے تو دو چوہے نر اور مادہ پیدا ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ:۱۔ص:۵۷)

۸۔ بلی کی پیدائش اس طرح ہوئی۔ جب کشتی نوحؑ میں چوہوں نے جب کشتی کے تختے کترنے لگے، تو نوحؑ کو بارگاہ الٰہی سے ندا آئی، کہ اے نوح شیر کے پیشانی پر انگلی پھیرو۔ تو آپ نے ایسا ہی کیا۔ تو شیر کو چھینک آئی، اور ایک بلی کا جوڑا نکلا، جس سے دبک کر بیٹھ گئے۔ (ابن کثیر ۲۹،)

۹۔ ایک سال نر رہتا ہے تو دوسرے سال مادہ وہ جانور خرگوش ہے۔ (حیواب الحیوان اردو ۹۸ ق ا)

۱۰۔جس کی تلی نہیں ہے،اس جانور کا نام گھوڑا ہے(روح المعانی جلد:۱۔ص:۱۷۲)

۱۱۔جس کا پتہ نہیں ہوتا،اس جانور کا نام اونٹ ہے۔(روح المعانی،جلد:۱،صفحہ۱۷۲)

۱۲۔جس کی زبان نہیں ہوتی،وہ جانور مچھلی ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کے منہ میں زبان عطا کیا ہے۔مگر مچھلی کو زبان نہیں دی۔اس کی وجہ ہے کہ جب حکم خداوندی سے فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا۔ابلیس سجدہ نہیں کیا۔جب اس کے گلے میں طوق ڈال کر صورت کو مسخ کر کے زمین پر پھینک دیا،تو وہ سمندروں کی طرف گیا تو سب سے پہلے اسے مچھلی نظر آئی۔جب اسے آدمؑ کی تخلیص کا قصہ سنایا اور یہ بھی بتلایا کہ وہ سمندروں کے جانوروں کا شکار کرے گا۔تو مچھلی تمام مچھلیوں کو اور دریائی جانوروں کو آدمؑ کی کہانی سنائی۔غیبت کی تو اللہ تعالیٰ نے زبان کی شرف سے محروم کر دیا۔ (مکاشفت القلوب:ص:۱۵۹)

۱۳۔جس کے کان نہیں ہوتے،وہ جانور سانپ ہے۔جس وقت حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا تو حکم خدا کے جبرئیلؑ نے کنویں میں فوراً حاضر ہوئے،اور اپنے گود میں لے لیا۔کنویں کا پانی کھارا تھا۔اسی وقت میٹھا ہو گیا۔اور حضرت جبرئیلؑ نے تمام موذی جانوروں کو پکارا۔خبردار کوئی جانور اپنی سوراخ سے نہ نکلے،کیونکہ آج تمہارے گھر میں خدا کا خاص بندہ مہمان ہو کر اترا ہے۔یہ حکم سنتے ہی تمام موذی جانور جو باہر تھے،وہ اپنے اپنے بلوں میں چلے گئے اور جو اندر تھے وہ باہر نہیں آئے۔ایک سانپ اپنی شقاوت سے حضرت یوسفؑ کو کاٹنے کے لئے لپکا۔حضرت جبرئیلؑ نے ایک چیخ مارا،جس سے وہ سانپ بہرا ہو گیا اور سانپوں کی نسل قیامت تک بہری کر دی گئی۔اب کوئی سانپ سنتا نہیں۔ (یوسف نامہ،ص:۴۰)

۱۴۔سب پرندے انڈے دیتے ہیں،لیکن ایک پرندہ بچے جنتا ہے اور وہ پرندہ چمگادڑ ہے،سب پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں لیکن ایک پرندہ اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے۔وہ پرندہ چمگادڑ ہے۔ (حاشیہ۲۴،جلالین،ص:۱۵،خزائن العرفان،پ۳ع:۱۳)

۱۶۔جسے حیض آتا ہے۔وہ تین جانور ہیں (۱)خرگوش (۲)چمگادڑ (۳)بجو (حوالہ بالا و نزہتہ المجالس ۶ص:۳۵)

۱۷۔وہ جانور جب سوتا ہے تو ایک آنکھ کھولتا۔اور ایک بند رکھتا ہے۔پھر کچھ دیر کے بعد کھلی آنکھ بند کرتا ہے۔تو بند والی آنکھ کھولتا۔وہ جانور بھیڑیا ہے۔ (ابن کثیر پ۱۵ع۱۵)

۱۸۔اللہ کی راہ میں دو مرتبہ قربان ہونے والا جانور،یہ وہ جنتی مینڈھا ہے،جس کو حضرت ابراہیمؑ نے بحکم الٰہی حضرت اسماعیلؑ کے بدلے ذبح کیا گیا تھا۔اس مینڈھے کو آپ سے قبل یعنی ہابل حضرت آدمؑ کے بیٹے نے اپنے بھائی قابل کے امتحان میں جو مقبول بارگاہ الٰہی میں جنت کا مینڈھا رکھا تھا۔اللہ نے اس قربانی کو قبول کر لیا اور جنت میں پہنچ گیا۔ (جلالین ص:۱۳،ابن کثیر پ۶ع۹)

۱۹۔سب جانوروں میں سب سے پہلے بخار آنے والا جانور شیر ہے۔اس لئے کہ جب نوحؑ تمام جانوروں کو کشتی میں سوار کیا تو خدشہ ہوا کہ کہیں شیر تمام جانوروں کو کھا نہ لے۔اس لئے نوحؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی اور دعا قبول ہوئی اور اس شیر کو بخار آئی۔(روح المعانی پ۱۲۔۱۵۳البدایہ،جلد:۱ص:۱۱۱)

۲۰۔سب جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔لیکن ایک جانور جس کا پیشاب پاک ہے،وہ جانور چمگاڈر (یعنی چمڑے کی چڑی) ہے۔ (دارالمختار ج اص۲۱۲)

۲۱۔سب پرندے ہنستے نہیں۔لیکن ایک پرندہ ہنستا ہے وہ پرندہ چمگاڈر ہے۔ (خزائن العرفان پ۳ ع۱۳)

۲۲۔سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ بجز انسان،چوہا اور چیونٹی کے کوئی بھی جانور غذا جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ (حاشیہ۴ حلالین ۳۴۰)

۲۳۔مکھی کی عمر صرف چالیس دن کی ہوتی ہے (صادی)

۲۴۔مکھڑی کے آٹھ پیر اور چھ آنکھ ہوتے ہیں۔ (حیواۃ الحیوان ج۲ص۲۸۳)

۲۵۔چمگاڈر پرندے کو مادہ چھاتی ہوتی ہے اور وہ بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ (خزائن العرفان پ۳ ع۱۳)

۲۶۔دو جانور ایسے ہیں،جو مر کر بھی حلال ہوتے ہیں۔(۱) مچھلی (۲) ٹڈی (مشکوات شریف ۳۶۱)

۲۷۔وہ مچھلی حضرت یونسؑ کو نگل کر چالیس دن اپنے پیٹ میں لے کر پھری،اس لئے اس مچھلی کا شکم عرش اعظم سے بھی افضل ہے ۔کیونکہ اس میں ایک نبی کی معراج ہوئی۔ (تفسیر نعیمی ج اص۸۱ ۷حبیب الرحمٰن ص ۸۲)

۲۸۔ابن عساد کر نقل کرتے ہیں کہ فتح خیبر کے حصہ مال سے حضور اکرم ﷺ کو ایک گدھا ملا۔آپ نے اس کا نام پوچھا اس نے کہا، میرا نام یزید ابن شھاب ہے۔خدا نے میری نسل میں ساٹھ گدھے پیدا کئے اور ان پر ہمیشہ پیغمبر سوار ہوتے رہے۔اب اس نسل میں میرے اور پیغمبروں میں سوا آپ کے کوئی باقی نہیں ہے۔میں امیدوار ہوں کہ آپ کی سواری میں رہوں۔آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کو یعفور رکھا۔جس روز آپ ﷺ نے رحلت فرمائی،اور یہ خبر سنکر تاب نہ لا سکا۔اور اسی عالم میں ایک کنویں میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ (تفسیر الم نشرح ص ۱۸۶ امدارج النبوۃ ج۲ص ۱۰۴۰)

۲۹۔حضرت محمد ﷺ کا وہ گدھا جس کا نام یعفور تھا۔آپ ﷺ صحابہ اکرام کو بلانا چاہتے تو اس گدھے کو بھیجتے اور وہ گدھا صحابہ کے گھر کے دروازے پر اپنا سر مارتا،جب صاحب خانہ باہر آتے تو اشارہ کرتا کہ تجھے حضرت ﷺ یاد کرتے ہیں۔ (تفسیر الم نشرح ص ۱۸۲)

۳۰۔جب حضرت ابراہیمؑ کو نار نمرود میں ڈالا گیا تو اس آگ کی طرف سے مینڈک کا گزر ہوا۔وہ اپنے منہ میں پانی لالا کر آگ بجھانے کی کوشش کرتا رہا۔اس رسول کی دوستی کے وجہ سے رسول کریم ﷺ نے اس جانور کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔(حیوۃ الحیوان ج۲ص ۱۴۷)

۳۱۔حضرت قتادا فرماتے ہیں جس دن حضرت ابراہیمؑ کو آتش نمرودی میں ڈالا گیا،اس دن جو بھی جانور نکلا،وہ آگ بجھانے کی کوشش کر رہا تھا سوائے گرگٹ کے جو پھونک مار مار کر آگ کو بھڑکانے کی کوشش کر رہا تھا۔اس لئے اس جانور کو نبی کریم ﷺ نے مار ڈالنے کا حکم فرمایا۔(ابن کثیر اع ۱۵،حیواۃ الحیوان ۲ص ۱۴۷)

۳۲۔نبی کریم ﷺ ان پانچ جانوروں کو کسی بھی حال میں مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(۱) چیونٹی (۲) شہد کی مکھی (۳) ہدہد (۴) صرد (ایک پرندہ) (۵) مینڈک (حیواۃ الحیوان ج ۲ ص ۶۳۷)

۳۳۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، (۱) کوا (۲) چیل (۳) بچھو (۴) چوہا (۵) کالا کتا۔ یہ جانور فاسق ہیں، ان جانوروں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، اگر یہ جانور حرم شریف میں ہو یا باہر رہے۔ (خزائن العرفان پ ۱۵ ع ۳)

۳۴۔ بھوکا رہ کر زندہ رہتا ہے، کچھ پی کر اپنا پیٹ بھرتا ہے اور مر جاتا ہے وہ جانور مچھر ہے ن (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۵۰)

۳۵۔ وہ مکھی ہے، جو خود ہلاکت کی جگہ پہنچ جاتی ہے۔ (خزائن عرفان)

۳۶۔ ہزاروں اور لاکھوں شہد کی مکھیوں میں ایک سردار ہوتا ہے۔ اس کا نام یعسوب ہوتا ہے جو از روئے خلقت تمام مکھیوں سے بڑا ہوتا ہے۔ سب مکھیاں اس کے تابع ہوتی ہیں۔ (تفسیر الم نشرح ۱۸۹ اعاشیہ جلالین ص ۲۲۲)

۳۷۔ وہ فوطوس نام کی مچھلی ہے۔ (حیواۃ الحیوان ج ۱ ص ۴۸۰)

۳۸۔ حضرت کعب ن احبار فرماتے ہیں۔ کوئی بھی پرندہ زمین سے آسمان کی طرف بارہ میل سے زیادہ پرواز نہیں کرسکتا۔ (حاشیہ ۲۴ جلالین ص ۲۲۳)

۳۹۔ وہ شتر مرغ ہے۔ (روح المعانی در ص ۱۷۲)

۴۰۔ مہال کی مکھی سے شہد پیدا ہوتا ہے، مہال کی مکھی مختلف پھولوں سے رس چوس کر ہضم کرتی ہے۔ اس کے معدے میں بھی رس ہضم ہو کر شہد کی شکل میں خارج ہوتا ہے (پارہ رحساس نحل تفسیر سبحان)

۴۱۔ ایک آقائے دو جہاں ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا اور حکم دیا کے یہاں جو کچھ کھانا ہے کھالو۔ جب کھانا کھانے لگے تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ روٹی کے ساتھ سالن نہیں ہے۔ پھر صحابہ نے دیکھا، ایک شہد کی مکھی ہے اور بڑے زور سے بھنبھناتی ہے۔ یارسول اللہ ﷺ کہ مکھی کیوں شور مچاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، مکھی کہنا چاہتی ہے کہ تمام مکھیاں بے قرار ہیں، غار میں ہم نے شہد کا چھتہ لگایا ہوا ہے اور کہنا چاہتی ہے کہ اس شہد کو کون لائے گا، کیوں کہ ہم تو نہیں لا سکتے۔ اور پھر فرمایا پیارے علیؓ اس مکھی کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ اور شہد لے آؤ۔ چنانچہ حضرت علی حیدر کرار چوبی پیالہ پکڑ کر اس مکھی کے پیچھے ہولئے۔ اور اس غار میں پہنچ گئے اور آپ نے وہاں جا کر شہد صاف نچھوڑ لیا اور دربار رسالت میں حاضر ہوگئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس شہد کو تقسیم فرمادیا۔ جب صحابہ کرام نے کھانا کھانے لگے تو مکھی پھر آگئی اور زور زور سے بھنبھنانے لگی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ مکھی پھر کیوں اس طرح شور مچارہی ہے؟

اور فرمایا میں اس سے ایک سوال کیا ہے اور اس کا یہ جواب دے رہی ہے۔ میں اس مکھی سے پوچھا تھا، تمہاری خوراک کیا ہے؟ مکھی کہتی ہے ہماری خوراک پہاڑوں اور بیابانوں میں جو پھول رہتے ہیں، ان پھولوں کا رس ہماری خوراک ہے۔ میں نے پوچھا پھول تو کڑوے ہوتے ہیں۔ پھیکے بھی ہوتے ہیں اور بدمزا بھی ہوتے ہیں۔ مگر تیرے منہ میں جا کر نہایت شریں صاف شہد کیسے بن

جاتا ہے۔تو مکھی نے جواب دیا، یارسول اللہ ﷺ ہم پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اللہ تبارک تعالی ہمیں ایسی تعلیم دے کہ پہلے ہم گھر کو پہاڑوں میں درختوں میں اور کچے مکانوں میں اور دوسرے مقاموں پر اپنا گھر بنالیتے ہیں۔تاکہ زمین سے جو بخارات اور ردی قاوزدات خارج ہوتے ہیں وہ شہد کو خراب نہ کرسکے، پھر گھر بھی بنائے تو کیسے خوب صورت اور ہندسی پیانے کے موافق کہ بڑے سے بڑے کاریگر (یعنی انجینر) ان کی پیائش میں فرق ثابت نہیں کرسکتا۔اور ہمارے تمام گھر ایک ہی شکل کے ہوتے ہیں، تمام گھر ایک ہی مربع میں ہوتے ہیں اور پھولوں کا رس لانے دوڑ پڑتے ہیں۔میٹھا، پھیکا، بدمزا، کڑوا ہر قسم کے پھول تو ہوتے ہیں، لیکن ہم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی تعلم دی ہے ہم زیادہ خوش گوار پھولوں کا رس بھی چوستے ہیں اور اپنے گھر میں آنے جانے کا راستہ مقرر ہوتا ہے۔انہیں سے داخل ہونے اور نکلنے کا القا ہو، جس راستہ سے اندر داخل ہوتے ہیں، اسی راستہ سے واپس نہیں آتے ،شہد کی مکھیوں کا ایک سردار ہوتا ہیہ جس کو عربی میں یعسوب کہتے ہیں۔یہ قد اور دانش کے اعتبار سے سب سے بڑا ہوتا ہے۔بطور خادم چھت کے دروازوں پر مقرر ہوتے ہیں۔جو داخل ہونے والی ہر مکھی کو سونگھ کر اندر داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے۔اگر کسی گندی چیز پر بیٹھ کر مکھی رس چوس کر آتی ہے تو اس مکھی کو مار کر بھگا دیتی ہے کہ جب تک پاک ہو کر نہ آئے ،اندر داخل ہونے نہیں دیتی ۔یہ سب کچھ القائے فطری اور الہام کے ماتحت ہوتا ہے اور روایتوں میں لکھا گیا ہے جب مکھیاں رس کو چوس کر چھت کے پاس آتے ہیں، تو اس کے سردار یعسوب کے ساتھ تمام مکھیاں مل کر درود شریف کی ذکر کرتے ہیں۔اس کے صدقہ سے تمام رس میٹھا بن جاتا ہے۔اور شہد بن کر مکھی سے خارج ہوتا ہے۔شہد کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔بیضاوی نے لکھا ہے، خفاجی کا بھی قول ہے، نوجوان مکھی سے سفید اور کامل جوان سے زرد یعنی پیلا اور بوڑھی مکھی سے سرخ یعنی لال شہد پیدا ہوتا ہے۔یہ تما خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔

وماعلینا الا لبلاغ

عقیدۂ آخرت

حافظ محمد جیلانی باشاہ لطیفی بلھاری

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَفَـنـجـعَـلُ المُسلِمِینَ کَا لمُجرِمِین (سورۃ قلم، آیت۔۲) کیا ایسا ہوتا ہے کہ ہم فرمان برداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کریں۔

الغرض اس دنیا میں جزا اور سزا کے نہ ہونے سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ایسی ہونی چاہئے جس میں لوگوں کو ان کے کئے کی جزا اور سزا ملے۔

یہی بات ایک دوسرے عنوان سے اور دوسرے طریقے پر یوں بھی کہی جاسکتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر چیز کے کچھ خواص آثار ہیں مثلاً آگ کی خاصیت جلانا ہے، پانی کی خاصیت بجھانا اور صفائی کرنا ہے اس طرح ہر جڑی بوٹی میں بھی کچھ خاصیتیں ہیں ایسے ہی انسان کے مادّی اعمال کے بھی خواص اور آثار ہیں۔ مثلاً وہ کھانا کھاتا ہے تو اس سے اس کی بھوک مرتی ہے ،آسودگی آتی ہے اسی طرح پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے اگر کوئی سخت چیز کھالی جائے تو پیٹ میں درد ہو جاتا ہے، بہت زیادہ کھالیا جائے تو بدہضمی ہو جاتی ہے زہر کھانے سے آدمی مر جاتا ہے، دوا استعمال کرنے سے مرض جاتا رہتا ہے۔ کوئی ٹانک اور مقوی دوا کھانے سے طاقت اور توانائی آجاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کے اخلاقی اعمال خواہ وہ اچھے ہوں یا برے اس کے مادی اعمال سے زیادہ اہم اور اعلیٰ ہیں، اس لئے ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کے اخلاقی اعمال کا کوئی اثر کوئی نتیجہ اور کوئی خاصیت ہی نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنا کھانا خود کھانے کے بجائے کسی دوسرے بھوکے کو کھلا دیتا ہے اور خود بھوکا رہتا ہے یا کسی پیاسے کو پانی پلاتا ہے اور خود پیاس کی تکلیف اٹھاتا ہے یا کسی لاوارث بیمار کی محض اللہ واسطے خدمت اور تیمارداری کرتا ہے یا غریبوں یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتا ہے اور اپنی محنت سے کمایا ہوا مال ان پر خرچ کرتا ہے پھر اس سب کے ساتھ اللہ کی عبادت اور بندگی بھی کرتا ہے، تو انسانی عقل اور فطرت کا یہ کھلا ہوا تقاضا اور

فیصلہ ہے کہ ان نیک اعمال کے بھی اثرات اور نتائج ظاہر ہونے چاہئیں اور وہ مادی اعمال کے نتائج و آثار سے بہت زیادہ اہم اور اعلیٰ ہونے چاہئیں اسی طرح اگر ایک شخص ظلم کرتا ہے زبردستوں اور کمزوروں کو ستاتا ہے، امانت میں خیانت اور معاملات میں دھوکہ بازی کرتا ہے، رشوت لیتا ہے یا ڈاکے ڈالتا ہے، قزاقی کرتا ہے، بے رحم ہے، بے درد ہے، جلاد ہے، اللہ کے بے گناہ بندوں کا خون بہاتا ہے خدا کو کبھی بھولے سے یاد نہیں کرتا غرض اپنے وقت کا فرعون اور نمرود ہے تو ہماری عقل کہتی ہے کہ اس کی ان بداعمالیوں کے نتائج بھی نہایت سنگین ہونے چاہئیں اور سامنے آنے چاہئیں، آخر انسان جب اپنی معمولی سے معمولی ہر مادی غلطی کا خمیازہ بھگتتا ہے تو اتنی بڑی بڑی اخلاقی غلط کاریوں کا نتیجہ کیوں نہ بھگتے گا؟

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

اسی کو قرآن مجید نے ایک جگہ فرمایا ہے:

اَم حَسِبَ الَّذِینَ اجتَرَ حُوَ السَّیِّاٰتِ اَن نَجعَلَهُم کَا الَّذِینَ اٰمَنُو اوَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ سَوَاءً مَحیَا هُم مَمَاتُهُم سَاءَ مَا یَحکُمُونَ (جاثیہ:۲)(ترجمہ) جن لوگوں نے خوب پیٹ بھر کے بدکاریاں اور بدمعاشیاں کی ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان مجرموں کو اپنے ان نیک بندوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور ان کا انجام اور جینا مرنا برابر اور یکساں ہوگا بہت نادرست اور بالکل بے ہودہ ہے ان کا یہ خیال

بہر حال جب ہم یہ بات کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ انسان کے مادی اعمال کا نتیجہ اور اثر تو یہاں ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کے اخلاقی اور روحانی اعمال کا کوئی اثر اور کوئی نتیجہ یہاں ظاہر نہیں ہوتا تو ہماری عقل وفطرت اور ہماری سمجھ بوجھ ضروری قرار دیتی ہے کہ پھر اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ایسی ہونی چاہئے جس میں ان اچھے یا برے اخلاقی اور دوخاص اعمال کے آثار وخواص اور نتائج ظاہر ہوں اور انسانوں کو ان کی نیکوکاریوں اور بدکاریوں کی جزا اور سزا ملے۔

جزا اور سزا اس دنیا میں کیوں نہیں دی جاتی؟

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر اسی دنیا میں ہر برائی اور بھلائی کی سزا اور جزا مل جایا کرتی تو پھر یہ زندگی امتحانی زندگی نہیں رہتی، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو امتحان کی دنیا بنایا ہے اور جزا اور سزا کو یعنی عذاب وثواب کو غیب کے پردہ میں رکھ کر انبیاء علیہ السلام کے ذریعہ یہ اعلان کرایا ہے کہ جو کوئی یہاں میرے احکام کی فرماں برداری کرے گا، اور نیکی کی زندگی گذارے گا میں اس کو آئندہ زندگی میں یہ انعام دوں گا اور جو کوئی سرکشی کرے گا، اور نافرمانی وبدکرداری کی زندگی گذارے گا میں اس کو ایسی سزائیں دوں گا تو اگر بالفرض ہر برائی بھلائی کا بدلہ اسی دنیا میں ہاتھ کے ہاتھ اور نقد مل جایا کرتا تو یہ امتحان نہیں ہوسکتا تھا پھر تو ہر آدمی نافرمانی سے اسی طرح بچتا جس طرح آگ میں کودنے سے ہر ایک بچتا ہے اور نیکی کرنے کے لئے ہر ایک اسی طرح مجبور ہوتا جس طرح کھانے پینے کے لئے

مجبور ہوتا ہے اور پھر عذاب وثواب بے معنی ہوتا اس کے علاوہ ایک وجہ جزا اور سزا کو اور دوسرے عالم میں رکھنے کی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کو جو صلہ اور انعام دینا چاہتا ہے اور جیسی چین وآرام والی زندگی انہیں بخشنا چاہتا ہے اس دنیا میں اس کا کوئی امکان ہی نہیں ہے اور اسی طرح اپنے نافرمانوں کو وہ جو سخت ترین سزا اور عذاب دینا چاہتا ہے اس کی برداشت کی بھی ہماری اس دنیا میں طاقت نہیں ہے یعنی وہ اتنا سخت ہے کہ اگر وہ اس دنیا میں ظاہر ہو جائے تو یہاں کا سارا چین وآرام ختم ہو جائے اور یہ دنیا سوخت ہو کر رہ جائے یہ دنیا تو بڑی کمزور اور بہت محدود طاقت رکھنے والی دنیا ہے اور پھر اس کا نظام ایسا ہے کہ اس میں راحتیں اور تکلیفیں ملی جلی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کو ان کو ان کی روحانی اور اخلاقی نیکیوں کے صلہ میں جو چین وآرام کی زندگی دینا چاہتا ہے وہ کسی ایسی ہی جگہ اور ایسے ہی کسی عالم میں ممکن ہے جہاں کسی تکلیف کا گذر نہ ہو اور وہاں صرف بہار ہی بہار ہو اور اس طرح اپنے مجرموں اور نافرمانوں کو ان کی اخلاقی اور روحانی بدکرداریوں کی جو سخت سزا اور جو دردناک عذاب وہ دینا چاہتا ہے وہ کسی ایسے ہی عالم میں ممکن ہے جہاں بس دکھ ہی دکھ اور تکلیف ہی تکلیف ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ بندوں کے اچھے برے اعمال کی جزا اور سزا اس دنیوی زندگی کے بعد آنے والی زندگی میں اور دوسرے عالم میں دے گا، بس وہی عالم آخرت کا عالم ہے اور اس کے دو حصے ہیں، ایک جنت اور ایک دوزخ، جنت میں اللہ کے انعام اور اس کے خاص فضل وکرم کا ظہور ہوگا اور دوزخ میں اس کے صرف قہر وغضب کا ظہور ہوگا اور یہ دونوں ظہور اعلیٰ پیمانہ ویسی نہ ہوں گے اور بس وہیں پوری خدائی شان ظاہر ہوگی۔

❁❁❁

نعتِ شریف — جناب منیر رشیدیؔ

محمدؐ جانِ ایماں ہیں محمدؐ شرحِ قرآں ہیں
قسم ہے ربِّ داور کی محمدؐ بحرِ عرفاں ہیں

محمدؐ کے جو فرماں ہیں وہی داور کے فرماں ہیں
یقیناً رفعتیں ان کی بعید از عقلِ انساں ہیں

نہ ہوتے آپؐ تو ہوتا نہ کچھ بھی جز خدائی کا
حقیقت میں وہی تو باعثِ تخلیقِ امکاں ہیں

وہ اُمّی ہیں مگر بحرِ علوم وحکمت وعرفاں
چلیں لوح وقلم جن کے اشارے پر وہ انساں ہیں

مرے سرکارؐ کے در سے کوئی خالی نہ لوٹے گا
مرادوں کی یہ بستی ہے، مدینے کی یہ گلیاں ہیں

سلام ان پر کہ جن کو مظہرِ شانِ خدا کہئے
درود ان پر کہ جن کی مدح میں آیاتِ قرآں ہیں

مرے مولا خبر لیجئے مرے آقا خبر لیجئے
مسلماں سارے عالم میں بھی کافی پریشاں ہیں

مری آنکھوں میں نقشہ پھر رہا ہے اب بھی بطحیٰ کا
منیرؔ اپنی نگاہوں میں ابھی طیبہ کی گلیاں ہیں

★

عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از: عبدالسلام لطیفی ویلوری

آقائے دو جہاں سرورِ کون ومکان شافع روزِ محشر ساقی حوضِ کوثر رحمۃ الاولین احمد مجتبیٰ محمد ﷺ سے محبت والفت ونسبت میں دین وایمان ہے۔ خداوند عالم نے آپ ﷺ کا اسم گرامی محمد رکھا۔ محمد کے معنی بہت تعریف کیا گیا، آقائے دو جہاں ﷺ کی تعریف صرف مخلوق ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی تعریف خالق کائنات نے کی اور بے حد کی۔

خداوند عالم نے اپنے حبیب کے ہر عمل کو اپنا عمل بتایا۔ آپ ﷺ کے ہر قول کو اپنا قول بتایا اگر حبیب اپنے ہاتھ پر بیعت لے تو خدا نے کہا کہ میرے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ معبود کو اپنے حبیب سے اس قدر محبت کہ کبھی یاسین کبھی طٰہٰ اور کبھی مزمل کہتا ہے تو کبھی سراج منیر۔ سچ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات وصفات کا کما حقہ عرفان خالق کائنات کو ہی ہے۔

ہم اس عظیم و بزرگ ترین ہستی کو کیا پہچان سکتے ہیں؟ ہمارا علم محدود، حضور ﷺ کی ذات لامحدود، ہماری فہم وادراک ناقص، حضور کی ذات کامل، ہماری پرواز تخیل کی رسائی ایک حد تک، اس بزرگ ترین ہستی کی رسائی قاب قوسین تک۔ ہم خاکی وہ نوری، ہم خطا کار وہ معصوم، ہم ناآشنائے راز، وہ رازدار الٰہی، ہم حقیقت و ماہیت کائنات سے بے خبر وہ باعث تخلیق کائنات ہم بندہ حقیر وہ حبیبؐ باتوقیر۔ ہم حضور ﷺ کی سیرت پاک کو کیا سمجھ سکتے ہیں؟ اور کیا بیان کر سکتے ہیں؟ صرف یہ کہہ سکتے ہیں:

لایمکن الثناء کما کان حقّہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خود خدا جانے اس سرکار کا کیا مرتبہ ہوگا؟

غلام بارگہ جس کے کہیں مَا اَعْظَم شَانی

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر ہر پہلو جہاں حیات انسانی کے لئے ہدایت کا منوّر آفتاب ہے، وہیں نبی نوع انسانی کی فلاح ونجات کے لئے مختلف حیثیتوں سے منازل نور ہے۔

آپ ﷺ کی ذات بابرکات، آپ ﷺ کی شخصیت اتنی عظیم جامع وزبردست ہے کہ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہر مسافر حیات کے لئے ہر دو ہر زمانے اور ہر وقت چراغ راہِ ہدایت دلیل وحجت ہے۔ ارشاد ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ غرض حیات وممات کے ہر باب میں حیات طیبہ، سنت نبوی، واجب الاتباع ہے۔ بلا تخصیص ہر امر میں آپ کی اطاعت فرض اور ہر کام میں آپ ﷺ کی فرمابرداری ضروری ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اللہ رب العزۃ کی اطاعت ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ آپ ﷺ کی فرماں برداری اللہ کی فرماں برداری ہے۔ دونوں کی نافرمانی دوزخ کی نشانی ہے۔ ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدین فیھا ابدا۔ یعنی جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

سبحان اللہ سارے جہاں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ اپنی فلاح چاہتے ہو اور بہبودی مقصود ہے تو ہمارے حبیب رسول مقبول ﷺ کے حکم کی تعمیل کرو اور رسول اکرم ﷺ جو تمہیں عطا کریں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

سلطان دارین مختار کونین نبی کریم ﷺ کو خداوند قدوس نے تمام دنیا کا مختار بنایا ہے۔ آپ ﷺ کی بادشاہت اور حکومت اور خداداد اختیارات کا اندازہ کس طرح ہوسکتا ہے؟

صحاح ستہ میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ہلاک ہوگیا۔ فرمایا کیا ہوا۔ عرض کیا کہ میں نے رمضان میں اپنے عورت سے نزدیکی کی تو فرمایا غلام آزاد کرسکتے ہو؟ عرض کیا کہ اتنی استطاعت نہیں رکھتا ہوں فرمایا۔ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟ عرض کیا کہ یہ بھی نہیں رکھ سکتا۔ فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ عرض کیا یہ بھی نہیں کرسکتا۔ اتنے میں کھجوریں آپ کی خدمت اقدس میں لائی گئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا انہیں خیرات کردو۔

عرض کی کیا اپنے سے زیادہ کسی محتاج پر؟ مدینے بھر میں تو کوئی ہمارے برابر محتاج نہیں۔ فَضَحِکَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ وَقَالَ اِذْھَبْ فَاَطْعِمْہُ اَھْلَکَ۔

سرور عالم ﷺ یہ سن کر ہنس دئے، یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔ اور فرمایا جاؤ اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔ سبحان اللہ۔ گناہ کا ایسا کفارہ بھی سنا ہے؟ دو من کھجوریں سرکار ﷺ سے عطا کی گئیں کہ آپ کھالو کفارہ ہوگیا۔

قسم ہے خدا کی یہ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ ہے کہ سزا کو انعام سے بدل دے۔ آپ ﷺ کی ایک نگاہ کرم کبائر کو حسنات کردیتی ہے جب ہی تو خداذوالجلال نے گناہ گاروں، خطا کاروں کو آپ ﷺ کا دروازہ بتایا کہ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ الخ گناہ گار آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوکر معافی چاہیں اور آپ ﷺ شفاعت فرمائیں تو خدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آقا دو جہاں ﷺ کو وہ اختیارات دئے ہیں کہ حبیب خدا جس کو چاہیں فرض فرمادیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لولا ان ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الی ثلث اللیل: اگر میں اپنی امت پر شاق ودشوار نہ سمجھتا تو نماز عشا کا وقت تہائی رات کو مؤخر

کردیتا یعنی تاخیر کو فرض کردیتا اور دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِی لَاَمَرْتُھُم بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ: اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ہر نماز میں مسواک فرض کردیتا۔ مذکورہ احادیث سے اختیار مصطفیٰ ﷺ کا ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو وہ اختیارات دئے کہ حضور ﷺ جس کو چاہیں فرض فرمادیں۔

اس رحیم آقا کا رحم وکرم بھی اپنے غلاموں پر روشن اور ظاہر ہوگیا کہ امت کی دشواری اور سختی منظور نہیں ہے اور آپ ﷺ امت کی مشقت گوارا نہیں فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ رحمۃ العالمین ہیں آپ ﷺ کی رحمت عالم کے لطف وکرم سے انسان تو انسان حیوانات تک محروم نہ رہے۔

آپ ﷺ رؤف رحیم ہیں۔ امت کے لئے آپ ﷺ کی دعا واستغفار کا سلسلہ جاری وساری ہے اور آپ ﷺ ہی کی وجہ سے سارے عاصیوں کو عذاب الٰہی سے نجات نصیب ہوگی۔

ہستی سے ہے تیری رنگ وبو سب کے لئے　　طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور　　سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے

اللھم صل علی النبی الامی و الہ

نعت شریف

اشفاق الرحمن مظہرؔ

پیامِ حق وہ لے آئے حرا سے جب نبی ہوکر　　ہوئے ہیں رحمۃ اللعالمیں اک آدمی ہوکر
خزینہ علم کا لائے مگر امّی ہی کہلائے　　منوّر ذہن و دل کو کردیا خود روشنی ہوکر
دکھایا راست کا رستہ اٹھایا جھوٹ سے پردہ　　بنایا دوست دشمن کو مجسم دوستی ہوکر
یہ کیسی ذات ہے اُن ﷺ کی انوکھی بات ہے ان کی　　دکھائی شانِ عظمت بھی مثالِ سادگی ہوکر
بڑی تقدیر والے ہیں شفاعت جن کو ہے حاصل　　اطاعت آپ ﷺ کی کرلیں اگر وہ امّتی ہوکر
مدینہ پاک کا مظہرؔ نظارا جب سے دیکھا ہے　　مری آنکھوں میں آئی ہے خوشی بھی اب نمی ہوکر

☆☆☆

نبیوں پر ایمان اور صرف خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت

حافظ مظفر بیگ لطیفی

ہر حال مومن ہونے کے لئے سب پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ہاں اطاعت اور پیروی صرف نبی وقت کی جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی جو احکام لاتا ہے وہ اس کے اپنے احکام نہیں ہوتے بلکہ خدا کے احکام ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہوتا ہے کہ جس زمانے کے لئے وہ جو احکام بھیجے ان ہی اتباع کیا جائے ۔نئے احکام آنے کے بعد پہلے احکام منسوخ ہو جاتے ہیں۔

پہلی شریعتوں کی منسوخی کی ایک عام فہم مثال:

اس کو آپ مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ فرض کیجئے ایک ملک ہے،اس کے اپنے والے بہت کمزور اور پست حالت میں ہیں،غربت بھی ہے ۔جہالت بھی ہے،صحتیں خراب ہیں ۔تو حکومت ان کے لئے بہت ہلکے قوانین مقرر کرتی ہے۔اور بہت سی رعایتیں اور سہولتیں دیتی ہے۔لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد ملک ترقی کر جاتا ہے اور لوگوں کی حالت کچھ اچھی ہو جاتی ہے تو پھر اس حالت کے مطابق نیا قانون بنا دیا جاتا ہے۔اب اس نئے قانون کے بعد اگر کوئی انسان اسی پہلے قانون پر چلے اور نئے قانون کو نہ مانے تو وہ مجرم اور سزا کے قابل ہوگا کیونکہ وہ حکومت کی نافرمانی کرتا ہے اور حکومت کے امتیازی اختیارات خود استعمال کرنا چاہتا ہے۔

بس انبیاء علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعتوں کا حال بھی ایسا سمجھ لیجئے ۔اللہ تعالیٰ نے کسی قوم اور کسی زمانے کے لوگوں کی حالت کے مطابق اپنے کسی پیغمبر کے ذریعہ ایک قانون بھیجا پھر ایک مدت کے بعد جب حالت کچھ بدل گئے اور دوسرے پیغمبر کو بھیجا گیا تو قانون بھی کچھ تبدیلی کر دی گئی تو اس وقت بندوں کا فرض ہوگا کہ ایمان تو پہلے پیغمبروں پر بھی لائیں اور احترام سب کے لاتے ہوئے قوانین کا کریں کیونکہ سب اللہ ہی کے (قوانین) لیکن ہر زمانے میں پابندی اسی قانون کی کی جائے گی جو اس وقت کے نبی کے ذریعہ

اس زمانہ کے لئے اللہ کی طرف سے آیا ہوگا، حتیٰ کہ اگر پہلے کوئی پیغمبریں اپنی قبر سے اٹھ کر بعدوالے زمانے میں آجائیں تو ان کو بھی اسی بعدوالے قانون کی اور بعدوالی شریعت کی پیروی اور پابندی کرنی پڑے گی۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اِتِّبَاعِي

یعنی اللہ کے جلیل القدر پیغمبر موسیٰ علیہ السلام بھی اگر آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے ہی شریعت کی پیروی کرنی ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام صحیح حدیثوں کی اطلاع کے مطابق اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کا عمل شریعت محمدی ہی پر ہوگا، کیونکہ اس زمانے اور اس دور کے لئے حکم خداوندی ہی ہے اور پہلی شریعتوں اور پہلے انہیں قوانین کو خود اللہ تعالیٰ نے منسوخ قرار دے دیا ہے اور اب ان پر چلنا گویا خدا کی نافرمانی ہے، بہرحال یہ ایک ایمانی اصول ہے کہ ایمان تو بلاتفریق اللہ کے سب پیغمبروں پر لایا جائے اور سب کا ادب واحترام یکساں طور پر کیا جانا چاہئے وہ کسی قوم اور کسی ملک میں اور کسی زمانہ میں آئے ہوں۔اور چاہے ان کی زبان کوئی رہی ہو، لیکن پیروی ہر زمانے میں صرف اس پیغمبر کی شریعت کی کی جائے جو اس دور اور اس زمانہ کا پیغمبر ہو۔

انبیاء شریعت ساز نہیں بلکہ شریعت رساں ہوتے ہیں۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے ایک بات آپ کو یہ بھی معلوم ہوگئی کہ انبیاء علیہ السلام شریعت ساز نہیں ہوتے۔ بلکہ شریعت رساں ہوتے ہیں۔یعنی ان کا منصب یہ نہیں کہ وہ اپنی طرف سے عقائد یا احکام تجویز کریں بلکہ وہ اللہ کی طرف سے صرف لانے والے اور پہنچانے والے ہوتے ہیں۔اور اپنی جانب سے وہ اس میں کوئی کمی وبیشی اور کسی قسم کا تغیر وتبدیل بھی نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ یہ مضمون ہے کہ کفار مکہ رسول اللہ ﷺ سے کبھی کبھی کہتے تھے کہ آپ جو کچھ ہمیں سناتے اور بتلاتے ہیں اس میں سے بعض باتیں ہمیں پسند نہیں، اگر آپ ان میں ہمارے حسبِ منشا کچھ ترمیم وتبدیلی کر دیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔تو رسول اللہ ﷺ اس کا جواب دیتے تھے کہ میرا کام تو صرف اللہ کی بات کو جوں کا توں پہنچانا ہے، مجھے کسی ترمیم وتبدیلی کا تبدیلی کا بالکل اختیار نہیں۔چنانچہ اس بارے میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ ما يَكون لی ان

یعنی میں اپنی طرف سے ذرا بھی ردوبدل نہیں کرسکتا، اللہ کی طرف سے جو کچھ مجھے وحی کی جاتی ہے اور جو حکم بھیجا جاتا ہے میں تو بالکل اسی کی پیروی کرتا ہوں۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

وَمَا يَنطق عَن الهَوٰى

یعنی ہمارے یہ رسول دین کی جو تعلیم دیتے ہیں تو یہ ان کے اپنے جی کی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ وحی ہے جو ہماری طرف سے ان

کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

الغرض انبیاء علیہ السلام اسلام کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو احکام وہ لاتے ہیں وہ ان کے اپنے تجویز کردہ احکام نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے احکام ہوتے ہیں اور وہ ان کے صرف لانے والے اور پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

انبیاء کے اجتہاد کی حیثیت:

ہاں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی معاملہ پیش آ گیا اور اس بارے میں بعض لوگوں کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان آیات کا مطلب شاید یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ کلام فرماتے تھے وہ سب وحی ہوتا تھا اور وحی کے سوا آپ کوئی لفظ بولتے ہی نہ تھے۔ یہ بات اسی طرح صحیح ہے بلکہ آیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ پیغمبرانہ حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کلام فرماتے ہیں اور جو احکام پہنچاتے ہیں وہ سب وحی ہے۔ اس میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہوتی جو آپ اپنی طرف سے اور اپنی طرف اور اپنی طبیعت سے فرماتے ہوں۔ الغرض اس آیت کا تعلق اپنی باتوں سے ہے جو آپ اللہ تعالیٰ نے حکم اور پیغمبر کی حیثیت سے پہنچاتے تھے۔ ورنہ اپنے اہل خانہ سے اور اپنے خدام اور اصحاب کرام سے آپ جو بھی گفتگو میں فرماتے تھے ظاہر بات ہے وحی کے ذریعہ کوئی واضح حکم ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا ہوا ہے تو اس صورت میں وہ اجتہاد بھی کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام ان کے پاس پہلے آ چکے ہیں اور جو علم پہلے مل چکا ہے وہ اس کی روشنی میں غور وخوص کر کے اس معاملہ کا حکم بیان فرماتے ہیں، ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی طبیعت سے اور اپنی ذاتی رائے سے جو چاہے فیصلہ فرما دیتے اور حکم دے دیتے بلکہ پہلے آئے ہوئے اللہ کے احکام سے ہی جو کچھ ان کی سمجھ میں آتا ہے اسی کو وہ شریعت کے حکم کی حیثیت سے بیان فرما دیتے ہیں اور انبیاء علیہ السلام کے ایسے اجتہادات عموماً صحیح ہی ہوتے ہیں اور اگر کبھی لغزش ہوتی ہے تو فوراً وحی کے ذریعہ ان کو اطلاع دیدی جاتی اور اس کی تصحیح کر دی جاتی ہے اور جب وحی کے ذریعہ کوئی تصحیح نہ کی جائے تو یہ متعین ہو جاتا ہے کہ حکم اپنی ویسی ہے جو نبی نے اپنے اجتہاد سے سمجھا اور ہر وہ مسئلہ اجتہاد ہی نہیں رہتا بلکہ ''ملحق بالوحی'' ہو جاتا ہے یعنی اس کا درجہ وہی ہوتا ہے جو وحی کے ذریعہ آنے والے احکام کا ہوتا ہے۔

آئمہ مجتہدین کا اجتہاد:

جب اجتہاد کا ذکر آ گیا ہے تو یہی آئمہ کے اجتہاد کی نوعیت اور حیثیت کو بھی سمجھ لیا جائے۔ کچھ مسائل تو وہ ہیں جو قرآن مجید میں یا رسول اللہ ﷺ کی سنت میں صاف طور سے بیان کر دئے گئے ہیں، ان کے بارے میں تو اجتہاد کو کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ہے لیکن ان کے علاوہ بہت سے ایسے حوادث اور واقعات پیش آتے ہیں جن کا حکم قرآن پاک میں یا احادیث نبوی میں نہیں ملتا تو ان کے بارے میں مجتہدین کو اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے جو بنیاد سمجھی ہیں وہ ان سے حوادث اور واقعات کا حکم نکالتے ہیں۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا قاضی اور والی بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا کہ تمہارے سامنے جو مقدمات اور مسائل آئیں گے ان کا فیصلہ تم کس طرح کیا کرو گے؟

انھوں نے عرض کیا کہ:

پہلے تو کتاب اللہ کی طرف اور اس کے بعد آپ کی سنت کی طرف یعنی آپ کے طرز عمل اور آپ کے ارشادات اور فیصلوں کی طرف رجوع کروں گا اور اگر دونوں جگہ سے مجھے اس معاملے کا حکم نہیں ملے گا تو پھر میں اجتہاد کروں گا۔

آنحضرت ﷺ ان کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور ان کو شاباشی دی اور اللہ کی حمد کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ یہ حدیث گویا مجتہدین کے اجتہاد کی بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صحیح طور پر نبیوں کی اتباع کرنے کی نیک توفیق عطا فرمائے اور صحیح معنوں میں رسولوں کی فرمانبرداری پر رہنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

(صفحہ نمبر 196 کا بقیہ)

ہیں اور ان کی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں یا ان اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی برکت اور وسیلہ سے دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کا شکر و احسان ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ کی برکت سے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کو حیاتِ ابدی عطا فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کی حیات ابدی کا ثبوت ان روشن واقعات سے ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ کے پاس ایک شخص حدیث پڑھنے کے لئے آیا اور دریافت کیا کہ آپ حدیث کن سے پڑھے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں بالراست حضور ﷺ سے پڑھا ہوں، لیکن اس شخص کو آپ کی بات کا یقین نہیں آیا اور اپنے مکان واپس آ گیا شب میں وہ سویا تو حضور ﷺ اس کے خواب میں آئے اور فرمانے لگے کہ ابوالحسن سچ کہتا ہے میں نے ہی انہیں حدیث پڑھایا ہے۔ دوسرے دن وہ آدمی حضرت شاہ ابوالحسن خرقانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حدیث پڑھنے لگا، بعض جگہوں پر آپ اس کو روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس شخص نے دریافت کیا یہ کہ آپ کو کیسے معلوم؟ آپ فرماتے کہ جب تم حدیث پڑھ رہے ہو تو میں حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کو دیکھتا ہوں اور جب آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر شکن پاتا ہوں تو معلوم کرتا ہوں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (تذکرۃ الاولیا)

ایک صاحب ولایت و کرامت بزرگ ایک روز ایک محدث کے درس حدیث میں حاضر ہوئے، محدث صاحب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے، ولی موصوف نے حدیث سن کر فرمایا یہ حدیث بالکل غلط ہے، نبی کریم ﷺ نے ہرگز یوں نہیں فرمایا محدث صاحب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں ایسا کہہ رہے ہیں، تو آپ نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، حضرت موصوف نے فرمایا کہ حضور ﷺ اوپر ہی کھڑے ہوئے ہیں، اگر تم دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ سکتے ہو، محدث صاحب اوپر سر اٹھایا اور ولی معظم نے ان کو حضور ﷺ کو دکھا دیا۔

اللہ رب العالمین حضور سرکار دو عالم رحمۃ العالمین و سید المرسلین ﷺ کے طفیل سے امت نبی کریم ﷺ پر اپنا فضل و کرم فرمائے اور حضور اکرم ﷺ کی نگاہ خاص تمام امت پر باران رحمت کے مانند ہوتی رہے۔ آمین، ثم آمین

بجاہ سید المرسلین

تصرفاتِ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از: حافظ ای،یم،ڈی، ھچ ذاکر لطیفی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے سید المرسلین خاتم النبیین والمرسلین پیغمبرِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کے اس دنیا میں بھیجا۔ آپ ﷺ کو حیات ابدی عطا فرمایا ہے۔ دیگر انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کو حیات جاودانی عطا فرمایا ہے ان انبیاء علیہ السلام سے برکات وفیوضات اور تصرفات جاری وساری ہیں اور رہتی دنیا تک جارو وساری رہیں گے، اس قول کی صداقت ان حقیقت آمیز واقعات سے ہوسکتی ہے۔

حضرت امام بخاریؒ کی آنکھیں بچپن میں بہت ہی اچھی تھیں، بعداز اں رفتہ رفتہ بینائی جاتی رہی، جس کی وجہ سے آپ کی والدہ ماجدہ فکر وپریشانی میں کبیدہ خاطر رہتی تھیں۔ ایک روز شب میں آپ کے خواب میں حضرت ابراھیم علیہ السلام تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اے مائی! تیرے بچے کے آنکھ اچھے ہوگۓ ہیں۔ آپ صبح سویرے کیا دیکھتی ہیں کہ اپنے بچے کی بینائی لوٹ آئی ہے اور آنکھ بالکل اچھے ہوگئے ہیں۔ اس واقعہ سے آپ کو بے انتہا مسرت حاصل ہوئی، یہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توجہ خاص کا نتیجہ تھا کہ حضرت امام بخاریؒ کی بینائی لوٹ آئی۔

حضور ﷺ اپنی امت کے برگزیدہ ہستیوں کی رہبری فرماتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کی ہدایت کرتے رہتے ہیں، چنانچہ ایک روز شب میں حضرت ابوعلیؒ کے خواب میں آپ ﷺ تشریف فرما ہوکر کہنے لگے کہ اے ابوعلی! تو کیوں پریشان ؟ یحیٰ بن یحیٰ کے مزار پر حاضری دے کر تیری حاجت پیش کر انشاء اللہ تیری حاجت پوری ہوگی حضرت ابوعلیؒ بہت بڑے متقی پرہیزگار بزرگ تھے، کسی وجہ سے آپ پریشان حال رہتے تھے۔ حضور ﷺ کی بشارت وحکم کے مطابق آپ بعد نمازِ فجر حضرت یحییٰ بن یحیٰ کے مزار پر حاضری دیتے ہوئے اپنی حاجت پیش کئے۔ بحمد اللہ تعالیٰ آپ کی حاجت اسی وقت پوری ہوئی، آپ نہایت درجہ مسرّت کے ساتھ اپنے مکان کو واپس آئے۔ حضور ﷺ خود آپ کی حاجت پوری فرماسکتے تھے لیکن امت پر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اپنے مقام وطن کے اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات سے برکات وفیوضات جاری وساری رہتے ہیں۔ لہذا اپنی اپنی حاجتیں پیش کرنے سے وہ اللہ کے پاس دعا مانگتے

(بقیہ صفحہ نمبر 195 پر)

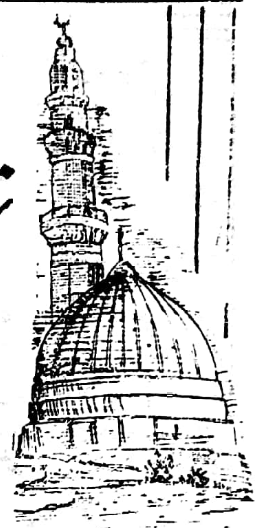
حمدِ باری تعالیٰ

سیّد سراج الدّین منیرؔ

تجھے سروری ہے زیبا تو خدائے لامکانی
تری ذات کو بقا ہے یہ تمام نقش فانی
تری ذات ذاتِ یکتا ترا مثل ہے نہ ثانی
تُو ہی لائقِ عبادت تُو خدائے ہر زمانی
یہ موت و حیات کیا ہیں ترا حکم آسمانی
تُو خدائے عزّ و جل ہے تری سب یہ حکمرانی
ترے ہاتھ ہے خدایا یہ شکست و کامرانی
کبھی رنج و غم کا عالم کبھی جشنِ شادمانی
تری نعمتوں کی ہم نے کبھی قدر ہی نہ جانی
تری قدر کا حق تھا نہ کی ایسی قدردانی
مجھے خاک سے بنایا مرے تن میں روح پھونکی
مجھے بولنا سکھایا یہ کرم یہ مہربانی
ترا ذکر کر سکے جو وہ زباں کہاں سے لاؤں
ترا ذکر کر رہا ہوں بہ زبانِ بے زبانی
یہ قدم جو اٹھ رہے ہیں سوئے منزلِ عدم ہیں
یہ خبر نہیں کہاں ہو مری شامِ زندگانی
اُسے غرق ہی نہ کر دیں یہ فنا کی تند موجیں
کہ ضعیف سے مسافر ہے جہاز بادبانی
میں منیرؔ بے نوا ہوں ترا عبد پُر خطا ہوں
مرے حال پر کرم ہو اے خدائے لامکانی

— پیش کش —

سیّد علی احمد قادری کلیم حیدر آبادی



حضرت شیخ سعدیؒ

نعتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جاں فدائے تو یا رسول اللہ
آپ پر میری جان فدا ہو یا رسول اللہ
دل گدائے تو یا رسول اللہ
یہ دل آپ کا طالب ہے یا رسول اللہ

فارغ از مبتلائے کونین است
دنیا کی محبت سے فارغ ہے
مبتلائے تو یا رسول اللہ
آپ کی چاہت رکھنے والا یا رسول اللہ

گر بیابم بجائے سرمہ کشم
میں اگر آپ کے قدموں کی خاک پالوں
خاکِ پائے تو یا رسول اللہ
سرمہ بنالوں گا یا رسول اللہ

از ہمہ خلق گشت بیگانہ
تمام مخلوق سے بیگانہ ہے
آشنائے تو یا رسول اللہ
آپ کو پہچاننے والا یا رسول اللہ

کاش! ہر موئے من زبان بودے
کاش میرے بالوں کو زبان ہوتی
در ثنائے تو یا رسول اللہ
آپ کی تعریف ہر بال کرتا یا رسول اللہ

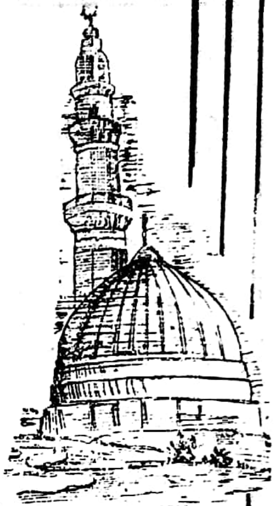
روشنی بخش ہر دو کون و مکاں
روشنی بخشتی ہے دونو جہان کو
عکس پائے تو یا رسول اللہ
آپ کے پاؤں کا عکس یا رسول اللہ

شافعی جز تو نیست در محشر
میری شفاعت کرنے والا محشر میں تمہارے سوا کوئی نہیں
ما ورائے تو یا رسول اللہ
آپ کے سوا یا رسول اللہ

ہمہ شب چوں چراغ می سوزم
تمام رات چراغ کے مانند جلتا رہا
بے لقائے تو یا رسول اللہ
آپ کے نہ دیکھنے سے یا رسول اللہ

ارحم الراحمیں نمی بخشد
اللہ تعالیٰ بھی نہیں بخشتا ہے
بے رضائے تو یا رسول اللہ
آپ کی خوشنودی کے بغیر یا رسول اللہ

سر نہادست بر درت سعدی
آپ کی چوکھٹ پہ سعدی سر رکھا ہوا ہے
در ہوائے تو یا رسول اللہ
آپ کی محبت میں یا رسول اللہ



نعتِ شریف

خواجہ محمد بیابانی نورؔ قادری وچشتی

ذاتِ خدا کے مظہرِ شایاں ہیں مصطفےٰؐ
واللہ جمالِ حضرتِ سبحاں ہیں مصطفےٰؐ

نورِ خدا کے نیّرِ تاباں ہیں مصطفےٰؐ
محبوبِ رب ہیں شاہِ رسولاں ہیں مصطفےٰؐ

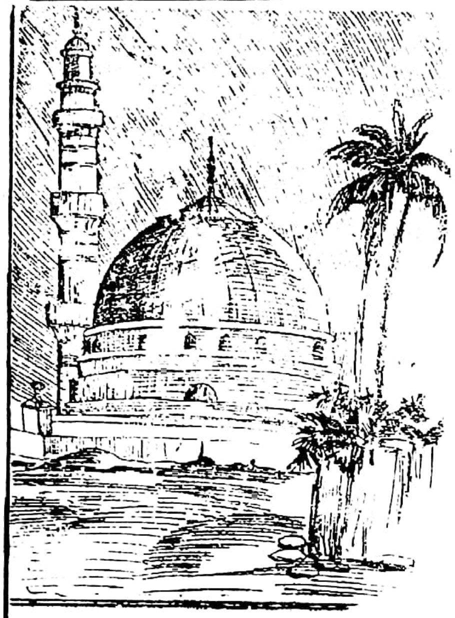
اوّل خدا نے خلق کیا نورِ مصطفےٰؐ!!
یہ کائنات جسم ہے اور جاں ہیں مصطفےٰؐ

اپنے حبیبؐ پاک کا شیدا ہے خود خدا
ایماں کی جاں ہیں صاحبِ قرآں ہیں مصطفےٰؐ

اللہ نے بنا دیا مالک حبیبؐ کو!!
مختارِ دو جہاں شہِ خوباں ہیں مصطفےٰؐ

میلاد کی خوشی میں مناتے ہیں جشنِ عید
کون و مکاں کے سرور و سلطاں ہیں مصطفےٰؐ

اے نورؔ تو ہمیشہ سے محتاج نور کا
دیتے ہیں وہ سخی بڑے ذیشاں ہیں مصطفےٰؐ



نعت شریف

روک لیتی ہے آپؐ نسبت جتنے بھی تیر ہم پہ چلتے
یہ کرم ہے حضورؐ کا ہم پر آنے والے عذاب ٹلتے ہیں

وہی بھرتے ہے جھولیاں سب کی وہ سمجھتے ہیں بولیاں سب کی
آؤ بازارِ مصطفےٰؐ کو چلیں کھوٹے سکّے وہیں پہ چلتے ہیں

تم ہی بھرتے ہو جھولیاں سب کی اور سمجھتے ہو بولیاں سب کی
ہم بھی شامل ہے اُن غلاموں میں تیرے ٹکڑوں پہ جو بھی پلتے ہیں

اب ہمیں کیا کوئی گرائے گا اب ہمیں کیا کوئی دبائے گا
ہم نے خود کو گرا لیا ہے وہاں گرنے والے جہاں سنبھلتے ہیں

یہ ہے بازارِ مصطفےٰؐ یاروں کھوٹے سکّے یہیں پہ چلتے ہیں
یہ کرم ہے حضورؐ کا ورنہ کھوٹے سکّے کہاں پہ چلتے ہیں

اپنی اوقات صرف اتنی ہے کچھ نہیں بات صرف اتنی ہے
کل بھی ٹکڑوں پہ ان کے پلتے تھے آج بھی ٹکڑوں پہ ان کے پلتے ہیں

نعت کی محفلیں سجائیں گے نعت کی محفلیں میں جائیں گے
اُن کو ہم عمر بھر جلائیں گے آپؐ کے ذکر سے جو جلتے ہیں!

ان کے دربار کے اُجالوں کی بات ہے نہایت ہے رفعت خالد
یہ اُجالے کبھی نہ سمٹیں گے یہ وہ سورج نہیں جو ڈھلتے ہیں

پیش کش: الحاج سید مصطفےٰ قادری المعروف کمال پاشاہ حویلی عرس جاگیر۔ ورنگل



نعتِ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم

کیا مدح و ثنا مجھ سے ہو سیدِ ابرارؐ یا احمدِ مختارؐ
تم ربؐ کے دلارے ہو تم اللہ کے دلدار یا احمدِ مختارؐ

تمؐ نے مئے وحدت وہ پلائی کہ ہے سرشار بیگانۂ افکار
میخانۂ کثرت کا ہر اک رند قدح خوار یا احمدِ مختارؐ

کیا خوف رہِ منزلِ ہستی ہے جو دشوار ہے راہ جو پُرخار
تمؐ چاہو تو اس راہ میں لہرائینگے گلزار یا احمدِ مختارؐ

ہر درد سے مجبور ہوں ہر غم سے ہوں لاچار کوئی نہیں غمخوار
خوابیدہ ہے خوابیدہؐ مرا طالعِ بیدار یا احمدِ مختارؐ

تمؐ نازشِ کونین ہو تمؐ فخرِ دو عالم تمؐ نورِ مجسم
تمؐ تاجِ نبوّت کے ہو شاہا دُرِ شہوار یا احمدِ مختارؐ

مجھ پیکرِ خاکی پہ ہو اکرام کی بارش از راہِ نوازش
جو نادم و محجوب ہے میں ہوں وہ گنہگار یا احمدِ مختارؐ

رب اس سے رضامند ہے تمؐ جس سے ہو راضی مرضی ہے اسی کی
تمؐ جس کے نگہباں ہو خدا اُس کا نگہدار یا احمدِ مختارؐ

الفت میں تمہاری مگن یہ دلِ صد چاک میرا دلِ غمناک
بیدردِ زمانے سے نہیں اس کو سروکار یا احمدِ مختارؐ

کیا بات ہے دیتی ہے ہوا میرے جنوں کو یہ زلف کی خوشبو
کیوں ہوش اڑاتے ہیں مرے گیسوئے خمدار یا احمدِ مختارؐ

کیوں سر بہ گریباں ہے یہ خورشیدِ درخشاں یہ نیّرِ تاباں
کیوں ماہ کو کرتا ہے خجل روئے پُرانوار یا احمدِ مختارؐ

تمؐ چاہو تو ہو گنبدِ خضرا کا نظارا ہوں شوق سراپا
دو اذن تو حاصل ہو مجھے دولتِ دیدار یا احمدِ مختارؐ

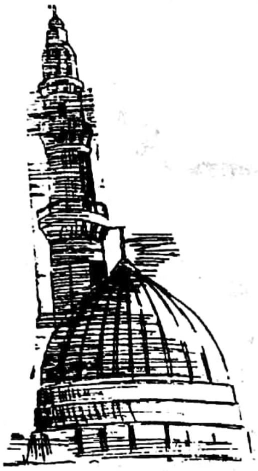
پاکیزگیٔ مصحفِ قرآن درخشاں ہے صاف نمایاں
ہے جس پہ تری تابشِ آئینۂ رخسار یا احمدِ مختارؐ

اک تمؐ ہو تمہیں تمؐ ہو مرا دین مرا ایماں تمؐ دلبرِ یزداں
اک میں ہوں تمہاری ہی شفاعت کا طلبگار یا احمدِ مختارؐ

بے بس غمِ دوراں سے شمیمؔ آج ہے حیراں از حد ہے پریشاں
بس اک عنایت کی نظر اس کو ہے درکار یا احمدِ مختارؐ

اثرِ خامہ: محمد یوسف شمیمؔ بی اے نیلوری آندھرا پردیش

پیشکش: محمد باقر حسین، اور محمد سجاد حسین (پوتے محمد یوسف شمیمؔ)



سلام

علیم صبا نویدی

شاہِ کونین پہ انوارِ مدینہ پہ سلام
حضرتِ احمدِ مختارِ مدینہ پہ سلام

صاحبِ کون و مکاں، سیدِ لولاک ہیں وہ دونوں عالم کے لیے جلوۂ ادراک ہیں وہ
رحمتِ جلوۂ مینارِ مدینہ پہ سلام

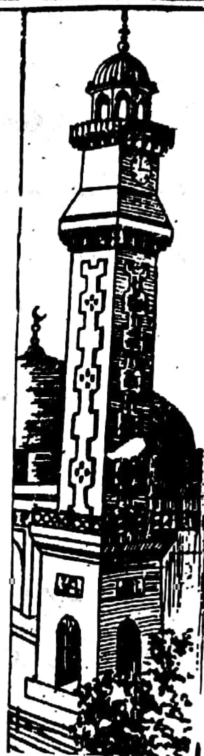
یہ زمیں پھیلی، اُفق پھیلا، جہاں پھیلا ہے جن سے قرآنی تجلی کا سماں پھیلا ہے
محسنِ اعظم و سالارِ مدینہ پہ سلام

علم و عرفاں کا ہوا آئینہ جن سے روشن دینِ حق جن سے مہک اٹھا ہے گلشن گلشن
اُس مہکتے ہوئے گلزارِ مدینہ پہ سلام

ذکر میں جن کے فرشتے بھی ہوئے ہیں مشغول یہ عجب شانِ کریمی ہے عجب شانِ رسول
شاہِ قرآن پہ سردارِ مدینہ پہ سلام

جن کی آمد سے زمانے میں سیاہی نہ رہی ظلم برباد ہُوا، غم کی تباہی نہ رہی
مرکزِ نور چمن زارِ مدینہ پہ سلام

نعت گوئی میں صبا کی ہے نبی کی خوشبو خوب اس صنفِ مقدس سے ہے پھوٹی خوشبو
نورِ قرطاس کا سرکارِ مدینہ پہ سلام



منقبت حضور غوث الاعظم دستگیرؓ

سرکار غوثِ اعظم نظرِ کرم خدارا
میرا خالی کاسہ بھردو میں فقیر ہوں تمہارا

جھولی کو میری بھردو ورنہ کہے گی دُنیا
ایسے سخی کا منگتا پھرتا ہے مارا مارا

سب کا کوئی نہ کوئی دُنیا میں آسرا ہے
میرا بجز تمہارے کوئی نہیں سہارا

میرا بنے ہیں دولہا محفل سجی ہوی ہے
سب اولیاء براتی کیا خوب ہے نظارا

یہ ادائے دستگیری کوئی میرے دل سے پوچھے
وہیں آگئے مدد کو انہیں جب جہاں پکارا

یہ تیرا کرم ہے یا غوث جو بنالیا ہے اپنا
کہاں مجھ سہ یہ کمینا کہاں سلسلہ تمہارا

سرکار غوث اعظم نظرِ کرم خدارا
میری خالی کاسہ بھردو میں فقیر ہوں تمہارا

پیش کش : الحاج سید مصطفےٰ قادری المعروف کمال پاشاہ جوبلی عرس جاگیر، ورنگل

غزل

ڈاکٹر شکیل نائطی

چنئی

حافظ شیرازی (فارسی)	اردو ترجمہ
دل میرودزدستم صاحبدلاں خدارا	دل ہاتھ سے ہے جائے صاحب دلو خدارا
دّردا کہ راز پنہاں خواہدشدآشکارا	افسوس ہو نہ جائے یہ راز آشکارا
دوروزہ مہر گردوں افسانہ ایست و افسوں	دو روزہ اُنس دنیا اک خواب اور فسانہ
نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا	نیکی ملے جو تجھ کو کرلے قبول یارا
کشتی نشستگانیم اے باد شرط برخیز	کشتی پہ آگئے ہیں اے بادِشُرط لے چل
باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را	مل جائے پھر سے شاید وہ آشنا ہمارا
درحلقہ گُل وِمُل خوش خواندوش بلبل	کل راب بزم مئے میں بلبل یہ گارہی تھی
ہاتِ الصَّبوحَ ہُبّو یا اَیُّھا السُّکارٰا	لاؤ صبوحی مستو جلدی سے تم خدارا
اے صاحب کرامت شکرانہ ٔ سلامت	اے صاحب کرامت شکرانے میں کسی دن
روزے تفقّدے کن درویشِ بے نوارا	درویشِ بے نوا پر کیجئے کرم خدارا
آسایش دوگیتی تفسیر ایں دوحرف است	دونوں جہاں کی راحت دو حرف میں چھپی ہے
بادوستاں تلطف با دشمناں مُدارا	کر لطف دوستوں پر دشمن کو کر گوارا
آن تلخوش کہ صوفی اُمُّ الخبائِثش خواند	نوخیز لب کے بوسوں سے تلخ مئے ہے اچھی
اَشھیٰ لَنَا وَاَحلیٰ مِن قُبلۃِ العَذارٰی	اُمُّ الخبائث جس کو صوفی نے تھا پکارا
حافظ بخود نپوشیدایں خرقۂ مے آلود	حافظ نے خود نہ پہنا یہ خرقۂ مئے آلود
اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا	اے شیخ پاک دامن ہمیں بخش دے خدارا

جذبۂ خودی

یس۔ محمد یوسف شماس، اسٹیشن مینجر ساؤتھ سینٹر ریلوے۔ ادھونی

یہ مسجدیں یہ حسیں جن کے گنبد و مینار
فلک سے سوئے زمیں جن پہ رحمتوں کی پھوار

فضائیں مہکیں اذانوں سے ہر گھڑی ہر سُو
ہے نغمہ سنج فلک چھیڑے سرمدی کا تار

ہمارا امتحاں عہدِ ازل کا ہے ایفا
اسی ہی خالقِ کل کے ہیں ہم حسیں شہ کار

زمیں و چاند ستارے ہمارے شیدائی
ہمارے دم سے ہی رونق ہے گرمئ بازار

ہمارے واسطے یہ زیرِ زمیں آسماں منظر
یہ آبشارِ صدا "ھو" کی دامنِ کہسار

ہمارا ایک ہے اللہ ہمارا ایک نبیؐ
ہمارا میکدہ وحدت کا جس کے ہم میخوار

ہمارے بوبکرؓ فاروقؓ و عثمانؓ حیدرؓ ہیں
ہیں چار ایک اور جن پہ ہم ہوئے ہیں ہم سرشار

کلاہ سر پہ سجے یا عمامہ زینتِ فرق
اٹھو اٹھو کہ میرے پیارے اسپِ تازی سوار

یہ اختلافِ زبان و نسل و رنگ عجب شئے ہے
ہر ایک رنگ کے پھولوں سے زینتِ گلزار

یہ خانقاہوں مدارس سے نور پھوٹے گا
ہر ایک رُوئے مصفّٰی سے بارشِ انوار

محبتوں کے خزینے لیے رواں ہر دوش
ہمارا دستِ کرم ہر گھڑی ہے گوہر بار

سمندروں کے یہ امواج ہم سے تھم جائیں
ہر ایک برقِ و طلاطم سے بر سرِ پیکار

ہماری جان امانت ہے ربِّ عالم کی
مٹا سکے گا نہیں ہم کو دھمکیوں کا وار

یہ اپنا کارواں خود راستے بنائے گا
ہمارے سامنے حائل کوئی بھی ہو دیوار

خزاں خزاں نہ رہے ہو بہار کا موسم　　　ہمارے عزم سے صحرا بھی ہوتا ہے گلزار
ضرور کوئی اٹھا جوش حیدری کی قسم　　　پھر آج قوتِ باطل کا گرم ہے بازار
جلا کے بڑھنا ہے پھر کشتیوں کو ساحل پر　　　خودی میں زندہ ہو طارق کا جذبۂ سرشار
بہت ہی سوئے تھے بیدار اب ہوئے ہیں ہم　　　ہمارے دست پہ صیقل ہوئی ہے اب تلوار
خزانے لوٹنا اپنے یہ منشاء رہزن کا　　　بنا کے ہم کو تہی دم کرے گا ہم یہ وار
یہ گونج اٹھیں چٹانیں ہماری ہیبت سے　　　ہمارے نام پہ لرزے ہیں ظالم و اشرار
ہمارے بھائی سے لڑنے کا درس دے ہم کو　　　ہر ایک حیلے حوالوں سے جس کے ہشیار
شہیدو آپ پہ سب رحمتیں تمام ہوئیں　　　خدا کے فضل سے فتح مبین ہے آخر کار

یہ دیکھا دنیا نے شما آتش آخرش انجام
یہ ظلم و جبر کے محلات ہو گئے مسمار

نذرانہ عقیدت

بیاد شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین

سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

بموقعہ سالانہ فاتحہ: بتاریخ ۲۳؍جون ۲۰۰۷ء

اثرِ خامہ: علیم صبا نویدی

آج ہے آہ و فغاں چاروں طرف
آنسوؤں کا ہے سماں چاروں طرف

فرطِ غم سے رو پڑے دیوار و در
ہر طرف ماتم کناں اہلِ نظر
امتحاں ہی امتحاں چاروں طرف

یادِ ماضی کا سمندر دل میں ہے
ہر کوئی غمگین سا محفل میں ہے
غم کی دنیا ہے عیاں چاروں طرف

یہ ستم ہم سے سہا جاتا نہیں
کیا کہیں کہ کچھ کہا جاتا نہیں
آج ہے زخمی زباں چاروں طرف

آج ہیں غم ناک عثمان وھلال
ہیں شریکِ غم سبھی اہلِ کمال
غم کا دریا ہے رواں چاروں طرف

بزمِ نورانی تھے باقر قادری
نقش روحانی تھے باقر قادری
آپ تھے جلوہ فشاں چاروں طرف

آپ تھے عشقِ نبیؐ کی رہ گذر
آپ تھے عالم بڑے صاحب نظر
آپ تھے حق کی زباں چاروں طرف

آپ نے سب کو دیا حق کا سبق
آپ نے روشن کئے چودہ طبق
آپ سا کوئی کہاں چاروں طرف

آپ سے روشن ہوا دارالسرور
علم کا گلشن ہوا دارالسرور
آپ تھے جادو بیاں چاروں طرف

آپ کے حق میں تھی فردوسِ بریں!
سلطنت تھی منتظر زیرِ زمیں
آپ تھے روشن نشاں چاروں طرف

ہو صبا پر آپ کی چشمِ کرم
اس کے فن کا آپ رکھیے گا بھرم
وہ بنے نورِ جہاں چاروں طرف

پیش کش: مولوی جمیل احمد شریف لطیفی ایم،اے: میسوری

سالنامہ اللطیف ویلور



دارالعلوم لطیفیہ کا ایک منظر

دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

Printed at Tamilnadu Urdu Publication, Chennai - 600 002. Cell : 9840361399